شیخ عبدالعزیز دباغ

صدارتی ایوارڈ یافتہ نعتیہ کتب
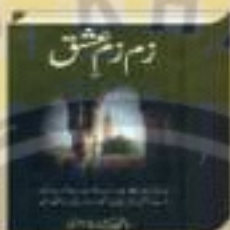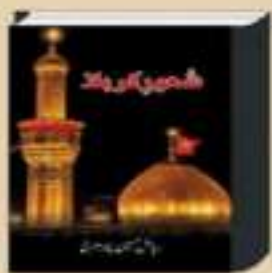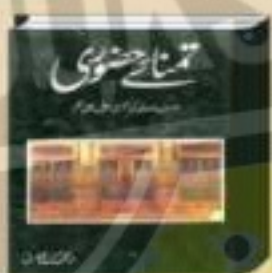
ریاض حسین چودھریؒ کا

جہانِ فن

مرتب

شیخ عبدالعزیز دباغ

نعت ریسرچ سنٹر

B-306، بلاک 14، گلستانِ جوہر، کراچی
موبائل نمبر: 0332-2668266
sabeehrehmani@gmail.com
www.sabih-rehmani.com

نعت ریسرچ سینٹر
ہمارا نصب العین! نعتیہ ادب کا فروغ

کتاب : ریاض حسین چودھریؒ کا جہانِ فن
مرتب : شیخ عبدالعزیز دباغ
کمپوزنگ : اشفاق انجم
اشاعت : نومبر 2022ء
تعداد : 400
قیمت : 1000 روپے

شائع کردہ
ریسرچ سینٹر

B-306، بلاک 14، گلستان جوہر، کراچی۔
ISBN: 978-969-8918-80-4

نقشِ حسّان

ریاض حسین چودھریؒ کے نام
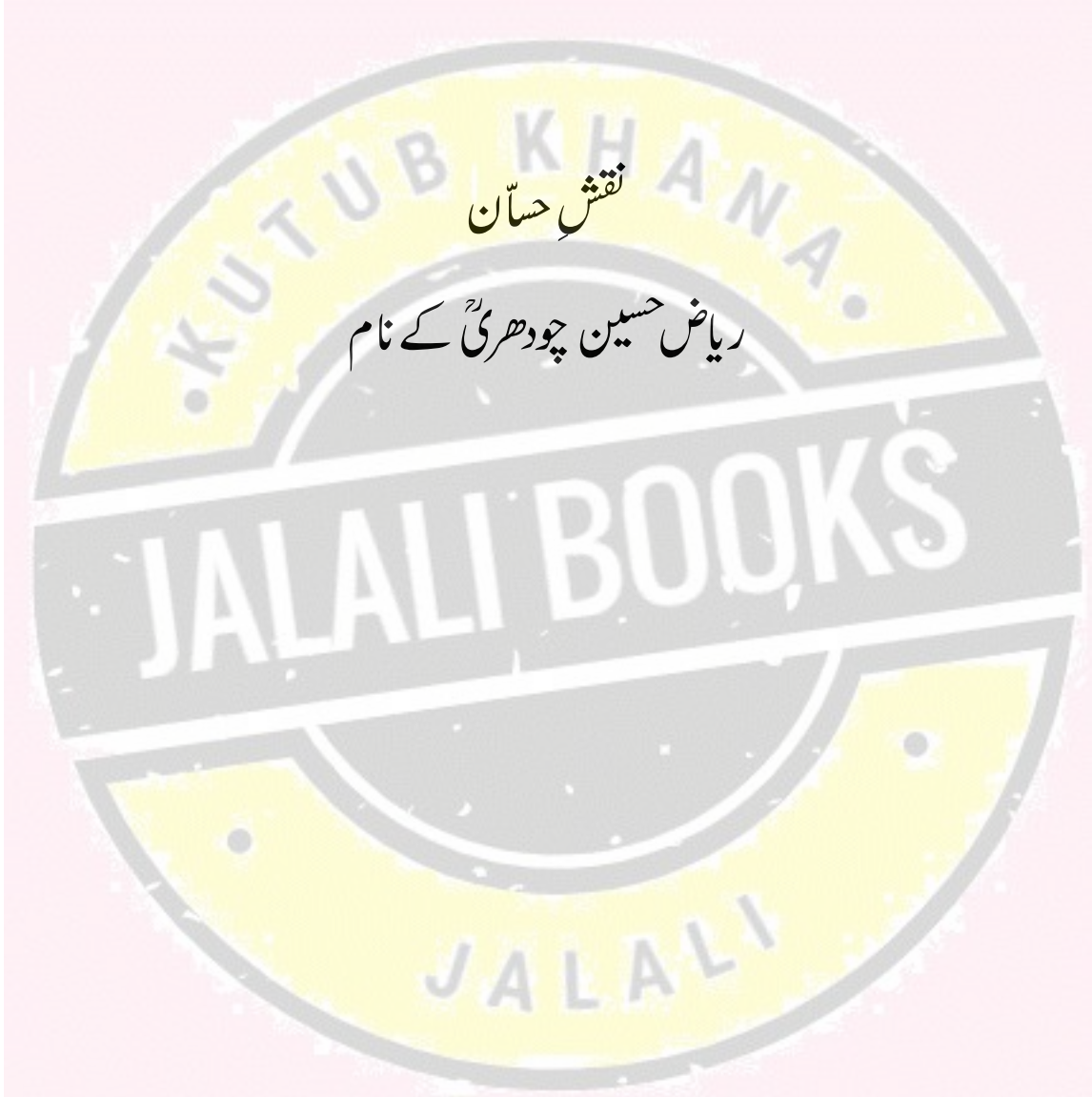
کروں میں بھی حنا بندی گلستانِ سخن تیری
غزل کہتی چلے صلِّ علیٰ طیبہ کی گلیوں میں

شہرِ طیبہ کی ہواؤں سے ہے میری دوستی
جو مدینے کا ہے موسم وہ مرے اندر کا ہے

چراغِ نعت جلتے ہیں مرے چھوٹے سے کمرے میں
مرے آنگن کی چڑیاں بھی درودِ پاک پڑھتی ہیں

حشر تک چین سے سو جاؤ فرشتوں نے کہا
دیکھ کر قبر میں بھی صلِّ علیٰ کا موسم

عرضِ مرتّب

ریاض حسین چودھریؒ جہان مدحت نگاری کا ایک بڑا نام ہیں۔زود گو، بسیار گو، حسنِ شعریت کے جدید معیارات تخلیق کرنے والے ، روایت کی کوکھ سے آنے والے وقت کے نعتیہ شعور کی شکل وصورت نکالنے والے، اپنے اسلوب، شعری لغت، ہیئت آفرینی اور تراکیب و استعارات کی کہکشائیں وجود میں لانے والے شاعرِ رسولؐ زندگی کا لمحہ لمحہ لوح و قلم سے نورِ حمد ونعت کی سحر آفرینی میں مگن رہے۔محوِ مدحت ، ان کے ساتھ کائنات یا وہ کائنات کے ساتھ محوِ درود رہے۔

درویش صفت ریاضؒ لکھتے تو رہے مگر اپنے کلام کی اشاعت کے اسباب کے حوالے سے محرومیت کے احساس سے آزردہ رہتے۔مگر عاشق صادق تھے، رب کریم نے آپ کی تخلیقات کی ترویج کے لئے انتظامات فرما ہی دیئے۔

میں نے یہ دیکھا کہ وہ اپنی صحت کے مسائل اور منصبی مصروفیات اور کل وقتی مدحت نگاری کے مزاج کی وجہ سے اس طرح کے تعلقات عامہ استوار نہ کر سکے جو ان کی شعری ترویج و تفہیم اور وفور رابطہ کے لئے ضروری ہوتے ہیں۔چند سرکردہ دانشوروں کے ساتھ ان کا مؤثر رابطہ رہا مگر میڈیا کی دنیا میں وہ زیادہ معروف نہ رہے۔اس کا نتیجہ میں نے یہ دیکھا کہ پبلشر حضرات ان سے اپنے کاروباری مفادات کی بنیاد پر کتاب چھاپتے خواہ وہ صرف دو سو کی تعداد میں ہوتی۔ میں نے ایک صاحب سے جب اس ضمن میں گفتگو کی تو ان کا نظریہ بہت واضح تھا کہ آج کل لوگ کتاب نہیں پڑھتے۔موبائل نے انقلاب برپا کر دیا ہے اور کتاب بھی نعت کی، جس کے قارئین بھی مخصوص حلقۂ ذوق سے تعلق

رکھتے ہیں، لہٰذا کتاب چھاپ کر پبلشر اپنی رقم دوکان میں بند کر کے نہیں رکھ سکتا۔ یہ عملی مسائل ایسے تھے جن کا چودھری صاحب جیسے درویش مدحت نگار کے پاس کوئی حل نہیں تھا۔ احقر نے ان کے آٹھ نعتیہ مجموعے شائع کئے جب کہ سات کتب وہ چھپوا چکے تھے اس طرح 2017 تک پندرہ کتب شائع ہو گئیں مگر افسوس کہ اگست 2017 میں چودھری صاحب ہم سے بچھڑ گئے۔ حال ہی میں سید صبیح الدین رحمانی صاحب نے التفات فرمایا اور نعت ریسرچ سنٹر کراچی سے ریاض کا غیر مطبوعہ کلام بھی شائع ہو گیا ہے۔ الحمد للہ!

سید صبیح الدین رحمانی صاحب فروغِ نعت کے بہانے ڈھونڈنے والے اعلیٰ شعورِ حمد و نعت کی ترویج میں مگن رہنے والے بارگاہِ پیمبرؐ کے پروردۂ لطف و کرم ہیں۔ ریاض کے نعتیہ کلام کی اشاعت کے ساتھ ساتھ آپ نے ریاض کے شعورِ نعت کے فروغ کے لئے آپ پر لکھے گئے نثر پاروں کو بھی قارئین تک پہنچانے کی ترغیب دی اور رہنمائی فرمائی۔ چنانچہ کئی تحریریں ملیں جن کو ایک ترتیب سے اس کتاب میں شامل کیا گیا ہے۔ ریاض کی نعتیہ شاعری پر اساتذۂ فن کی یہ نادر تحریریں یقیناً شعورِ نعت اور نقد و نظر کے فروغ کے سلسلے میں ایک بڑے خزانے کا درجہ رکھتی ہیں جنہیں یہاں محفوظ کر دیا گیا ہے۔ ان کا مطالعہ اساتذہ، محققین، ادبا و صاحبانِ نقد و نظر کے لئے بالعموم اور تحقیق حمد و نعت میں مصروف طلبہ و طالبات کے لئے بالخصوص بے حد کارآمد ہو گا۔

سید صبیح الدین رحمانی صاحب کو رب کریم سلامتی سے نوازیں، کتاب کی اشاعت میں آپ کے تعاون اور رہنمائی کے لئے احقر دل کی گہرائیوں سے ان کا شکر گذار ہے۔

شیخ عبدالعزیز دباغ

فہرست

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
۱	**عرضِ مرتب**	۵
۲	ریاض کی نعتیہ کتب پر اساتذۂ فن کی آراء	۱۱
۳	**آئینہ خانۂ نقد ونظر**	۴۷
۴	ریاضؒ پر لکھی جانے والی سب سے پہلی تحریر	۴۹
۵	’’خونِ رگِ جاں‘‘ کا پیش حرف ...... آغا صادق	۵۱
۶	**’’خونِ رگِ جاں‘‘ کا منظوم دیباچہ......آغا صادق**	۵۴
۷	بھائی ریاض حسین سلطانِ نعت کیسے بنے	۵۶
۸	ریاض حسین چودھری کی غزل گوئی ، عارف عبدالمتین	۷۴
۹	جدید لہجے کا نمائندہ مدحت نگار...... پروفیسر محمد اکرم رضا	۸۳
۱۰	پیکرِ جمالیاتِ فن اور جدت وشائستگی کا معیار؛ پیشوائی، حفیظ تائب	۱۰۹
۱۱	تمنائے حضوری اور ریاض حسین چودھری، ڈاکٹر شبیر احمد قادری	۱۱۸
۱۲	تمنائے حضوری : صاحب زادہ خورشید احمد گیلانی	۱۲۵

۱۳ متاعِ قلم: شاعر سے اللہ تعالیٰ کی محبت کا ظہور آسی ضیائی ۱۲۷

۱۴ روشنی کا شاعر: شیخ عبدالعزیز دباغ ۱۳۱

۱۵ ریاض کی صحافتی اور ادبی خدمات ......سرفراز احمد خان ۱۴۳

۱۶ زرِ معتبر: حب نبیؐ کی پہنائیوں کا مرقع...... پروفیسر محمد اکرم رضا ۱۵۱

۱۷ خلد سخن میں نعت ریاض ...... پروفیسر محمد اکرم رضا ۱۵۵

۱۸ ریاض کی نعت کے رموزِ عشق کی پڑتال: سلطان ناصر ۱۷۲

۱۹ جدید تخلیقی طرز احساس کا شاعر ...... راجا نیر، روزنامہ الشرق ۱۷۸

۲۰ ریاض کی زرِ معتبر: ایک منفرد اسلوب نعت سید سلطان عارف ۱۸۴

۲۱ نقشِ حسان: پروفیسر ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی ۱۸۶

۲۲ نعت میں جدید اسالیب کی دھنک: آبروئے ما، ڈاکٹر خورشید رضوی ۱۹۷

۲۳ حدیثِ دلِ مہجوراں ...... ڈاکٹر عزیز احسن ۲۰۴

۲۴ مدحت نگارِ رسولﷺ کا ارمغان عجز و نیاز: ڈاکٹر طاہر حمید تنولی ۲۱۷

۲۵ ریاض حسین چودھری کی معریٰ حمد و نعت ...... ڈاکٹر ریاض مجید ۲۲۲

۲۶ ریاض حسین چودھری کا ارژنگِ فن ...... ڈاکٹر عزیز احسن ۲۳۸

۲۷ ریاض کی نظم نعت کی یکتائیت ...... شیخ عبدالعزیز دباغ ۲۴۶

۲۸ حقیقی نعت کا اسلوب اور سقوط ڈھاکہ کا صدمہ : ارشد طہرانی ۲۵۹

۲۹ قیقنسِ نعت ...... خواجہ طارق اسماعیل ۲۶۷

۳۰ ۲۶۔ کلاسیکی اور عصری نعت کے تلازمات ...... عاصی کرنالی ۲۷۰

۳۱ ۲۷۔ اردو ادب کے توانا رویوں کا امتزاج ...... ڈاکٹر آفتاب نقوی ۲۷۲

۳۲ زرِ معتبر، رزقِ ثنا اور سلامٌ علیک......احسان اللہ طاہر ۲۷۹

۳۳ درِ مصطفیٰ پہ پلکوں سے دستک ......طارق اسماعیل ساگر ۲۹۰

۳۴ غزل کاسہ بکف : تعارف ......بشیر حسین ناظم ۲۹۴

۳۵ اگلی صدی کی نعت......شیخ دباغ ۳۰۳

۳۶ ریاض اپنی نعتیہ کتب کے آئینے میں......ڈاکٹر شہزاد احمد ۳۰۸

۳۷ شعور و احساس اور انوار سرمدی: رشید آفریں ۳۳۹

۳۸ ریاض حسین چودھری کا نعتیہ شعور : پروفیسر ڈاکٹر محمد اشرف کمال ۳۴۲

۳۹ نعتِ ریاض ......ڈاکٹر سید یحییٰ نشیط ۳۴۹

۴۰	نامِ نبی کا وردِ مسلسل : ڈاکٹر طاہرہ انعام	۳۵۲
۴۱	ریاض کے معنویت کے ذرائع : شیخ عبدالعزیز دباغ	۳۵۸
۴۲	نئے نصابِ نعت کی تشکیل و تزئین : کاشف عرفان	۳۶۴
۴۳	دل کو کیا ہے میں نے مدینہ سرِ قلم : محمد حسنین مدثر	۳۷۱
۴۴	ریاض حسین چودھری کی نعت گوئی (نظمیں) : نوید صادق	۳۸۰
۴۵	شعریات میں عشقِ نبوی کی روشنی : ڈاکٹر عزیز احسن	۳۸۸
۴۶	نصابِ زندگانی کتاب ارتقا کا دوسرا نام : محمد حسنین مدثر	۳۹۲
۴۷	ریاض کے نعتیہ مجموعوں کی اشاعت : شیخ عبدالعزیز دباغ	۳۹۸
۴۸	ریاض حسین چودھری کی نعت میں ''استغاثہ'' : محمد قاسم کیلانی	۴۰۴

ریاض کی نعتیہ کتب پر اساتذۂ فن کی

آراء

زرِ معتبر

احمد ندیم قاسمی

گذشتہ ربع صدی میں ہمارے ہاں نعت نگاری نے بہت فروغ پایا ہے۔ جن شعراء نے اس صنفِ سخن میں ہمیشہ زندہ رہنے والے اضافے کیے ہیں ان میں ریاض حسین چودھری کا نام بوجوہ روشن ہے۔ اس دور کے سب سے بڑے نعت نگار حفیظ تائب، نیز ایک اور اہم نعت نگار حافظ لدھیانوی کی طرح ریاض حسین چودھری نے بھی آغاز غزل سے کیا مگر اس کے بعد جب نعت نگاری شروع کی تو غزل کی طرف پلٹ کر نہیں دیکھا مگر یہ اپنی اپنی صوابدید کا معاملہ ہے۔

ریاض حسین چودھری کی نعتیہ شاعری پڑھتے ہوئے میں نے محسوس کیا ہے کہ وہ جب نعت کا آغاز کرتے ہیں تو ان پر وارفتگی اور سپردگی کی ایسی کیفیت چھاجاتی ہے جسے وہ ہر ممکن حد تک جاری رکھنا چاہتے ہیں اور نعت یا نعتیہ نظم یا نعتیہ قصیدے کو انجام تک پہنچانے کو ان کا جی نہیں چاہتا۔ یہ کیفیت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کیساتھ انتہائی محبت اور انتہائی عقیدت کی غماز ہے اور اس حقیقت پر شاید ہی کسی کو شبہ ہو کہ ریاض چودھری اس دور کا ایک بھر پور نعت نگار ہے۔ بھر پور کا لفظ میں نے جان بوجھ کر استعمال کیا ہے، اس نعت نگار کے کلام میں محبت کی سرشاری بھی ہے، لفظ اور لہجے کی موسیقی بھی ہے اور پھر وہ حد ادب بھی ہے جو نعت نگاری کی اولین اور بنیادی شرط ہے۔

''زرِ معتبر'' ریاض حسین چودھری کی نعتیہ شاعری کے اس دور سے تعلق رکھتا ہے جو اس کی 1985ء تک کی تخلیقات پر محیط ہے بعد کے دس برس کی نعتوں کا مجموعہ الگ سے شائع ہو گا۔ زرِ معتبر کا مطالعہ نعتیہ شاعری کی دلآویزیوں کے علاوہ اس لحاظ سے بھی اہم

ہے کہ اس میں شاعر کی ابتدائی کاوشوں سے لے کر اس زمانے تک کی نعتیں شامل ہیں جب اس کا فن عروج کی اس بلندی کی طرف رواں تھا جو اس نے کمال استقامت سے آخر کار پالی۔ میں اس کے فن کی مزید ترقی کیلئے دعا کرتا ہوں۔

رزقِ ثنا

حفیظ تائب

جدید اردو نعت کا کوئی مختصر سے مختصر تذکرہ بھی ریاض حسین چودھری کی نعتیہ شاعری کا بھرپور حوالہ دیئے بغیر مکمل نہیں ہوسکتا۔ اُن کا شمار عہدِ جدید کے صفِ اول کے نعت نگاروں میں ہوتا ہے۔ ریاض نے نہ صرف جدید نعت میں افکارِ تازہ کی نمود کے کئی مقفل دروازوں کو کھولنے کا اعزاز حاصل کیا ہے بلکہ مضامینِ نعت کو شعورِ عصر کے ساتھ ہم آہنگ کر کے ایک ایسا اجتہادی کارنامہ بھی سرانجام دیا ہے جو لمحہ موجود ہی میں نہیں دورِ آئندہ میں بھی تشکیک و ابہام کی گرد آلود فضا میں مینارہ نور ثابت ہوگا۔ 1995 میں زرِمعتبر کی پیشوائی کے وقت میں نے لکھا تھا کہ زرِمعتبر جدید نعت کا ایک معتبر حوالہ ہے۔رزقِ ثنا میں شامل نعتیہ کلام کا تنوع جو ہیئت تک ہی محدود نہیں بلکہ شاعر کی سوچ کے ہر زاویے پر بھی محیط نظر آتا ہے، میرے اس دعوے کا منہ بولتا ثبوت ہے۔رزقِ ثنا کے ورق ورق پر اکیسویں صدی کی نعت کے خد و خال واضح ہوتے دکھائی دے رہے ہیں۔ ان خدوخال کے پیچھے روایت کا تسلسل بھی اپنی تمام تر تخلیقی توانائیوں کے ساتھ کارفرما ہے۔

جدید حسیت کے حوالے سے ریاض حسین چودھری کی نعت کے تہذیبی پس منظر کا ابلاغ اپنے ہم عصروں میں انہیں منفرد اور نمایاں مقام عطا کرتا ہے۔ ان کی آواز آوازوں کے اس جنگل میں صاف پہچانی جاسکتی ہے۔شاعر تخلیقی لمحے کے تعاقب میں رہتا

ہے۔ جب یہ لمحہ گرفت میں آتا ہے تو کشتِ لوح وقلم میں بادِ بہاری چلنے لگتی ہے اور ریاض کی نعت میں اس بادِ بہاری کی نشان دہی کرنے کی ضرورت نہیں پڑتی۔

1857 کی جنگِ آزادی کے بعد بے پناہ ریاستی جبر کے ردِعمل کے طور پر اسلامیانِ ہند میں جو عصری اور ملی شعور پیدا ہوا تھا اس عصری اور ملی شعور کی تہہ در تہہ کئی پرتیں پیرایہ نعت میں بھی کھلنے لگی تھیں۔ جدید اردو تاریخ کے اسی آشوب کے مختلف پہلو سامنے لاتی ہے۔ اس پر آشوب فضا میں ریاض کے مزاحمتی رویے کا اظہار بڑے بھرپور انداز میں ہوا ہے اور خوش آئند بات یہ ہے کہ یہ اظہار جمالیاتی قدروں کی پائمالی کا باعث نہیں بنا۔ ریاض کی نعت کو جدید تر اسلوب کا ایک معتبر اور مستند حوالہ قرار دیتے وقت ان کا یہی احساسِ جمال جو تغزل کی آبرو ہے میرے پیشِ نظر ہے۔

ریاض حسین چودھری کی اقلیمِ نعت تاجدارِ کائنات کی غلامی کے گہرے پانیوں میں ڈوبی ہوئی ہے۔ سرشاری اور سپردگی کا کیفِ دوام اول سے آخر تک ان کی شعری فضا میں برقرار رہتا ہے۔ غلامی کا عمامہ باندھے وہ اپنے حضور کی بارگاہِ بیکس پناہ میں انفرادی اور اجتماعی تمام مسائل اور مصائب کو پیش کر کے دربارِ مصطفوی سے ہدایت کی روشنی کے منتظر رہتے ہیں۔ درِ حضور کو امید کا آخری مرکز قرار دے کر وہ پوری کائنات کے لئے حضور کے نعلینِ اقدس کو سائبانِ کرم سے تعبیر کرتے ہیں۔ طاقِ جاں کے ہر گوشے میں مدحتِ رسول کے چراغ جلانے کی سعی کرتے ہیں۔ ریاض کی نعت دراصل تحریکِ عشقِ مصطفٰے کے نئے کاروان کا وہ پرچم ہے جو حلیفانِ حق کو ولولہ تازہ عطا کرتا ہے اور جسے دیکھ کر حریفانِ حق پر لرزہ طاری ہو جاتا ہے۔ محاذِ نعت پر متانت، سنجیدگی اور شائستگی کے مؤثر ہتھیاروں سے دادِ شجاعت دینا یقیناً ایک غیر معمولی بات ہے اور ریاض حسین چودھری کی نعت اس غیر معمولی مرحلے کو پورے اعتماد سے طے کر کے فتوحات پہ فتوحات حاصل کر رہی ہے۔

ڈاکٹر خورشید رضوی

جن معاصر شعرا نے خاص نعت کے حوالے سے شناخت پیدا کی ان میں جناب ریاض حسین چودھری کا نام ایک معتبر حیثیت رکھتا ہے۔ ذوقِ نعت اُن کے خمیر میں رچا ہوا ہے۔ چنانچہ خود انہی کے الفاظ میں مجھے نہیں خبر کہ کب منصبِ نعت گوئی کا زائچہ ہاتھ پر رقم ہوا۔ 1985 میں ریاض حسین چودھری آستانہ رسالت پر حاضری سے سرفراز ہوئےاور دس برس بعد 1995 میں جب اُن کا اولین مجموعہ نعت زرِمعتبر شائع ہوا تو انہوں نے اس کی حد بندی اسی شرفِ حاضری تک کے زمانے سے کی اور وہی نعتیں اس میں شامل کیں جو قریب قریب سبھی مواجہ شریف میں پیش کئے جانے کے شرف سے مشرف ہو چکی تھیں۔ حاضری کے بعد سے اب تک، انیس برس کے عرصے میں جو کچھ انہوں نے کہا اس کا ایک انتخاب دوسرے مجموعے رزقِ ثنا کی زینت ہے۔

ریاض حسین چودھری کی نعت بنیادی طور پر اس والہانہ جذبے سے عبارت ہے جو ان کے لئے زادِ سفر اور وسیلہ بخشش کی حیثیت رکھتا ہے اور انہیں حسّان وکعب و جامی و بوصیری و رضا کے قبیلے سے مربوط کرتا ہے تاہم اس جذبے میں عصری مسائل کے شعور اور آشوبِ ملت کے احساس کا وہ مؤثر امتزاج بھی شامل ہے جو انہیں آج کے ایوانِ نعت میں نمائندہ حیثیت عطا کرتا ہے۔

رزقِ ثنا کا خیر مقدم میرے قلم کے لئے باعثِ عزت ہے۔

خلدِ سخن

ڈاکٹر محمد طاہر القادری

حضور نبی اکرم ﷺ کے شمائل، فضائل، خصائل اور خصائص کے جمالیاتی ظہور کا نام نعت ہے۔ نعت کا اساسی رویہ درود و سلام کے حکم سے ترتیب پاتا ہے نعت امن و عافیت اور محبت کی پیام بر ہے اور امن ومحبت ہی ہر عہد کی بنیادی ضرورت ہے۔ اکیسویں صدی کی پہلی دہائی بھی نعت کی خوشبو سے مہک رہی ہے اردو زبان و ادب کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ عربی کے بعد دوسری زبان سے زیادہ تخلیقِ نعت کا کام اردو میں ہو رہا ہے۔ بیسویں صدی کی آخری دہائیوں میں اور اکیسویں صدی کی پہلی دہائی میں دھنک کے تمام رنگوں سے ایوان نعت میں عقیدتوں، محبتوں اور آرزؤں کے نقش و نگار بنانے کی بھرپور سعی کی ہے ان میں ریاض حسین چودھری کا نا بھی کئی حوالوں سے نمایا اور معتبر ہے۔

ریاض حسین چودھری تحریک منہاج القرآن کا تخلیقی اثاثہ ہیں، زرِ معتبر، رزق ثنا، ثنائے حضوری، (بیسویں صدی کی آخری طویل نعتیہ نظم)، فناع قلم، کشکول آرزو، اور اسلام علیک، کے بعد خلد سخن، اکیسویں صدی کے نعتیہ ادب کا نصاب عشق ہے جو نعت میں جدید تر تخلیقی رویوں کی نشاندہی ہی نہیں کرتا بلکہ مضامین نو کا ایک قابل قدر ذخیرہ بھی فراہم کرتا ہے، خلد سخن، میں وضاحت اور مسائل کی آگ میں جلتے ہوئے انسان کا المیہ بھی بیان ہوا ہے۔ امتِ مسلمہ جس زبوں حالی کا شکار ہے اس کا پیش منظر بھی اپنی تمام تر سنگینی کے ساتھ موجود ہے۔ ریاض نے اس شعور کو اجاگر کیا ہے کہ مکینِ گنبدِ خضرا سے از سر نو رشتہ غلامی کو استوار کئے بغیر عظمتِ رفتہ کی بازیابی کا تصور ممکن نہیں ریاض حسین تحریک منہاج القرآن کے مرکزی سیکرٹریٹ (لاہور) میں تقریباً ۱۳ سال تک مختلف عہدوں پر خدمات سرانجام

دیتے رہے ہیں آپ دس سال تک پندرہ روزہ، تحریک، کے چیف ایڈیٹر رہے فرید الدین ریسرچ انسٹی ٹیوٹ صدر شعبہ ادبیات کی حیثیت میں کر کرتے رہے، سیرت الرسول، کی بعض جلدوں کی ترتیب و تزوین کے کام میں بھی شریک رہے میری دعا ہے کہ ریاض سر پر غلامی کا عمامہ باندھے مواجیہ اقدس میں محوِ التجا رہیں اور مرحنہ شوق کبھی طے نہ ہو۔

ابو الامتیاز، ع،س، مسلم

ریاض حسین چودھری اللہ کے محبوب، رسول اکرم ﷺ کی محل کے وہ طوطیء خوش مقال ہیں جن کی روایت حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ حضرت عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ اور حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے ہوتی اور علامہ محمد بن سعید بوصیریؒ کو ردائے رحمت للعالمین سے ڈھانپتی ہوئی، گزرتی صدیوں اور لمحوں کے ساتھ اکناف عالم میں عاشقان محمد ﷺ کے دلوں کی دھڑکنوں میں جا گزیں ہوتی جاتی ہے۔

شاید فاصلوں کی دوری سبب، ریاض حسین چودھری سے میری کبھی شنا سائی نہیں رہی، لیکن جب کبھی کسی اخبار یا جریدے میں اُن کی نعت نظر سے گزری تو میرے قلب میں تازگی اور بیداری کا ایک نیا احساس پیدا ہوا، گویا فکر ونظر کے کچھ اور باب کھل گئے ہوں۔ بلکہ مجھے یہ تسلیم کرنے میں عار نہیں کہ بعض اوقات رشک آتا کہ کاش مجھے بھی وہ فراوانی، شوق، خود سپردگی کی وہ کیفیت، وہ ذخیرہ الفاظ اور ندرت بیان میسر ہو جن سے میں حضور پاک میں اپنی عرض نعت کو آراستہ کرسکوں۔

چنانچہ مجھے خوشی ہے کہ کچھ عرصہ قبل بعض احباب کی وساطت سے اُن کا پتا معلوم کرکے رابطے کی نوبت آئی، انہوں نے بکمال عنایت اپنے دو مجموعے عنایت فرمائے تو اطمینان ہوا کہ میری جستجو رائیگاں نہیں گئی۔

ریاض حسین صاحب کا ساتواں نعتیہ مجموعہ ''خلد سخن'' زیر ترتیب ہے اور مجھے

اجنبی سے یہ فرمائش ہے کہ میں اس کے فلیپ کے لئے چند سطور تحریر کروں۔ میں حیران ہوں کہ ایسے دیوانہ رسول ﷺ اور قادر لفظ وبیاں کو میں چند سطروں میں کس طرح سمودوں۔

سرسری مطالعے سے اُن کے بارے میں تاثر اور مضبوط ہو جاتا ہے کہ آپ ﷺ کی محبت ہی ریاض کی فکر و نگاہ کا محور ہے۔ وہ اس میں ہمہ دم غرقاب ہیں۔ آپ ﷺ کی محبت ہی ریاض کی فکر و نگاہ کا محور ہے۔ وہ اس میں ہمہ دم غرقاب ہیں۔ آپ ﷺ ہی اُن کی محبت کی ابتدا اور آپ ﷺ ہی انتہا ہیں اور یہ خاص فضل خداوندی کے بغیر ممکن نہیں۔

اُن کے نعتیہ مجموعوں میں شاید ہی کوئی شعر ہوگا جس میں اُس والہانہ وابستگی بلکہ خود سپردگی کا اظہار نہ ہوگا جو آپ ﷺ کی قرب اور نگاہ کرم کی ضامن ہے۔ باب زندگی کی ہوا زمانے کی، آشوب ذات کی یا موسموں کی ۔۔۔ مرکز نگاہ اور مرکز محبت صرف رسول کریم کی ذات پاک ہے کہ وہ ﷺ ہمہ دم قریہ جاں میں بستے ہیں، بلکہ وہی ﷺ جان ہیں، ''رزق ثنا'' میں کہتے ہیں:

ارض و سما میں ایک بھی اُن کی نہیں مثال
دیکھیں کسی بھی زاویے سے، انتخاب وہ ﷺ

ریاض حسین چودھری کی نعتیں آبشار نور کی طرح فکر ونظر کو منور، قلب و روح کو سیراب اور صریر کو نغمگی عطا کرتی ہوئی ایمان و یقین کو وہ تازگی بخشی جاتی ہیں جو حیات نو کی نوید ہے۔ وہ جب نعت لکھتے ہیں تو گویا کنول کے پھول کی طرح ہوتے ہیں، جو سطح آب پر بہار عقیدت و محبت کا پیامبر ہے، لیکن اس کی روح عشق رسول ﷺ کی جھیل کی گہرائیوں سے نمو کشید کر رہی ہے۔

نقش قدوم سید لولاک کا ہے عکس
تصویر کائنات کے حسن و جمال میں

یہ اُس کیفیت وارفتگی وخود سپردگی سے ظاہر ہے جو نعمت کے لفظ لفظ اور حرف سے خوشبو کی طرح اُٹھ کر قاری کے مشام جاں میں حلول کر جاتی ہے۔ وہ اپنی ذات ہی کے لءء رحمت و بخشائش اور خیر و برکت کے طلبگار نہیں بلکہ انہیں پوری ملت اسلامیہ اور ارض وطن کا درد بھی بیتاب رکھتا ہے اور یہ پورے اعتماد سے اُن فریادوں اور التجاؤں میں جھلکتا ہے، جن میں وہ آپ ﷺ کی رحمت کے سوالی ہیں۔ تحریک پاکستان کے نعرہ ''پاکستان کا مطلب کیا۔ لا اللہ الا اللہ، اور نظریہ تحریک کے سیاق وسباق میں ''رزق ثناء''، میں دست بستہ عرض گزار ہیں:

حصارِ طائف عصر جدیدہ کے مسلمانو!
سبق اُن کے عمل سے استقامت کا لیا جائے

ان چند سطور میں ریاض چودھری کی نعت سے انصاف کرنا ممکن نہیں، اور یہ سطور صرف، فلیپ کی حد سے بھی کچھ بڑھ گئی ہیں، لیکن لزیز بود حکایت دراز تر گفتم۔ میں اُن کے اس ساتویں مجموعۂ نعت، خلد سخن، کی اشاعت پر دعا گو ہوں کہ اللہ اور رسول ﷺ کی بارگاہ میں شرفِ قبولیت پائے اور اُن کے ساتھ میر بخشش کا وسیلہ بھی بنے۔

سلامٌ علیک

ڈاکٹر ریاض مجید

یہ بات پہلے بھی کئی بار دہرائی گئی ہے کہ بیسویں صدی کے آخری ربع میں اردو نعتمقدار اور معیار دونوں حوالوں سے فن کی ایسی ارفع و اعلیٰ جہات سے آشنا ہوئی جو اپنی مثال آپ ہیں۔ نعت کی اس فنی ترقی میں وہ صنفِ سخن جو زیادہ تر زیرِ استعمال رہی وہ غزل ہی کی تھی۔ یوں اردو اصنافِ سخن میں فن کے طور پر غزل اور موضوع کے طور پر نعت اس ربع صدی کو ایسا میدان عطا کرتی ہیں جس نے آتی صدی کے سخن وروں کے لئے اظہار کا

راستہ واضح کر دیا۔

اس دور کو جسے حفیظ تائب ''بہارِ نعت'' سے تعبیر کرتے ہیں اور حافظ لدھیانوی ''نعت کا زمانہ کہتے ہیں بنانے میں جن شعرا نے نمایاں طور پر حصہ لیا ان میں ایک نام ریاض حسین چودھری کا ہے۔ اس عہد کے اکابرینِ نعت میں جاں سپاری، فدویت اور فریفتگی کے جذبات سے سرشار ان کے نعتیہ کلام نے نہ صرف ان کو معروف کیا بلکہ اردو نعت کو بھی ایک دلآویز رخ اور اعتبار بخشا۔

صنفِ نعت سے ان کی غیر متزلزل وابستگی قریب قریب ربع صدی پر پھیلی ہوئی ہے۔زیرِ نظر مجموعے سے پہلے اُن کے کئی نعتیہ مجموعے قارئین سے دادِ سخن وصول کر چکے ہیں جن میں ''زرِ معتبر'' ''رزقِ ثنا'' ''تمنائے حضوری'' ''متاعِ قلم'' اور ''کشکولِ آرزو'' شامل ہیں۔

سلامٌ علیک ان کی نعتیہ کتابوں ہی میں نہیں معاصر نعتیہ شاعری میں ایک قابلِ اعتبار اور بابرکت اضافہ ہے۔

''بحیثیت مجموعی ریاض حسین چودھری کی نعت حضور نبی اکرم ﷺ سے اپنی ارادت مندی کے سبب ایک خاص تاثیر کی حامل ہے۔ اس تاثیر کا سبب ان کی وہ تخلیقی صلاحیتیں ہیں جو انہوں نے نعت گوئی کے لئے وقف کر رکھی ہیں۔ ان کی نعت گوئی کا رجحان اور اسلوب رسمی عقیدت نگاری کی بجائے خالص شعری اور تخلیقی انداز کا حامل ہے اس کی وجہ فن شاعری سے ان کی دیرینہ اور مستحکم وابستگی ہے، جذبات کا بہاؤ اور روانی ان کی نعت گوئی کا خاص وصف ہے جس کی وجہ سے ان کے کلام میں اخلاص اور تاثیر کے اوصاف نمایاں ہیں۔''

مظفر وارثی

نعت گوئی رسول اللہ ﷺ سے عشق کا دوسرا نام ہے۔ ایک عاشقِ حضور ﷺ جن کی نعت کے

کئی مجموعے آ چکے ہیں اب ایک طویل نعتیہ نظم کتابی شکل میں پیش کر رہے ہیں۔ باب طویل کرنے میں کوئی خامی نہیں اگر طوالت اکتا دینے والی کیفیت کی مظہر نہ ہو جس کا شائبہ بھی ریاض حسین چودھری کی کاوش میں نہیں ملتا۔

آدمی اندر سے خوبصورت ہو تو آئینہ بھی گواہی دینے لگتا ہے۔ میں حسبِ دستور نظم کے کچھ اشعار دے کر پوری نظم کے تأثر میں خلل اندازی نہیں چاہتا لہٰذا نظم آپ کتاب میں پڑھیے اور تائید میری کیجیے۔ ریاض حسین چودھری واقعی دل کھول کر داد دینے کے لائق ہیں۔

کشکولِ آرزو

ڈاکٹر سید محمد ابوالخیر کشفی

مجھے تو ریاض حسین چودھری کا پورا وجود مصروفِ نعت گوئی نظر آتا ہے۔ اُن کا تخیل اور مشاہدہ ہر جلوۂ رنگ و نور میں نبی اکرم ﷺ کے خدوخال کو تلاش کرتا ہے۔ ان کے ہاں الفاظ اور ترکیبیں (پازیبِ زر، ارضِ شعور، ذرۂ ارضِ بدن) رقص کرتی اور دف بجاتی نظر آتی ہیں۔ ان کا شعورِ نغمہ ایک غیر اَرضی اِستعارہ بن گیا ہے۔

ریاض حسین چودھری عہدِ حاضر کے منظر نامے اور خرابے میں اپنی ملت کا اِستغاثہ کس آبلہ صفتی کے ساتھ حضورِ سرورِ کون و مکاں ﷺ پیش کر رہے ہیں۔ اقبال نے تو طرابلس کے شہیدوں کا لہو اپنے جام فن میں اپنے آقا ﷺ کے حضور پیش کیا تھا، اور ریاض حسین چودھری تن ہمہ داغ داغ شد پنبہ کجا کجا نہم۔ چنار کی آگ، لہو لہو ارضِ اقصیٰ، سر برہنہ اُمت کی بیٹیاں، پیکرِ ایشیا کے قلب...... افغانستان کے شعلے...... ریاض کی نعت سرورِ دل و جاں ﷺ کے نقوش کی تابانیوں کے ساتھ ان تمام حقائق کا آئینہ خانہ بھی ہے۔ اُس کی نعت

حدیثِ دل بھی ہے، مرثیۂ ملت بھی اور مجاہد کی یلغار بھی، وہ بڑے اعتماد کے ساتھ دھیمے لہجہ میں سرکار ﷺ سے کہتا ہے:

حضور! جبرِ مسلسل کے باوجود اب تک
گرا نہیں ہے غلاموں کے ہاتھ سے پرچم

اور اِن شاء اللہ! ربِ محمد a اکیسویں صدی عیسوی کو اسلام کی صدی بنا دے گا اور آنے والی صدیوں کو بھی سبز رنگ عطا کرے گا...... اور اس میں دوسرے عناصر کے ساتھ ریاض حسین چودھری کی آواز کا بھی دخل ہوگا۔

ڈاکٹر فرمان فتح پوری

''زرِمعتبر''، ''رزقِ ثناء'' (صدارتی وصوبائی ایوارڈ یافتہ)، ''تمنائے حضوری'' اور ''متاعِ قلم'' کے بعد ''کشکولِ آرزو'' ریاض حسین چودھری کا پانچواں نعتیہ مجموعہ ہے۔ نعت گوئی کے حوالے سے میں نے ریاض حسین چودھری کے دل نشیں اسلوب سے گہرا اثر لیا ہے اور اس اثر کے تحت وجدانی طور پر جو کلماتِ نقد سامنے آ گئے ہیں انہیں سپردِ قلم کر رہا ہوں۔

ریاض حسین چودھری کو شرفِ نعت گوئی منجانب اللہ ملا ہے، یہ عطیۂ خداوندی اور توفیقِ الٰہی ہے، کسب و ریاضت سے کیا کچھ حاصل نہیں ہوسکتا، مگر شرفِ نعت گوئی نہیں، یہ صرف اور صرف حضور اکرم ﷺ سے والہانہ اور مجذوبانہ عشق کرنے والوں کو ملتا ہے۔ یہ انہیں وافر مقدار میں میسر ہے اور اس دولت بیدار پر ریاض حسین چودھری جس قدر ناز کریں کم ہے۔ وجدان و عشق کی کارکشائی ......شعر گوئی...... خصوصاً نعت گوئی کے باب میں مسلم ہے اور ریاض کے ہاں نعت گوئی کا یہی وصفِ جمیل دامنِ دل کو کھینچتا ہے۔

ریاض کے موضوع، خیال اور اسلوب سب کے سب دلکش و روح پروَر ہیں، خاص کر ان کی نعتیہ منظومات قلب و روح کے ساتھ ذہن کو بھی خوشگوار حیرت سے ہمکنار کرتی ہیں۔ اللہ رب العزت نے انہیں موضوع نعت کو سماجی و سیاسی اور تاریخی وتمدنی حالات سے منسلک کر کے قومی و بین الاقوامی تناظر میں دیکھنے اور دکھانے کا غیر معمولی ملکہ عطا فرمایا ہے۔ اس نعمتِ وہبی پر میں شاعرِ ''کشکولِ آرزو'' کو دلی مبارک باد پیش کرتا ہوں۔''

''ریاض حسین چودھری بھی کئی دوسرے شاعروں کی طرح غزل سے نعت کی دنیا میں آئے۔ میں نے یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح ضوفشاں دیکھی ہے کہ غزل سے نعت کی طرف آنے والے کا رنگ ہی جدا ہوتا ہے۔ لوگوں نے انہیں الگ تھلگ خانوں میں بانٹ رکھا ہے حالانکہ غزل تو پیرایۂ سخن ہے جس میں دیگر مضامینِ رنگ و بو کی طرح نعت کی لامحدود وسعتیں بھی سمٹ آتی ہیں۔ حقیقت تو یہی ہے کہ غزل جب باوضو ہوجاتی ہے تو جان نعت کہلاتی ہے۔ مترنم بحریں، حسنِ گویائی بخشتے ہوئے مصرعے، رعنائی تغزل لٹاتے ہوئے اشعار، حسیں تر قوافی، طویل اور مختصر بحروں کا انتخاب کہیں ایجاز و اختصار کہیں بلاغت کی جہاں افروزیاں، مضمون آفرینی کی رفعتیں، سمندر کو کوزے میں سمیٹتے ہوئے مضامین، ندرتِ خیال، جدتِ زبان و بیان، غرض انہوں نے ثابت کردیا ہے کہ ان کی غزل گوئی نے گلستانِ نعت کی نکہتوں کا لبادہ اوڑھ کر دامانِ توصیفِ رسول ﷺ کو زر نگار بنانے کے لیے اپنے شب و روز کی تمام تجلیات فکر نذر کردی ہیں۔''

غزل کاسہ بکف

حفیظ تائب

''ریاض حسین چودھری بھی کئی دوسرے شاعروں کی طرح غزل سے نعت کی دنیا میں آئے۔ میں نے یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح ضوفشاں دیکھی ہے کہ غزل سے نعت کی

طرف آنے والے کا رنگ ہی جدا ہوتا ہے۔ لوگوں نے انہیں الگ تھلگ خانوں میں بانٹ رکھا ہے حالانکہ غزل تو پیرایۂ سخن ہے جس میں دیگر مضامینِ رنگ و بو کی طرح نعت کی لامحدود وسعتیں بھی سمٹ آتی ہیں۔ حقیقت تو یہی ہے کہ غزل جب باوضو ہوجاتی ہے تو جانِ نعت کہلاتی ہے۔ مترنم بحریں، حسنِ گویائی بخشتے ہوئے مصرعے، رعنائی تغزل لٹاتے ہوئے اشعار، حسیں تر قوافی، طویل اور مختصر بحروں کا انتخاب کہیں ایجاز و اختصار کہیں بلاغت کی جہاں افروزیاں، مضمون آفرینی کی رفعتیں، سمندر کو کوزے میں سمیٹتے ہوئے مضامین، ندرتِ خیال، جدتِ زبان و بیان، غرض انہوں نے ثابت کردیا ہے کہ ان کی غزل گوئی نے گلستانِ نعت کی نکہتوں کا لبادہ اوڑھ کر دامانِ توصیفِ رسول ﷺ کو زرنگار بنانے کے لیے اپنے شب و روز کی تمام تجلیاتِ فکر نذر کردی ہیں۔''

متاعِ قلم

ڈاکٹر سلیم اختر

''پاکستان میں نعتیہ شاعری کے فروغ میں جو سیاسی، عمرانی اور اقتصادی عوامل کارفرما ہیں ان کا تجزیاتی مطالعہ دلچسپ نتائج کا حامل ہوسکتا ہے لیکن میں اتنے گہرے پانیوں میں نہیں جاؤں گا۔ تاہم اس امر سے صرفِ نظر بھی ممکن نہیں کہ قیامِ پاکستان سے قبل صرف گنتی کے چند ہی ایسے معروف شعرا نظر آتے ہیں جنہوں نے مولانا ظفر علی خان یا علامہ اقبال کی مانند عشقِ رسول ؐ کا تخلیقی سطح پر اظہار کیا ہو جبکہ اب گلشنِ شعر میں ایسی دلکش ہوا چلی ہے کہ ہر قابلِ ذکر شاعر ثنائے رسول ؐ کو باعث سعادت جانتا ہے، یہ الگ بات کہ سب کچھ سن کر بھی بعض اوقات نعت ریڈیو اور ٹیلی ویژن تک ہی محدود رہتی ہے۔ لیکن ریاض حسین چودھری نام و نمود کے سراب کے لئے سرگرداں نہیں۔ انہوں نے تو نعت گوئی داخلی کیفیات کے زیرِ اثر اختیار کی ہے۔ اسی لیے وہ مدحتِ رسول ﷺ کو مقصودِ فن اور

ثنائے رسولؐ ہی کو قبلۂ فن جانتے ہیں۔ ریاض حسین چودھری دنیا داری کے تقاضوں والے دنیا دار شاعر نہیں ہیں اسی لیے انہوں نے خود کو صرف نعت گوئی کے لیے وقف کر رکھا ہے، وہ نعت کو توشۂ آخرت تسلیم کرتے ہیں جبھی تو ایسا شعر کہہ سکے

ریاض اپنی لحد میں نعت کے روشن دیے رکھنا
چمک اٹھے گی قسمت شامِ رخصت کے دریچوں کی

متعدد نعتیہ مجموعوں کے خالق ریاض حسین چودھری اپنے دوسرے نعتیہ مجموعے ''رزقِ ثنا'' پر صدارتی ایوارڈ ۲۰۰۰ء اور حکومتِ پنجاب کی طرف سے سیرت ایوارڈ ۲۰۰۰ء بھی حاصل کر چکے ہیں، تازہ مجموعہ ''متاعِ قلم'' ان کی نعت گوئی کے سفر میں سنگِ میل قرار پائے گا۔ عشقِ رسولؐ نے تخلیق کا سبز جامہ پہنا تو ریاض حسین چودھری نے مہکتے الفاظ سے گل کاری کی، اس تمنا کے ساتھ

اے ذوقِ نعت آج بھی اشکوں میں ڈھل ذرا
قندیل بن کے دل کے جھروکوں میں جل ذرا

ریاض کی نعتوں میں عشقِ رسولؐ نے جذباتیت کا اسلوب پیدا نہیں کیا جو بعض اوقات نعت میں غلو پیدا کر دیتا ہے اس ضمن میں انہوں نے کیا اچھی بات کی ہے۔

مدحت نگار اوّل و آخر ہے اس کی ذات
مفہوم آیتوں کا بھی اے دیدہ ور سمجھ

طلوعِ فجر

پروفیسر ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی

نعت ایک توفیق ہے جس کو بھی مل گئی محترم قرار پایا، ہاں یہ ضرور ہوا کہ کسی کو یہ توفیق جزواً حاصل ہوئی کہ وہ دیگر اصناف کے ساتھ ساتھ نعت کا حق بھی ادا کرتا رہا۔ تو کسی کو اس توفیق نے کلیتہً اپنے دامنِ کرم میں لے لیا اور وہ سراپا مداح رسول ﷺ بن گیا۔ ایسے خوش قسمت شاعر ہر لحہ نعت کے ذوق سے مسرور رہتے ہیں، اُن کے افکار پر نعت یوں چھا جاتی ہے کہ اُن کے شعور کا ہر گوشہ نعت گزار ہو جاتا ہے۔ کس قدر خوش قسمت ہے وہ انسان جو ہر وقت حسنِ تمام کے حصار میں رہے! ایسے شاعر تقدیس کا نشان اور خرد افروزی کا حوالہ ہوتے ہیں۔ مقامِ مسرت ہے کہ ہمارا ممدوح شاعر جسے لوگ ریاض حسین چودھری کہتے ہیں مگر میں تو اُنہیں ''نقشِ حسان'' کہنا پسند کرتا ہوں، ہر لحہ حاضر دربار رہتا ہے۔ ہیت کوئی بھی ہو، بحر کیسی بھی ہو، ردیف و قافیہ کسی قدر مختلف بھی ہو ہمارا شاعر ایک ہی خیال کا اسیر رہتا ہے کہ اُس کے کلمات، تراکیب اور نظمِ شعر کا ہر رُخ غلامی کی سند پائے۔ یہ خواہش صرف ذات کی حد تک نہیں ہے، ذات کے ہر حوالے کے بارے میں بھی ہے۔

صد شکر میرا سارا قبیلہ غلام ہے
میری ہے اُنؐ کی سایہ رحمت میں سلطنت

یہ سایۂ رحمت جو سحرِ نور بن کر شاعر کے موجِ خیال پر محیط ہے، ایک دو برس کی بات نہیں اور نہ ہی یہ شعورِ زندگی کے ساتھ پروان چڑھا ہے بلکہ یہ تو شاعر کے وجود کا جزوِ لازم ہے جو انہیں فکر و خیال کے حصار میں لیے ہوئے ہے۔

تاریخِ کائنات کی روشن تریں سحر
کب سے محیط ہے مری موجِ خیال پر

یہ یقین اس قدر پختہ ہے کہ ہر شعوری کاوش جو اس حقیقت سے مستنیر نہیں ہے حرفِ غلط ہے۔ شاعر کا یہ شعور اس قدر وجد آفریں ہے کہ کسی اور دانش وعقل کا وہاں گزر نہیں۔ اس لیے شاعر پوری شعوری قوتوں کے ساتھ اعلان کرتا ہے۔

ہر فلسفہ غلط ہے جہانِ شعور کا
اک معتبر فقط ہے حوالہ حضورؐ کا

یہی وجہ ہے کہ ریاض حسین چودھری بہر رنگ اپنی غلامی پر نازاں ہے اور اُس نے اپنی زندگی کے ہر رُخ کو وصفِ رسالت کے گداز میں ڈھال لیا ہے۔ اُس کا یقین بھی یہی ہے، اُس کا ارادہ بھی یہی ہے اور اُس کی خواہش بھی یہی ہے کہ زندگی کا کوئی لمحہ مدحت سے خالی نہ ہو۔ ہاں یہ تمنا بھی قوی ہے کہ اُس کی مدحت سرائی قبولیت کا شرف پالے، تمنا اور یقین کا یہ حسین ربط ریاض حسین چودھری کی نعت نگاری کا وہ حسین سنگم ہے جو ایک باوفا مدح نگار کی خواہش کی معراج ہے۔

آقاؐ مرے قلم کی سلامی کریں قبول
لوحِ ادب پہ حرفِ غلامی کریں قبول

زاہد بخاری

ریاض حسین چودھری کا شمار جدید اُردو نعت کے نمائندہ شعرا میں ہوتا ہے۔ نصف صدی کے تخلیقی سفر کے بعد آپ کسی رسمی تعارف کے محتاج نہیں۔ ''زرِ معتبر'' سے ''طلوعِ فجر'' تک کا سفر دل نواز مدحت رسولؐ کی خوشبوؤں سے مہک رہا ہے۔ منفرد

اسلوب ان کی تخلیقی پہچان کی بنیاد بنا ہے۔حرف پذیرائی انہی دلکش موسموں کی عطا ہے۔ ہر لمحہ درحضور ﷺ پر عالم وجد میں گزرتا ہے۔تصور مدینے کی معطر گلیوں میں نقوشِ پا کی تلاش میں رہتا ہے...... اور یہ بڑے نصیب کی بات ہے۔

وجہِ تخلیق کائناتؐ کا دنیا میں ظہورِ خالق کون و مکاں کا اپنی مخلوقات پر احسان عظیم ہے۔حضور ﷺ کو تمام عالمین کے لیے رحمت بنایا گیا ہے۔ آپؐ کی آمد پر عرش و فرش برسات نور میں نہا گئے۔ گلشن ہستی کی ڈالی ڈالی خوشی سے جھوم اٹھی اور موجودات کا ذرہ ذرہ وجد آفریں کیفیت سے سرشار ہوگیا۔ نبی آخر الزماں کے میلاد کی مناسبت سے بہت سے شعرا نے آپؐ کی بارگاہِ اقدس میں عقیدت و محبت اور درود و سلام کے نذرانے پیش کیے ہیں جن میں جناب ریاض حسین چودھری کو خاص مقام حاصل ہے۔ انہوں نے میلاد حضورؐ کے سلسلہ میں اپنی طویل نظم ''طلوعِ فجر'' کے نام سے قلمبند کر کے بے مثال و لازوال کام کیا ہے جس کا صلہ انہیں بارگاہ رسالت مآب ﷺ سے ضرور ملے گا۔ اس مجموعہ کلام میں دلی جذبات و احساسات کے ساتھ ساتھ ترکیب لفظی، فصاحت و بلاغت اور خیالات کی تازگی نے حسن شعری کو چار چاند لگا دیئے ہیں۔

''طلوعِ فجر'' ریاض حسین چودھری کا 9 واں مجموعہ نعت ہے جس کا موضوع 12 ربیع الاوّل کی صبح سعادت ہے۔ ولادت پاک کے حوالے سے سیرت مطہرہ کی دل آویزیوں کا بیان ہے۔ ریاض نے 500 بنود پر مشتمل اس طویل نظم کے لیے نظم معریٰ کا انتخاب کیا ہے۔ اگر کہا جائے کہ اکیسویں صدی میں انہوں نے نظم معریٰ کو دوبارہ زندہ کیا ہے تو غلط نہ ہوگا۔ نظم کے ہر بند میں 12 ربیع الاوّل کی مناسبت سے 12 مصرعے ہیں۔ ہر بند کا آغاز اس مصرع سے ہوتا ہے:

''افلاک پر ہے دھوم کہ آتے ہیں وہ رسولؐ''

کون رسولؐ؟ آقائے مکرم ﷺ کی سیرت مقدسہ سے روشنی کشید کی گئی ہے۔ ریاض نے نظم معریٰ کی تکنیک میں تھوڑی سی تبدیلی کی ہے۔ یعنی آخری دو مصرعوں کو ہم قافیہ اور ہم ردیف بنا کر انہیں ایک مکمل شعر کی صورت دی ہے اور کوشش کی ہے کہ بند کے نفس مضمون کو اس شعر میں سمیٹ لیا جائے۔

''طلوع فجر''، عشق سرکارؐ کی ایک لازوال شعری دستاویز ہے جس کا ایک ایک مصرع محبت رسول ﷺ کی خوشبوؤں سے مہک رہا ہے۔ شاعر نے کہیں بھی ابلاغ کے دامن کو ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔ اللہ کرے ان کا خوبصورت شعری سفر تادیر جاری و ساری رہے اور ان کے گلہائے سخن جہان شعر و ادب کو مہکاتے رہیں۔ آمین''

آبروئے ما

صبیح رحمانی

اردو نعت میں اسلوب کی یکسانیت بہت نمایاں ہے جبکہ عصرِ حاضر کا جدید ذہن رکھنے والا قاری کچھ نیا پن چاہتا ہے اور طرز بیاں کے لئے آفاق کا متلاشی ہے۔ وہ رسمیات کی سطح سے اوپر اٹھ کر آج کے انسان کی حسیات اور جدید شاعری کی لفظیات سے آراستہ ایک ایسی نعت کا ماحول چاہتا ہے جو عقیدت کی روحانی فضا میں رہتے ہوئے عصری مسائل کا شعور بھی رکھتی ہو اور ان سے نبرد آزما ہونے کے لئے سیرت سرورِ کونین کی روشنی میں عملی قوت کو بھی بیدار کر سکے اور ان مسائل کے حل کی طرف بھی رہنمائی کرے۔ ساتھ ہی ساتھ امت واحدہ کے تصور کو قوی کرتے ہوئے ملت میں زندگی کی حرارت اور اسلام اور بانیءِ اسلام کے پیغام کی حقانیت کو عام کرنے کی دعوتی ضرورت کو بھی پورا کرتی ہو۔

اس تناظر میں جب ہم ریاض حسین چودھری کی نعتیہ تخلیقات پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں یہ خوشگوار حیرت ہوتی ہے کہ ان کی نعتیہ شاعری ان معیارات پر پورا اترتی ہے۔ان کے کلام میں بے کراں وارفتگی، والہانہ پن، سرشاری، تازکاری اور گہری ارادت کا سمندر موجزن ہے اور ان کا قومی و ملی احساسات سے لے کر انسانی اور آفاقی تصورات اور نظریات پیش کرنے کا سلیقہ بھی خاصا مختلف ہے۔ ریاض حسین چودھری کی زندگی اور تخلیقات دونوں اس بات کی آئینہ دار ہیں کہ وہ کبھی تشکیک کی زد میں نہیں آئے۔انہیں کبھی خرد کو رہنما بنانے کی ضرورت نہیں پڑی۔ انہوں نے زندگی کے ناہموار راستوں سیگزرتے ہوئے کسی نئی صداقت کو تلاش کرنے کی کوشش نہیں کی کیونکہ غارِ حرا سے ابھرنے والی صداقت پر ان کا ایمان پختہ ہے اور اسی روشنی کو وہ ہر صداقت کا ماخذ تسلیم کرتے ہیں۔ ان کے پورے کلام میں ان کے یقین کی یہ روشنی جابجا پھیلی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔

آبروئے ما بھی انہی سرمدی روشنیوں کا مرقع ہے۔ یہ ان کا 10 واں نعتیہ مجموعہ ہے۔ ان کے ہاں ایک اور چیز جو قاری کی توجہ کو جذب کر لیتی ہے وہ مکالمہ ہے جو کبھی انہیں دربار رسالت مآب میں استغاثہ، استمداد اور التجا و التماس اور اظہارِ تمنا پر اکساتا ہے اور کبھی خود کلامی کی فضا میں لے جاتا ہے جہاں ان کی شکرگذاری اور ایک امتی کا احساس ذمہ داری ان کی فکر کے دوش بدوش ہوتے ہیں:

چومتا رہتا ہوں اپنے ہاتھ کو میں اس لئے
ہاتھ کی ساری لکیریں راستے طیبہ کے ہیں
آندھیوں کو سرکشی سے باز رکھنا ہے ریاض
یہ چراغِ آرزو جلتے ہوئے طیبہ کے ہیں

نئی اردو نعت کو لہجے کی تازگی، ہنرمندی، جبر اندروں کی تپش کے اثرات اور اظہار کی سچائیوں سے ہمکنار کرنے والے شعرا میں ریاض حسین چودھری کا نام ہمیشہ زندہ رہے گا۔

زم زم عشق

راجا رشید محمود

زم زمِ عشق میں گدازِ محبت نے ندرتِ تخلیق کو جنم دیا ہے اور سخن گستری فکر ونظر کی تازگی کی غماز ہے۔ یہاں ذہن وقلب کا متوازن امتزاج مشاہدات و تجربات کی فکر انگیز آمیزش لیے شعر کی شکل اختیار کیے ہوئے ہے۔

ارتباطِ جذب و تخیل اور روایت و جدّت کے درمیان توازن کی جو صورت ریاض حسین چودھری کے ہاں نظر آتی ہے، نعت کے ماحول میں انفرادیت رکھتی ہے۔ قرآنی لفظیات واصطلاحات اس سفر میں ان کی رہنما ہیں۔

وہ جانتے ہیں کہ خالق کریم ہے تو حضورﷺ بھی کریم ہیں (الحاقہ) وہ حق ہے (طہٰ) تو یہ بھی حق ہیں (آل عمران) ریاض حسین چودھری **اللھم ایدہ بروح القدس** کے زیر سایہ قدم اٹھاتے اور قدم بڑھاتے نظر آتے ہیں۔ یہاں مدیح سرکار (**علیہ الصلوۃ والسلام**) میں کہا گیا ہر لفظ تخصص معنویت کے ساتھ ظاہر ہوتا ہے جس سے ہر مہملیت ہزیمت آشنا نظر آتی ہے۔

شاعر کا قلم قرطاس عقیدت پر یوں سر بہ خم ہے کہ سر اُٹھانے کو معصیت شعاری پر محمول کرتا ہے۔ وہ نعت کے معیار اور وقار کو پیش نظر رکھتے ہوئے اپنے دل کے بے داغ کینوس پر ولاد و اخلاص کی سکینت مآب تصویریں بناتے اور انہیں مجموعہ ہائے نعت کی صورت دیتے ہیں۔ ان کے ہاتھ میں رافت اور رحیمی کے طلبگار محسوس ہوتے اور ہمہ اوقات دربار مصطفوی کی طرف اٹھے دیکھے جا سکتے ہیں۔ ان کی نعت کا ہر مصرع عقیدت کی کوکھ سے جنم لیتا اور توجہ محبوب کبریا (**علیہ التحیۃ والثناء**) کی گود کے لیے ہمکتا دکھائی

دیتا ہے۔

وہ کوئے سرکار ﷺ سے دریوزہ گری کا رشتہ جوڑے رکھنے پر مصر ہیں کہ ''جاؤک'' کا الوہی حکم اسی کا متقاضی ہے۔ یہاں دل کی زبان میں خون جگر کی روشنائی سے داستان ولامرقوم نظر آتی ہے۔

زمزم عشق نعت کے حوالے سے قرآن کے بیان کردہ حقائق کے انجز لت کی مفکرانہ کاوش ہے۔

شیخ عبدالعزیز دباغ

زم زمِ عشق جہانِ نعت کے مہر نیم راز ریاض حسین چودھری کا ۱۱ واں نعتیہ مجموعہ ''زم زمِ عشق'' سب سے پہلے مجھے ملا اور میں رندِ بلانوش کی طرح جام پر جام پینے لگا۔خوش نصیبی تھی کہ اشاعت سے پہلے ہی میں اس کی **PDF File** حاصل کرنے میں کامیاب ہوگیا جسے میں نے بارگاہ پیمبر ﷺ میں پیش کرنے کے لیے اپنے **IPhone** میں محفوظ کر لیا اور قدمین مبارک میں حاضری کے دوران، مواجہہ شریف کے روبرو اور گنبد خضرا کے روح پرور منظر کے مابین ریاض کے زم زمِ عشق کی جرعہ نوشی کرتا رہا۔تب محسوس ہوا کہ مدینہ منورہ دراصل ریاض کا وطن ہے۔ وہ وہیں رہتے ہیں اور شب و روز مختلف مقامات پر حاضر ہوکر اپنی کیفیات نعت بارگاہِ رسالت میں پیش کرتے رہتے ہیں۔یوں پھر لگا جیسے وہ ہر لمحہ میرے ساتھ تھے بلکہ ہر لمحہ میں ان کے ساتھ تھا۔حرم نبوی میں میں جہاں بھی گیا وہ وہیں ہوتے، پھر ہم اکٹھے زمزم عشق پی رہے ہوتے، اس کا ہر شعر کیفیات بے خودی میں ڈوبا ہوتا۔ جب میں نے یہ شعر پڑھا:

نعت لکھنے کا مجھ کو سلیقہ ملے، چاک دامان حرف، صدا کا سلے
لے کے آیا ہوں ور پر کتاب ثناء آپ خیر البشر ﷺ آپ خیرالوری

تو حضوری کی کیفیت کے عمق کا ادراک ہونے لگااور یوں یہ خطا کار پیکر عجز بن کر بارگاہ رسالتﷺ میں ریاض کی یہ کتاب ثنا پیش کرنے کا شرف حاصل کرتا رہا۔وہ کیا بھیگے ہوئے لمحے تھے، کوئی میری آنکھوں سے پوچھے جو آج بھی نم رہتی ہیں۔ مطالعہ فرمائیں۔ جب آپ ریاض کے لفظوں میں جھانکیں گے تو تجلیات حضوری آپ کے قلب و نگاہ کو لذت نظارہ سے سرشار کرتی نظر آئیں گی۔ ادبِ عشق کی ترشحاتِ نور کی رم جھم شعر شعر ترنگ بجاتی ملے گی اور آپ میری طرح ریاض کی معیت میں درِ مصطفیٰ ﷺ پر کتابِ ثنا پیش کر رہے ہوں گے۔

پروفیسر محمد ریاض احمد شیخ

جناب ریاض حسین چودھری کا شمار اُن نعت گوشعرامیں ہوتا ہے جنہوں نے اپنا الگ اسلوب متعارف کرایاجوبعد میں اُن کی پہچان بن گیا۔جناب حافظ مظہرالدین اور جناب حفیظ تائب کی طرح ریاض حسین چودھری بھی غزل کی دنیا سے نعت کی طرف آئے لیکن جب نعت گوئی کی طرف راغب ہوئے تو تقریباً دیگر تمام اصناف سخن کو خیر باد کہہ دیا۔ ریاض صاحب کی نعت کی سب سے بڑی خوبی ان کی بے ساختگی اور والہانہ پن ہے۔ ان کے دل میں ایک اضطراب ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ اپنی کسی آرزو کے پورانہ ہونے پر صدیوں سے بے چین ہیں۔ایک عاشق رسول ﷺ کی آرزو دیدار مصطفیٰ کے علاوہ اور کیاہوسکتی ہے۔ ریاض صاحب جب بارگاہ رسالت مآب میں امت کی زبوں حالی کی فریاد کرتے ہیں تو اس رقت سے کرتے ہیں کہ ان کی ندا بادِ صبا سے پہلے دربار مصطفیٰ ﷺ میں پہنچ جاتی ہے۔یہ شعر دیکھئے۔

پڑے ہوئے ہیں غریبوں کے بے کفن لاشے
امیر شہر کے در پر سوالیوں کی طرح

زم زمِ عشق چودھری صاحب کا گیارہواں نعتیہ مجموعہ ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ مجموعہ نعت اُردو گوئی میں مزید امکانات پیدا کرے گا۔ کئی نئے باب روشن ہوں گے۔

دبستانِ نو

جلیل عالی

نعت گوئی کارِ ثواب ہونے کے ساتھ ایک ادبی و تخلیقی سرگرمی بھی ہے۔ چنانچہ جب رسول ﷺ کے حوالے سے جذبہ و احساس کی وارفتگی اور نعت پارے کا ادبی و تخلیقی معیار دو مختلف مظہر ہیں۔ ضروری نہیں کہ کسی نعت پارے کی ادبی و فنی قدر و نعت نگار کی سطحِ عقیدت و محبت کے حسبِ حال ہو۔ ایک طرف اگر عشقِ رسول ﷺ میں ڈوبا ہوا شاعر بہتر تخلیقی معیار کی نعت لکھنے کی توفیق سے محروم رہ سکتا ہے تو دوسری طرف حُبِ رسول ﷺ کی تھوڑی سی جذب و مستی کے ساتھ بھی کوئی نعت نویس ادبی و فنی لحاظ سے اعلیٰ پائے کی نعت کہہ جانے کی سعادت حاصل کر سکتا ہے۔ تاہم میرا اپنا خیال یہ ہے کہ اگر ایک شاعر نظم یا غزل کہتے ہوئے فنی و تکنیکی لطافتوں کا خاص خیال رکھتا ہے تو اسے نعت کہتے ہوئے اور بھی زیادہ توجہ سے کام لینا چاہیے کہ وہ کائنات کی عظیم ترین بارگاہِ جمال میں اپنا نذرانہ عقیدت پیش کرنے جا رہا ہوتا ہے۔ دیکھا یہ گیا ہے کہ نظم و غزل کے منجھے ہوئے تخلیقی شاعر جب نعت کہتے ہیں تو ان کے اظہار میں نئے اور نادر فکری زاویے جگمگانے لگتے ہیں۔

ریاض حسین چوہدری نظم و غزل کے ایک کہنہ مشق شاعر ہیں۔ چنانچہ ان کے نعتیہ سرمائے میں بھی بہت سے مقامات پر اندر سے بے اختیارانہ یہ آواز ابھرتی ہے کہ

کرشمہ دامنِ دل می کشد کہ جا ایں جا است

انہوں نے نعتوں کے اس مجموعے کا نام (دبستانِ نو) بھی ایسا نیا اور مختلف رکھا ہے کہ جو تازہ ہوا کے جھونکے کی طرح احساس کے تار ہلا دیتا ہے۔ موضوعات و مضامین کے حوالے سے عقیدت و محبت کے سرمستانہ جذبات و احساسات کے اظہار کا موسم ہو یا ابتر قومی و اجتماعی اور تہذیبی و معاشرتی احوال سے نجات کے لیے دربارِ توحید و رسالت میں فریاد کناں ہونے کے لمحات، معریٰ ہیت میں کہی گئی ان نظموں میں جذبوں کی روانی اور زبان و بیان کے بہاؤ کا یہ عالم ہے کہ وفورِ جذبات کی سرمستیوں میں کسی جگہ نفسِ مضمون کے قرینوں کی کمی بیشی کا کوئی شائبہ ہو تو ہو قافیہ و ردیف کی عدم موجودگی کا احساس ہی نہیں ہوتا۔ قدم قدم پر شدتِ احساس اور شعریت سے بھر پور مصرعوں کی جلوہ گری شاعر کے خیال وفن کی ثروت مندی کا پتہ دیتی ہے۔ چند نمونہ دیکھئے۔

☆ سر برہنہ ہے ہوائے مکتبِ علم و ہنر
☆ غبارِ خوف وراثت میں دیں گے بچوں کو
☆ مرے مرقد پہ خیمہ تان دینا حرفِ مدحت کا
☆ ہم بے بسی کے قعرِ مذلت کا رزق ہیں

☆ آپ ﷺ ہی شفاف لمحوں کے امانت دار ہیں
☆ حصارِ خوفِ مسلسل میں دے رہا ہوں اذاں
☆ قلم ورق کے مصلے پہ سجدہ ریز رہے
☆ قلم ضمیر کے ہاتھوں میں روشنی کا چراغ
☆ تمام کھول دے گرہیں مری ہواؤں کی

برستی آنکھو خیال رکھنا

صاحبزادہ سلطان ناصر

ریاض حسین چودھریؒ کا نعتیہ کلام پڑھیں تو پتہ چلتا ہے کہ نعت بیک وقت علم بھی ہے، فن بھی اور جمالیاتی خزینہ بھی۔ اُن کی نعت اِستغاثہ، بیانِ شمائل، اظہارِ محبت اور تمنّائے حاضری وحضوری کا اظہار تو ہے ہی مگر ساتھ ساتھ علم وحکمت کا وہ خزانہ بھی ہے جو جذبہ وخیال کی دبیز تہوں میں ملفوف ہے۔ فنی بلندی اپنی جگہ مگر اُن کی نعت میں عقائد واعمال کے مسائل کا نقلی وعقلی استدلال استعارات وتشبیہات اور لغوی رعایتوں کے زیرِ درخشاں میں مزیّن دل میں اترنے والا نغمہ نور ہے۔ علمیّت اور کمالِ فن کے ساتھ جمالیاتی کمال کا وفور اُن کی نعت کا نقطۂ عرفان ہے۔ عالمانہ دانش اور فنکارانہ مہارت کی خاک جب جمالیاتی پانی میں گُندھی جاتی ہے، تو اُن کی کوزہ گری مکمّل ہوتی ہے۔ اَللہُ جَمِیْلٌ وَّ یُحِبُّ الْجَمَال۔ اور پھر جسے صَاحِبُ الْجَمَالﷺ کی محبّت نصیب ہو جائے اُس پر حُسن و جمال کے خزانے کیوں نہ کھل جائیں۔ اُن کی عقیدت ومحبّت گویا علمیّت میں گُندھی ہوئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اُن کی نعت کمالِ مَوَدّت میں بھی حزم واحتیاط کا دامن نہیں چھوڑتی۔

اُن کے نزدیک ریاضِ نعت میں داخل ہونے سے قبل خود کو خوشبوئے فنِ شعر سے معطر کر لینا لازم ہے۔ جب شاعر بارگاہِ حضورﷺ میں دل کے آبگینوں کا نذرانہ پیش کرنے کی سعادت حاصل کرے تو اس کا تخلیقی وجود بھی ادب واحترام اور شعری وژن کے احرامِ مقدسہ میں لپٹا ہُوا ہو۔ ’’برستی آنکھو! خیال رکھنا‘‘ چودھری صاحب کا سولہواں مجموعۂ نعت ہے۔ ہم اس کمالِ مدحت نگاری پر ریاض حسین چودھریؒ کے احسان مند ہیں۔ ربِ مدحت اُنہیں عمر بھر کی اِس ریاضت کا وہ صلہ عطا فرمائے جو وہ اپنے ہر مجموعۂ کلام کے آغاز میں لکھتے رہے ہیں اور برزخ میں نوریوں

کے ساتھ اُن کی یہ بزمِ نعت تاحشر جاری رہے۔آمین۔

ڈاکٹر شہزاد احمد

جدید اُردو نعت کا جب بھی تذکرہ ہوگا۔ریاضؔ حسین چودھری کے نام کو بھی اوّلیت حاصل رہے گی۔ موصوف کا شمار عہدِ جدید کے معروف اور قابلِ ذکر نعت نگاروں میں ہوتا ہے۔ ان کی نعتیہ شاعری کا ورق ورق اکیسویں صدی کی جدید نعت کے پس منظر اور پیش منظر کو واضح کر رہا ہے۔ ان کے ہاں تخلیقی توانائیوں میں روایت کا تسلسل بھی کارفرما ہے اور ان کی طاقِ جاں میں شہرِ مدحت کے ابدی و جدید چراغ روشن ہیں۔اُن کا دل نشیں اسلوب وجدانی و عرفانی کیفیات سے ہم رشتہ ہے۔ ان کے ہاں موضوع، خیال اور اسلوب کی رنگارنگی متاثر کن ہے۔ ان کے کلام میں جدید لفظیات اور تازہ تراکیب وجد کرتی نظر آتی ہیں۔ ان کا تخیل اور مشاہدہ جلوۂ صد رنگ سے آشنا ہے۔ ریاض کی نعتیہ شاعری ایک دلِ بیدار اور حاضر باش شاعر کی شاعری ہے جس کی مسلسل ستائش اور ہر گام پر حوصلہ افزائی ہونا چاہیے۔

ڈاکٹر طاہر حمید تنولی

نعت احساساتِ قلب و روح، عشق و محبت اور اطاعت وعقیدت کے اِظہار کا وہ پیرایہ ہے جو قال سے زیادہ حال کا متقاضی ہے۔ گو نعت گو صاحبِ فن کبھی بھی عقیدت اور عشق و محبت سے خالی ہو کر نعت نہیں لکھتا مگر یہ بات کہ جو کچھ لکھا جارہا ہے وہ لکھنے والے کا ظاہر و باطن، اس کے قلب و روح کا ماحول اور اس کے احساسات و افکار کی کائنات بھی ہو جس سے الگ ہو کر اس کی ہستی کا وجود نہ رہ سکے ایک استثنا ہے۔ یہ ادا نعت کو وہ تازگی اور واقعیت دیتی ہے کہ نعت اپنے لکھنے والے کے حال و مقام کا پتہ معلوم ہونے لگتی ہے۔ ریاض حسین چودھری صاحب کی نعت اور ان کے اشعار و افکار، اُسلوب اور لفظیات بھی ان کے حال کے غماز ہیں۔ نعت گوئی میں محویت نے ان کے شعور کو یوں اپنے رنگ میں رنگ

لیا ہے کہ ان کی ساری پہچان یہیں سے کشید ہوتی ہے۔ وہ اگرچہ اب ہمارے درمیان نہیں مگر وہ اپنی حال افروز نعت کے ساتھ بدرجہ اتم ہم میں موجود ہیں۔

ریاض حمد و نعت

ڈاکٹر عزیز احسن

ریاض حسین چودھری نے زندگی بھر تقدیسی شاعری کی۔تقدیسی اصنافِ حمد و نعت ان کی شعری دانش اور فکر و فن کا ہمیشہ ہی جزوِ لاینفک رہیں۔ انہوں نے اپنے ستھرے شعری مذاق اور عشقِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے پُر اخلاص اظہاریئے کا سہارا لیتے ہوئے عمر بھر حمدیہ و نعتیہ متون کے گلاب کھلائے ۔وہ مقلد شاعر نہیں تھے۔ انھوں نے مجتہد شاعر ہونے کا ثبوت دیا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے لہجے میں اظہارات کی دھنک پورے جوبن پر نظر آتی ہے۔ انھوں نے حمدیہ و نعتیہ غزلوں میں عصری حسیت کے ساتھ لہجے کی تازگی کے نقوش بنائے ہیں۔ آزاد نظم میں شدتِ احساس کے رنگ بکھیرے ہیں اور اپنی طرف سے ایک نئی صنف ایجاد کر کے اپنی تخلیقی جبلت (Creative instict) کے جوہر دکھائے ہیں۔ اکائی میں ان کی نظمیں ویسے تو نظمِ معریٰ کی ہیئت میں لکھی معلوم ہوتی ہیں۔ لیکن ان نظموں کا ہر مصرع کسی ایک ''عنوان'' کے تابع کسی خیال کا شعری متن بنا ہے۔ اس طرح وہ نظمیں مروجہ اصناف میں نئے تخلیقی پیکر کی صورت میں جزوِفن بنی ہیں۔

شیخ عبدالعزیز دباغ

احباب کو بخوبی علم ہے کہ ۲۰۱۷ میں ریاض حسین چودھریؒ صاحب کی وفات تک ان کے پندرہ مجموعے زیور طباعت سے آراستہ ہو چکے تھے اور راقم کو باقی ابھی آٹھ مجموعوں کی اشاعت کا اہتمام کرنا تھا۔ میری اولین ترجیح یہ تھی کہ جلد از جلد ریاض کے مسودات کی شکل میں پڑے ہوئے جملہ نعتیہ مجموعوں کو محفوظ کیا جائے اور قارئین تک پہنچایا جائے۔ اس

کے لئے کتابوں کی طباعت و اشاعت کا راستہ طویل تھا جس کے لئے مالی وسائل کا انتظام ایک اہم مرحلہ تھا۔ لہٰذا پہلا قدم یہ اٹھایا کہ ریاض صاحب کی ویب سائیٹ پر کام کیا گیا اور ان کے سارے مجموعے اپ لوڈ کر دیئے۔ احباب نے اس کاوش کی بہت پذیرائی کی اور ان کی دعاؤں سے ویب سائیٹ کو قبول عام حاصل ہوا۔ اس کے ساتھ ہی bazm-e-riaz کے نام سے Android App بنائی جس سے ان کے کلام سے مدح خوانوں کو سہولت فراہم ہوگئی۔ ریاض کے باقی آٹھ مجموعہ ہائے کلام میں سے ''برستی آنکھو خیال رکھنا'' ۲۰۱۸ میں شائع ہو گیا جو آپ نے بستر علالت سے ہمیں عطا کیا تھا۔ ان کے نعتیہ کلام کا جو گلدستہ اب آپ کو پیش کیا جا رہا ہے ریاض حسین چودھری صاحب کے تین مجموعوں ''تاجِ مدینہ، کتابِ التجا اور اکائی''، پر مشتمل ہے۔

نصابِ غلامی

ڈاکٹر صاحبزادہ ندیم

نعت تعلق بالرسالت کا شعری اظہار ہے اس اعتبار سے اس کے دو بنیادی پہلو ہیں: فکری اور جمالیاتی فکری پہلو تعلق بالرسالت کا اعتقادی متن ہے جس میں عرفانی، اعتقادی ایمانی جہات کے ساتھ ساتھ محبت و وابستگی، تعظیم و توقیر اور اتباع و سیرت کے پہلو شامل ہیں ناعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی دینی و ایمانی وابستگی کے ساتھ ساتھ اپنی روحانی و جذباتی وابستگی کا اظہار بھی نعت کے ذریعے کرتا ہے ریاض حسین چویدری کا اکیسواں مجموعہ نعت ''نصاب غلامی'' تعلق بالرسالت کے ان تمام پہلوؤں کا جامع ہے والہانہ تعلق اور اس کا والہانہ اظہار، عرفانی تصور رسالت، کلامی و اعتقادی پختگی، گہری وابستگی، سیرت و اسوہ کی جامعیت، ختم رسالت، اور عصر رواں کے مصائب، مسائل اور آلام کا حل بارگاہ رسالت میں عرض گزارنا ''نصاب غلامی'' کے اہم مضامین ہیں۔

فکری اظہار کے ساتھ ساتھ نعت ایک جمالیاتی اظہار بھی ہے اس اعتبار سے نعت کی اپنی لفظیات ہیں اس کا مخصوص تشبیہی اور استعاراتی نظام ہے جو شعریات نعت کو جمالیاتی تقدیس سے ہم کنار کرتا ہے ریاض حسین چوہدری اس باب میں خاص انفرادیت کے حامل ہیں ان کی تشبیہیں اور استعارے تروتازہ ہیں اور وہ اپنے گرد و پیش میں پھیلی کائنات جمال میں جمال رسالت کی جھلکیاں تلاش کر لیتے ہیں

''رنگ، خوشبو، پھول، شبنم، روشنی'' ہر دل نشیں چیز ان کے ہاں مدحت مصطفیٰ کا حوالہ ہے بایں ہمہ نئے ذائقے اور تازہ مضامین کی شاعری ہونے باجود ان کا سارا کلام شعریات نعت کی تقدیسی روایت میں پیوست ہے اور کہیں بھی ان کی جدت طرازی ان کے شعر میں عامیانہ پن پیدا نہیں ہونے دیتی۔ ریاض حسین چوہدری کی شاعری نعت میں طرز نو تلاش کرنے والوں کے ''نصاب غلامی'' ہونے کے ساتھ ساتھ نصاب نعت گوئی بھی ہے۔

نعت کے تخلیقی زاویے

ڈاکٹر طارق ہاشمی

تخلیق کار کا تنقید وتبصرہ کی طرف خود مائل ہونا کئی اعتبار سے مبارک ثابت ہوتا ہے۔ وہ امور جن کا اظہار شعری سطح پر ممکن نہیں ہوتا یا شعری اظہار کی بعض حدود کے باعث اظہار کے تقاضے پورے نہیں ہو پاتے تو نثر کے ذریعے اپنا مافی الضمیر پیش کر کے فکری تشفی کے مختلف اسباب پیدا کیے جاتے ہیں۔

ریاض حسین چودھری کی شناخت کا بنیادی حوالہ ان کی شاعری ہے اور ان کا زیادہ تر تخلیقی اثاثہ مدحِ رسول پر مشتمل ہے۔ ان کی زندگی میں نعت ایک مقصدِ حیات کا

درجہ رکھتی ہے اور اس کی تکمیل کے لیے وہ تا حیات کوشاں رہے۔ ان کے بائیس کے قریب نعت کے مجموعے شائع ہوئے جن سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ نعت کا تخلیقی رجحان ان کا کل وقتی میلان تھا۔

معاصر نعت کی تخلیقی جہتیں ان کی نثر کی ایسی دستاویز ہے جو نعت، تخلیقِ نعت اور تخلیق کارانِ نعت کے بارے میں ان کی متنوع تحریروں پر مشتمل ہیاور اس میں ان کے نعتیہ مجموعوں کے پیش لفظ اور انٹرویوز بھی شامل کیے گئے ہیں۔

اس کتاب کا یہ جمالیاتی وصف ہے کہ یہ مضامین نعت کے مباحث کے تناظر میں بعض فکری پہلوؤں پر ایسے جامع مواد کی حامل ہے جو ایک انسان کے درست طرزِ حیات سے لے کر قومی سطح کے مسائل تک کو محیط ہے۔ان کی بحث میں مستقبل کی جہت نمائی بھی ہے اور وہ درد وسوز بھی جو ایک سماج کے معاشرتی ارتقا کے لیے اہلِ فکر کے باطن میں تاباں ہوتا ہے۔وہ اپنی نعت میں جس طرح سماج کے حوالے سے اپنی فکرودانش کا اظہار کرتے ہیں، ان کی نثر میں بھی اس حوالے سے ایک واضح دردمندانہ میلان نظر آتا ہے۔ اس لحاظ سیا ن مضامین کا تنوع اپنے حلقہ قارئین کے لیے حیرت انگیز بھی ہے اور اثرانگیز بھی۔ ان کا اسلوبِ بیان اپنے اندر ایک خاص جاذبیت کا حامل ہے۔ ان کے شعری اوصاف کا عکس ان کی نثر میں بھی نمایاں ہے۔

شیخ عبدالعزیز دباغ کی مرتبہ نعت کی تخلیقی جہتیں کے عنوان سے یہ نثری دستاویز ریاض حسین چودھری کے افکار کا مجموعہ ہی نہیں،معاصر نعت کی بعض تخلیقی جہتوں کی تفہیم میں ایک اہم سنگِ میل بھی ہے۔

ریاض کی نعت نگاری

ڈاکٹر شبیر احمد قادری

تخلیق نعت کے عمل میں منتخب الفاظ و تراکیب کے ساتھ ساتھ اظہار عقیدت کو مرکزی حیثیت حاصل ہوتی ہے۔ اور اس نخل عقیدت کی نمود، محبان رسول کی اشک باری ہی سے ممکن ہے۔ عقیدت اس ذات والا صفات سے، صدر المصادر جس کی یاد میں ہر دم دھڑکتا ہے۔ ریاض حسین چودھری کا دل بھی اسی مقدس و معتبر ہستی کی حسین و جمیل یادوں کے عنبر سے معنبر تھا، جو ہر کلمہ گو کا حاصل ایمان ہے۔ نعت کی فوز و سعادت سے بہرہ مند ہونے والے عشاق میں انھیں ممتاز مقام حاصل تھا۔ یہ صنف ان کے نزدیک زر معتبر کا درجہ رکھتی تھی۔

زیر نظر کتاب شیخ عبدالعزیز دباغ کی سرور کائنات علیہ الصلوۃ والسلام سے قلبی مؤدت اور محبّ رسول ریاض حسین چودھری سے دیرینہ رفاقت اور نیاز مندی کی ترجمان ہے۔ اس کتاب کی روشنی میں ریاض حسین چودھری کے طرز احساس، حسن کلام، ندرت فکر و نظر اور شعور نعت کی تشکیل و تزئین کے ذیل میں خدمات کے فہم میں سہولت پیدا ہو گئ ہے۔ حمدیہ مجموعے ''لامحدود'' کے مشمولات پر بھی اظہار خیال کیا گیا ہے۔ شیخ عبد العزیز دباغ اس سے پہلے ''ریاض حمد و نعت'' کے زیرعنوان ریاض کے تین مجموعوں پر مشتمل جزوی کلیات کی صورت میں ایک زربفت تیار کر چکے ہیں۔

گزشتہ چند برسوں کے دوران میں مدیر ''نعت رنگ'' سید صبیح رحمانی اردو کے ابتداء اہم ناعتین کے پرمغز مطالعات پر مبنی ضخیم و جیم کتب سے بساط ادب کو مالا مال کر چکے ہیں، دامان نعت کو اپنے افکار گوہر نثار سے باثروت بنانے والے ما بعد و معاصر سخن

وروں، ناقدین و محققین کی خدمات پر مربوط و منضبط انداز میں کتابیں شایع کرنے کا کام جاری ہے۔ شیخ عبد العزیز دباغ کی زیرِ نظر کتاب اسی سلسلے کی ایک توانا کڑی ہے۔ موصوف کی یہ مساعی قابل قدر اور لایق صد ستائش ہے۔ مصنف نے ریاض حسین چودھری مرحوم کی تقدیسی شاعری کا بہت عمدہ تجزیاتی مطالعہ کیا ہے۔ اس نوع کی کتب کی ترتیب و اشاعت سے معاصر اور مستقبل کے مؤرخوں کو تاریخ نعت مرتب کرنے میں مدد ملے گی۔ یہ کتاب تنقید نعت کے اس سفر کا ایک اہم نشان ثابت ہو گی، جس کی ابتدا 1995ء میں ''نعت رنگ'' کراچی کے شمارہ اول تنقید نمبر کی صورت میں ہوء تھی۔ اور ریاض حسین چودھری مرحوم اس قافلے کے بہت فعال فرد تھے۔ اور انھوں نے نعت میں تازہ کاری کے عمل کو آگے بڑھانے کے علاوہ بہت وقیع مقالات بھی قلم بند کیے۔ وہ بجا طور پر اس بات کا استحقاق رکھتے ہیں کہ ان کی غیر مطبوعہ منظوم و منثور نگارشات کی جمع آوری اور اشاعت کے ساتھ ساتھ اس نوع کے مزید مطالعات بھی سامنے آئیں۔

آفریں باد، بر ایں ہمت مردانہ۔

وردِ مسلسل

ڈاکٹر ارشد محمود ناشاد

ریاض حسین چودھری اُن خوش نہاد اور پاک طینت عارفانِ جذب وشوق میں سے ایک ہیں جن کی زندگی کا ایک بڑا حصّہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی توصیف وثنا میں بسر ہوا۔ مبدء فیاض نے انھیں شعر وادب کے جس پاکیزہ ذوق اور تخلیقی شادابی سے بہرۂ وافر عطا کیا تھا وہ انھوں نے پورے وفور کے ساتھ توصیفِ رسول ﷺ میں صَرف کر دیا۔ اُن کا کشکولِ ثنا ہمیشہ بھرا رہا۔ انھوں نے عشق ومحبت کی سرشاری، عقیدت ومؤدت کی تابانی اور فکر وفن کی دل آویزی سے جدید اُردو نعت کو نئے امکانات کی بشارت دی۔ نعت کے منظر

نامے کو اچھوتے رنگوں سے زیب وزینت دینے کے لیے ان کے سَیلِ فکر کو عقیدت وارادت کے بسیط سمندروں سے کم یاب موتیوں کی تلاش رہی۔اُن کا دستِ ہُنرلفظوں کے بطون میں جھانکنے اور مدح وثنا کے نئے زاویوں کی جستجو میں رہا۔ان کی قادر الکلامی اور پُرگوئی بحور وقوافی کے ہر چمنستاں سے عقیدت کے پھول چُننے میں مصروف رہی۔ اُن کے اس پُرشوق تخلیقی سفر میں کئی نعتیہ مجموعے مطلعِ ادب پر جلوہ گر ہوئے جنھیں صاحبانِ ذوق وشوق نے انھیں عزت وتکریم کی نگاہ سے دیکھا۔ ان کے سرمدی بول خلقِ خدا کے کانوں میں رس گھولتے رہے اور ان کا ذوقِ ثنا شعروادب کی فضا کو مشک بار اور مستنیر کرتا رہا۔

یہ کتنے اعزاز اورسعادت کی بات ہے کہ اُن کے وصال کے بعد بھی اُن کا سفرِ ثنا جاری وساری ہے۔ان کے نیاز مند اور اخلاص کیش محبّ شیخ عبدالعزیز دباغ صاحب کی سعی وکوشش سے ریاض حسین چودھری کے دورِ آخر کا کلام ’’وردِ مسلسل‘‘ کی صورت میں سامنے آ رہا ہے۔میں اس خوش آثار مجموعے کی ترتیب اورپیش کش پر انھیں تہنیت پیش کرتا ہوں۔مجھے یقین ہے کہ عشق ومحبت کی یہ خوش رنگ دستاویز دیر تک عاشقان وواصفانِ رسول ﷺ کے قلب ونگاہ کو روشن رکھے گی۔ان شاء اللہ

روشنی یا نبیؐ

صبیح رحمانی

نعت گوئی ریاض حسین چودھری کے لیے محض شعری اظہار نہ تھی بلکہ طرزِ حیات کا درجہ رکھتی تھی۔ علاوہ ازیں اصنافِ سخن کی جداگانہ فنی ضرورتوں کے شعور کے باوجود ان کے نزدیک تخلیقی عمل میں بنیادی حیثیت اُس فکر و احساس کی تھی جو تخلیقی اظہار کا موجب ہوتا ہے۔ انھوں نے مختلف اصنافِ سخن میں کثیر نعتیہ سرمایہ پیش کیا جو اپنے جذبہ و آہنگ اوراسلوب کی تازگی کے باعث اپنی ایک انفرادی شناخت رکھتا ہے۔

’’روشنی یا نبیؐ‘‘ ریاض حسین چودھری کی نعتیہ نظموں کا مجموعہ ہے جو زبان و بیاں کی

نفاست، جذبوں کی گہرائی، عصری احوال و مسائل میں سیرت سے استفادے کے شعور کے ساتھ اُن رموز سے آراستہ ہے جو جدید نعت کی پہچان ہیں۔ یہ نظمیں ایک طرف تخلیق کار کی انفرادی عقیدت و محبت، جذبوں، اُمنگوں اور آرزوؤں کی ترجمان ہیں تو دوسری طرف ہماری دینی و تہذیبی اقدار اور اجتماعی شعور کی حامل بھی ہیں۔

اردو کے نظم نگار شعرا نے جو نعتیہ نظمیں تخلیق کی ہیں ان میں زیادہ توجہ ایجاز و اختصار پر رہی ہے مگر بعض تخلیق کاروں نے طویل، یعنی پوری ایک کتاب کے حجم میں بھی نعتیہ نظمیں تخلیق کی ہیں۔ ان میں سے بعض نظمیں اپنی جگہ شاہکار بھی مانی گئی ہیں مگر یہ آسان کام نہیں ہے۔ ایسی نظموں میں یہ ہوتا ہے کہ اکثر جذبے کا وفور اس درجہ غالب آ جاتا ہے کہ نظم کی فکری جہت اور فنی لوازم پر شاعر کی گرفت کم زور پڑ جاتی ہے۔ مجھے خوشی ہے کہ ریاض حسین چودھری اس جادۂ دشوار سے سلامت روی کے ساتھ گزرے ہیں۔ اس کتاب میں شامل نظموں سے پہلے بھی میری نظر سے ان کی کئی طویل نظمیں مثلاً ''طلوعِ فجر''، ''سلام علیک'' اور ''دبستانِ نو'' میں شامل کئی نظمیں گزری ہیں۔ یہ نظمیں کامیابی سے اپنا فکری و فنی دائرہ مکمل کرتی دکھائی دیتی ہیں۔ مجھے یقین ہے ''روشنی یا نبی'' بھی اُن کی دوسری نعتیہ تخلیقات کی طرح معاصر ادبی منظرنامے پر نظم میں نعت نگاری کی تخلیقی جہتوں کو نمایاں کرنے کا سبب بنے گی۔ اس بابرکت مجموعے کی پذیرائی میرے لیے ذاتی طور پر طمانیت کا باعث ہے۔

آئینہ خانۂ نقد و نظر

محمد اقبال منہاس

ریاض کے قریبی دوست محمد اقبال منہاس کے تاثرات

[ریاض کے ذاتی کتب خانے میں ریکارڈ کھنگالتے ہوئے ان کے پہلے شعری مجموعے ''خونِ رگِ جاں'' کا ایک بوسیدہ سا مطبوعہ نسخہ ملا۔ ۴۸ صفحات کے اس شعری مجموعے کو وہیں بیٹھے پڑھا تو یہ ایک ضخیم دیوان لگا۔ مضامین کا بہاؤ، تنوع، دردِ ملت اور غمِ امت کا موج در موج دھارا ایسا اثر انگیز تھا کہ ضعفِ ضبط سے آنکھوں کے بند ٹوٹ گئے۔ مگر اقبال منہاس کا لکھا ہوا ایک صفحہ پڑھ کر دل میں اقبال منہاس کی محبت کا جوش یوں اٹھا کہ معاً بلال امجد کو فون کیا اور کہا کہ انہیں ڈھونڈیں یہ کہاں ہیں کہ ان کی مختصر تحریر کے لفظ لفظ سے اخلاص و محبت کا نور پھوٹ رہا ہے۔ مگر پھر دل ٹوٹ گیا کہ یہ تو ریاض کے وہ ساتھی تھے جو عین عالم شباب میں داغ مفارقت دے گئے۔ وہ مرے کالج سیالکوٹ کے کالج میگزین انگلش سیکشن کے ایڈیٹر تھے جبکہ ریاض اردو سیکشن کے مدیر تھے۔ دونوں شاعر تھے اور دونوں کی ذہنی قربت انہیں ہر وقت اکٹھا رکھتی تھی ۔ قدرت نے انہیں محبت کے رشتے میں باندھ دیا۔ ریاض پر لکھی گئی یہ پہلی تحریر اقبال منہاس کی ہے۔ اللہ کریم انہیں غریقِ رحمت فرمائیں، آمین۔ شیخ دباغ]

ریاضؒ پر لکھی جانے والی سب سے پہلی تحریر

ریاض سے میری بہت پرانی دوستی ہے۔ میں شاید صدیوں سے اسے جانتا پہچانتا چلا آیا ہوں! مقدس الہامی کتابوں کے بعد جو سب سے قیمتی کتاب مجھے پڑھنے کو ملی وہ ریاض کی دل آویز، دل کش اور حد درجہ حسین و جمیل شخصیت پر مبنی تھی۔ میں نے اس حد تک مستغرق ہو کر اس کتاب کے جگمگاتے ہوئے اوراق سے استفادہ کیا ہے کہ آج اس کی

ہر سطر اور اس کا ہر حرف میرے لوحِ احساس پر چاند کی طرح نقش ہے۔ وہ خلوص کا پیکر، پیار کا ساگر اور محبت کا سیلاب ہے۔ ریاض کی جادو بھری شخصیت عود و عنبر کے مہکتے ہوئے جزیروں سے زیادہ معطر ہے! آج جب کہ دوریوں کے طلسم زار میں بے حد اداس اور تنہا ہوں ریاض کی زر کار دوستی اور اس سے منعکس ہونے والے یادوں کے جاوداں سلسلے سیالکوٹ کی میٹھی شاہراہوں سے لے کر بلاد العرب کے گہرے نیلے پانیوں تک پھیلے ہوئے ہیں! الفاظ اتنے موثر اور معتبر کہاں ہیں کہ میں ریاض کے فن اور اس کی من موہنی شخصیت کے سبھی پہلوؤں کو تحریر کی مالا میں پرو کر آپ کے سامنے پیش کر سکوں! اس کی شخصیت تو دلفریب رنگوں کا ایک گاتا ہوا آبشار ہے کہ دھنک کے ساتوں رنگ بھی سنولا جائیں! ریاض کی تصویر کو ذرا غور سے دیکھیئے اور یقین مانیئے وہ اپنی تصویر سے کہیں زیادہ پیارا اور معصوم ہے!

رہا اس کی شاعری کا سوال تو اس کی شاعری اپنی ہی صاف ستھری، بے داغ اور نکھری ہوئی شخصیت کا شفاف عکس ہے۔ اُس کی شاعری معمہ نہیں ایک کھلا ہوا راز ہے۔ اس میں اسلامی روایات کی عظمت، مذہب کا تقدس، میکانکی دور کے مسائل کی صدائے بازگشت، خوشیوں کی آہٹ، دکھوں کی آواز، مرمریں جسموں کی دودھیا چاندنی، زلفوں کی مہکار اور غم کی جھنکار سبھی کچھ شامل ہے۔ وہ ہمارا نہیں سب کا شاعر ہے۔ وہ ایک دُرِ یکتا ہے اور اُس بے مثال تاج میں سجنے کے لئے ہے جس کی وسیع و عریض سلطنت میں صرف انسانیت کی شہریاری ہوگی!

آغا صادق

''خونِ رگِ جاں'' کا
پیش حرف

[اقبال منہاس کا لکھا ہوا ایک صفحہ پڑھا اور دیر تک اس کی تاثیر میں گم رہا۔ اگرچہ رات کافی گذر چکی تھی اور گھنٹوں ریاض کے خزانے ٹٹولتا رہا۔ ریاض کے صاحبزادے حسنین مدثر نے میرا بھرپور ساتھ دیا۔ تب میں نے ''خونِ رگ جاں'' کا پیش حرف دیکھا۔ یہ تحریر آغا صادق کی تھی جو نامور شاعر نقاد ادیب اور ۲۴ شعری مجموعوں کے خالق تھے اور بلوچستان میں دنیائے ادب کے روح رواں تھے۔ ریاض حسین چودھری اور آغا صادق کے درمیان قریبی روابط تھے اور ان دنوں وہ پنجاب میں ساہیوال میں تھے۔ ریاض کے پہلے ہی مجموعے پر جناب آغا صادق کی تحریر ملاحظہ فرمائیں۔]

اتنا تو طے ہے نا کہ شاعری کے عناصر خمسہ ہیں، مشاہدہ، تخیل، محاکات، جذبات اور موزونیت! مگر آگے چل کر ادب برائے ادب اور ادب برائے زندگی کی بحث چھڑ جاتی ہے، اس محاذ پر اب تک نہ کوئی جیتا ہے نہ ہارا ہے مگر جنگ جاری ہے۔ اول الذکر مدرسہ خیال کے حامی تو ڈنکے کی چوٹ یہی رٹ رہے ہیں کہ شاعر یا ادیب کو مقصد یا افادیت سے کوئی غرض نہیں ہوتی، وہ تو اپنے انفرادی رنج و راحت کے جذبے سے مجبور ہو کر کبھی آہ بھر لیتا ہے کبھی واہ کہہ جاتا ہے۔ اس کا معاشرے کی اچھائی یا برائی سے کوئی تعلق نہیں ہوتا مگر ثانی الذکر مکتبہ فکر شعر میں مقصد اور افادیت پر زور دیتا ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ شاعری مجذوب کی بڑ نہیں ہوتی اور شاعر معاشرے سے الگ تھلگ نہیں رہ سکتا کیونکہ وہ بھی معاشرے ہی کی پیداوار ہوتا ہے۔ اس کی آہیں یا نعرہ ہائے مسرت انفرادی نہیں

ہوتے بلکہ معاشرے کے دکھ سکھ سے ہم آہنگ ہوتے ہیں بلکہ اس کا ردِعمل! اور بعض نقاد تو اس جذبے سے اس قدر سرشار ہوتے ہیں کہ وہ مقصدی شاعری کے ڈانڈے غالب سے جا ملاتے ہیں۔ اگرچہ ہماری رائے میں یہ امر محلِ نظر ہے کیونکہ غالب تک یہ شعور پیدا ہی نہیں ہوا تھا ،حقیقت یہ ہے کہ ہماری شاعری کی مقصدیت اور افادیت پہلی بار حالؔی اور اکبؔر سے ابلاغ پاتی ہے پھر اس بنیاد پر علامہ اقبالؒ نے عظیم الشان قومی شاعری کا محل تعمیر کیا جو مقصدی شاعری کا شاہکار ہے۔

شہرِ اقبال ہی سے اٹھنے والا نوجوان شاعر ریاضؔ حسین چودھری بھی اسی مکتبہ فکر کا پیرو ہے، اس کا تخیل انفرادی تنگنائے میں مقید نہیں بلکہ اسے اجتماعی رنج و راحت کا وسیع تر شعور ہے۔ اس کی ہمدردیاں عالم اسلام سے نہایت نمایاں اقبال کے شعر کا مصداق ہیں:

مبتلائے درد کوئی عضو ہو روتی ہے آنکھ
کس قدر ہمدرد سارے جسم کی ہوتی ہے آنکھ

ریاضؔ بھی دیدہ بینائے قوم ہے۔ اس کا دل بھی مسلمانانِ عالم کے دل کے ساتھ دھڑکتا ہے۔ اس کی شاعری اسلام دوستی، حریت پسندی، استعمار دشمنی اور استبداد شکنی کی فضا میں سانس لیتی ہے۔ وہ شدید حب وطن کے جذبے سے بے حد سرشار ہے۔

اس نظم میں اس نے اپنے دل کا سارا درد صفحہ قرطاس پر بکھیر کر رکھ دیا ہے۔ اس کے مصرعے مصرعے میں حضور سرورِ کائنات ﷺ کی محبت، مشاہیرِ اسلام سے والہانہ عقیدت اور وطن سے کمال شیفتگی ٹپک رہی ہے۔

اور لطف یہ ہے کہ ہمارے نوجوان شاعر نے مقصدیت اور افادیت کے جوش کے باوجود شعریت کا دامن کہیں نہیں چھوڑا، نظم میں تمام شاعرانہ محاسن موجود ہیں۔ روانی،

سلاست، برجستگی اور الفاظ کا درو بست حضرت علامہ اقبال کے شکوے کی یاد تازہ کرتا ہے۔ قارئین کرام اس نظم میں شکوے کا سا موڈ پائیں گے اگرچہ یہ کہنا جسارت ہوگی کہ یہ نظم اس کی ہم پلہ ہے۔

سودا نہیں جنوں نہیں وحشت نہیں مجھے

شاعر ابھی ابلاغ و ارسال کی منزلیں طے کررہا ہے، وہ بن نہیں چکا بلکہ ابھی بننے کے مراحل میں ہے اور کسی دن بن بھی جائے گا مگر اس نظم کی اٹھان سے یہ پیشگوئی کچھ مبالغہ آمیز نہیں ہوگی کہ ''نخستیں گام برمنزل رسیدی''۔ ''خونِ رنگ جاں'' کی دیگر نظمیں اے حدیثِ عشق و مستی کے مفسرالسلام، یوم مسجد اقصی، ہلال استقلال وغیرہ بھی انہی ملّی جذبات کی آئینہ دار ہیں۔ ہمیں امید ہے کہ قارئین کرام شاعر کے خلوص کے ساتھ ساتھ اس کی فنکاری کا بھی اعتراف کریں گے اور اس کی یہ فریاد نہ صرف سنی جائے گی بلکہ اثر انگیز بھی ثابت ہوگی۔

آغا صادق

ساہی وال 18 نومبر 1970ء

آغا صادق

''خونِ رگِ جاں'' کا

منظوم دیباچہ

ادیبِ نکتہ سرا، نکتہ داں ریاضؔ حسین　　ندیمِ بزمِ صفا، نکتہ داں ریاضؔ حسین
بڑے گداز بڑے جوش سے تہہِ دل سے　　ہوا ہے گرم نوا نکتہ داں ریاضؔ حسین
حضورِ سرورِ ﷺ عالم جو استغاثہ کیا　　تو مستغیث بنا نکتہ داں ریاضؔ حسین
جنابِ ختم رسل ﷺ کے سوا ہے کون جسے　　سنا ئے حرفِ وفا نکتہ داں ریاضؔ حسین
وہی کریم، وہی پیشوا ، وہی ھادی　　ہے جس سے شکوہ سرا نکتہ داں ریاضؔ حسین
فضا جو شاعرِ مشرق نے کی یہاں پیدا　　اُسی میں جذب ہوا نکتہ داں ریاضؔ حسین
کہا تو جذبِ اخوّت میں ڈوب کر ہی کہا　　خلوص کی ہے صدا نکتہ داں ریاضؔ حسین
مراد و مقصدِ شاعر ہے دردِ دل کو نمود　　ہے دردِ دل کی ندا نکتہ داں ریاضؔ حسین
سخن کے ساز سے نکلے جو نغمہ ہائے نیاز　　تو نغمہ سنج ہوا نکتہ داں ریاضؔ حسین
نکل کے دل سے جو دل ہی میں ہوگئی پیوست　　وہی ہے آہِ رسا نکتہ داں ریاضؔ حسین
یہ شوقِ خدمتِ دیں اور عنفوانِ شباب　　کنارِ دیں میں پلا نکتہ داں ریاضؔ حسین
فغانِ وادی کشمیر اس کے دل کی صدا　　شریکِ درد رہا نکتہ داں ریاضؔ حسین
جلی جو مسجدِ اقصیٰ تو وہ تڑپ اٹھا　　اس آگ میں بھی جلا نکتہ داں ریاضؔ حسین
ہوا جو مشرقی بنگال مبتلائے جفا　　تو وقفِ کرب رہا نکتہ داں ریاضؔ حسین

شکارِ ظلم تھا قبرص تو بیقرار تھا وہ ہے آب و رنگِ وفا نکتہ داں ریاضؔ حسین
کہیں جو اہلِ وطن پر ذرا بھی آنچ آئی تو چیخ چیخ اٹھا نکتہ داں ریاضؔ حسین
وطن کا دوست ہے ملت کا غمگسار ہے وہ نقیبِ صدق و صفا نکتہ داں ریاضؔ حسین
چراغِ بزمِ محبت ہے سوزِ دل اس کا ہے ظلمتوں میں ضیا نکتہ داں ریاضؔ حسین
سلف کے دل میں جو قربانیوں کا جذبہ تھا ہے اس کی ایک ادا نکتہ داں ریاضؔ حسین
نثارِ قوم ہے اُس کے قلم کی ہر جنبش صریرِ خامہ ہے کیا؟ نکتہ داں ریاضؔ حسین

میں اُس کو شاعرِ شیریں نوا سمجھتا تھا
مگر ہے اس سے سوا نکتہ داں ریاضؔ حسین

محمد امجد چودھری
جنوری ۲۰۲۱

بھائی ریاض حسین سلطانِ نعت کیسے بنے

[محمد امجد چودھری صاحب ریاض حسین چودھری صاحبؒ کے حقیقی برادر اصغر ہیں۔ ذہنی اورروحانی طور پر ان سے بہت قریب ہیں اور یہ قربت انہیں بچپن سے حاصل ہے۔ جب ان سے ریاض حسین چودھریؒ کے خاندانی پس منظر اور ابتدائی احوال اور شعری مزاج کی نشوونما کے بارے میں دریافت کیا تو ان سے کار آمد تفصیلات میسر آئیں جو انہوں نے اس تحریر میں بھی بیان کر دی ہیں۔]

ورق کو ذوقِ جمال دے گا قلم کو حسنِ مقال دے گا
اُسی کا ذکرِ جمیل شہرِ غزل کی گلیاں اجال دے گا

قلم بھائی ریاض حسین کا دیرینہ ساتھی تھا۔ گزشتہ تین دہائیوں سے ہمہ وقت مدحتِ رسولﷺ میں اٹھا یہاں تک کہ بھائی کو موت نے آ لیا۔ 9 نومبر 1941ء کو شہرِ اقبال میں طلوع ہونے والا آفتاب بالآخر وقتِ مقررہ پر 6 اگست 2017ء کو داتا کی نگری میں غروب ہوگیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔محبتِ رسول سے سرشار بھائی ریاض ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہم سے جدا ہوگئے۔ ایک تاریخ ساز باب بند ہوگیا۔ آج بھی ان کے گھر کے درو دیوار پر اداسی چھائی ہوئی ہے جہاں کبھی چراغِ نعت جلتے تھے اور قلم ورق کے مصلے پر سجدہ ریز رہتا تھا۔ زندگی کی 76 بہاریں دیکھنے کے بعد آج مردِ درویش مرے کالج روڈ پر واقع آبائی قبرستان ''سورج پور'' میں آسودہ خاک ہیں۔

زیرِ گردوں موت ہی کا راج ہے
کس کہ سر پہ زندگی کا تاج ہے

محمد ریاض حسین چودھری 9 نومبر 1941ء کو شہرِ اقبال میں الحاج چودھری عبدالحمید کے گھر پیدا ہوئے ہمارے دادا حضور اور نانا حضور سگے بھائی تھے۔ یکے بعد دیگرے امیر ملت سید پیر جماعت علی شاہ صاحب سے بیعت ہوئے۔ ہمارے خاندان کے امیر ملت کے گھرانے سے جو روحانی رشتہ استوار ہوا وہ الحمدللہ آج بھی قائم ہے۔چودھری صاحب کو والد صاحب کی اور امیر ملت کے گھرانے کی بے حد قربت ملی۔جب میر ملت تشریف لاتے تو والد صاحب سب کام کاج چھوڑ ان کی خدمت میں حاضر رہتے۔یعنی اترا فلک سے چاند ستارے چلے گئے۔علی پور شریف سے اگرخادم بھی آجاتا تو وہ ہمارے لئے واجب الاحترام ہوتا تھا۔ہماری دوکان کوعلی پور والوں کے لئے ریسٹ ہاؤس کا درجہ حاصل تھا، مولانا نعیم الدین مراد آبادی تشریف لاتے تو ان کے لئے خصوصی استقبالیہ منظّم کیا جاتا۔جب جسٹس نذیر غازی نے سنا کہ ہمارے ماں باپ کو نکاح امیر ملت نے پڑھایا تھا ور اس تقریب میں سید نعیم الدین مراد آبادی بھی شامل تھے تو انہوں نے برجستہ کہا :''پھر تو ریاض حسین چودھری'' کو آپ کے گھر آنا ہی تھا۔ریاض پیدا نہیں ہوتے بلکہ بھیجے جاتے ہیں۔اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ہر دور میں بھیجتا ہے۔

ہمارے لیے یہ امر باعث فخر ہے کہ علامہ اقبالؒ کے والد ماجد شیخ نور محمد اور دادا حضور چودھری عطا محمد یک جان و دو قالب تھے۔ دونوں احباب میں ایک قدرِمشترک یہ تھی کہ وہ صوفیائے کرام سے بے پناہ عقیدت رکھتے تھے۔

دونوں درویش اور انتہائی متقی شخصیات ایک دوسرے کے لئے یک جان و دو قالب تھے۔دونوں بھائی بنے ہوئے تھے۔قریبی پڑوسی تھے اور روزانہ ملاقات میں بچوں کے حوالے سےخصوصی بات چیت ہوتی۔ جناب نور محمدؒ کہتے کہ'' عطا محمد! اقبال لاہور سے آتا ہے تو اشعار بڑے سناتا ہے۔ بہت شاعری کرتا ہے۔ اور پھر کچھ اشعار وہ سنا بھی دیتے۔ ان کے علاوہ علامہ اقبال کے بھانجے ادبی ذہن رکھتے تھے۔ دادا جی کے پاس آ کر بیٹھ جاتے اور اشعار سناتے۔ عالم اسلام کے حوالے سے بات ہوتی اور پھر محفل جم

جاتی۔ یہ محفلیں ریاض بھائی کے لئے بہت پر اثر ثابت ہوئیں۔ وہ چھوٹے تھے، سنتے رہتے اور امت مسلمہ سے محبت، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عشق اور وطن سے محبت جیسے مضامین دھیرے دھیرے ان کی روح میں اترتے جاتے۔وہ جو کچھ وہ سنتے اسے اپنے دل میں اتار لیتے۔ انہی جلوتوں سے ان کی خلوتیں وجود پانے لگیں حتیٰ کہ شبستانِ روح میں نبی محتشم ﷺ کی ذات منور کی کہکشائیں اترنے لگیں۔یہ اثرات ان کی روح میں کچھ الگ ہی نقش و نگار بناتے جن کا ہمیں علم اس وقت ہوا جب وہ سب کچھ ان کی شخصیت کا حصہ بن چکا تھا۔علامہ اقبال کے ساتھ عقیدت تو تھی ہی۔''خون رگ جاں'' کی منظومات خصوصاً نظم ''دیدۂ بیدار'' اور'' استغاثہ اور جواب استغاثہ'' نظمیں انہوں نے اقبال کے رنگ میں ڈوب کر لکھیں۔ ایسی شاعری کی بنیاد بہت پہلے ان کی روحانی استعداد میں رکھ دی گئی تھی۔یہی ان کا شعور نعت تھا جس کی کرنیں ان کے مجموعہ ہائے حمد و نعت میں ہر سو اظہار کی جنتیں سجاتی نظر آتی ہیں۔

ہمیں یہ اعزاز حاصل ہے کہ ہمارے والدین کا نکاح امیر ملت نے پڑھایا جبکہ امام احمد رضا خان کے دستِ راست سید نعیم الدین مراد آبادی بھی اس بابرکت تقریب میں موجود تھے۔ تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ دونوں احباب نے 1925ء میں ''آل انڈیا سنی کانفرنس'' کی بنیاد رکھی۔ جس نے آگے چل کر ''آل انڈیا مسلم لیگ'' کے شانہ بشانہ تحریک پاکستان کو حیاتِ جاوداں بخشی۔اسی صورت حال نے بھائی ریاض کے شعور نعت میں ملک و ملت کی محبت کا ایک بے پایاں سمندر موجزن کر دیا جا انکی مدحت نگاری کے نمایاں خد و خال میں والضحیٰ بن کر چمک رہا ہے۔

خوش کن امر یہ ہے کہ قیام پاکستان کے بعد جامعہ نعیمیہ لاہور کے بانی مفتی محمد حسین نعیمی۔ ممتاز مسلم لیگی رہنما علامہ عبدالغفور ہزاروی، علامہ محمود احمد رضوی، مولانا محمد عمر اچھروی، مولانا عارف اللہ شاہ قادری، مولانا ابوداؤد صادق، مولانا شاہ احمد نورانی، مولانا

عبدالستار خان اور ڈاکٹر طاہرالقادری جیسی مقتدر ہستیوں کی میزبانی کا شرف حاصل ہوا۔

گاہے بگاہے ہمارے گھر میں محفلِ میلاد کا انعقاد ہوتا۔ درود و سلام کے گجرے پیش کیے جاتے۔ یوں ریاض بھائی نے ہوش سنبھالا تو ان کی سماعتوں اور بصارتوں کی لاشعوری تہوں میں شعورِ نعت کی نغمگی اور نورانیت کی برسات اتر چکی تھی۔ گھر کا ماحول نعت کا ماحول تھا۔ ماضی کے دریچوں میں جھانکتے ہوئے خود انہوں نے اس بات کی تصدیق کی کہ

''جب شعور ذرا پختہ ہوا تو معلوم ہوا کہ ہمارا تو سب کچھ حضور ہی ہیں اور اس وقت ایمان مکمل نہیں ہوتا جب تک حضور ہمیں اپنی جان، مال، اولاد غرضیکہ ہر شے سے عزیز تر نہ ہوجائیں تو میں اپنی آنکھیں بند کرلیتا۔ درود شریف پڑھتا اور چشم تصور میں گنبدِ خضریٰ کی ٹھنڈی ٹھنڈی فضاؤں میں پہنچ جاتا۔''

برستی رہتی ہیں ساون کے بادلوں کی طرح
حضور میری بھی آنکھیں مرے بڑوں کی طرح

ابھی ریاض بھائی کی عمر سات یا آٹھ سال ہوگی کہ اللہ عزوجل نے ان کو نئی زندگی عطا کی۔ اس وقت کسی کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ یہ بچہ بڑا ہوکر حسان و کعب و بوصیری و رضا کے قبیلے کا ایک فرد ہوگا۔ ہوا یوں کہ پتنگ اڑاتے ہوئے چھت سے گر کر فرش پر آگئے۔ ان پر مسلسل غشی کا دورہ طاری تھا۔ والد ماجد کی حالت غیر تھی مگر والدہ محترمہ سب کو تلقین کررہی تھیں کہ میرے ریاض کو کچھ نہ ہوگا۔ رات میں نے دیکھا کہ مسجد ہیر وادیہ کے صحن میں ایک نورانی بزرگ نے بچہ میری گود میں ڈال دیا ہے۔ اسی اثناء میں کسی نے کہا کہ ایک ڈاکٹر صاحب اتفاق سے ادھر ہی آرہے ہیں۔ وہ ڈاکٹر محمد شریف تھے۔ عطائے رب جلیل سے ریاض بھائی ہوش میں آگئے۔ بالآخر والد محترم اور ڈاکٹر صاحب کی قابل رشک دوستی قرابت داری میں تبدیل ہوگئی۔ اس حادثے کا اثر عمر بھر ان

کی ذہنی کیفیات پر اثر انداز رہا کیونکہ آپ کا بایاں بازو صحت مند فعال بازو نہ رہا۔

قلم ریاض بھائی کے بچپن کا ساتھی انہیں بے حد عزیز تھا۔ یہ امر مسلمہ ہے کہ عہد جوانی میں بھی انہوں نے قلم کی حرمت کو پامال نہ کیا۔ عمر بھر دعا گو رہے کہ:

دل کے ورق پہ جھکتا چلا جائے حشر تک
میرے قلم کو ایسی عبادت نصیب ہو
دونوں جہاں میں میرا تعارف ہو نعت سے
دونوں جہاں میں بزمِ رسالت نصیب ہو

ریاض بھائی ایک درویش صفت انسان تھے۔ دنیا میں رہتے ہوئے بھی ایک رہے۔ خلوت میں بھی ایک اور جلوت میں بھی ایک تھے۔ اکثر کہا کرتے تھے کہ ''میں زہرِ سلاسل کو کبھی کہہ نہ سکا قند۔'' ایسا نہیں کہ بندے کو خدا لکھوں۔ وہی لکھا جو محسوس کیا۔ ممتاز دانشور اشفاق احمد کی اس بات پر عمل پیرا رہے کہ کبھی کسی طرف نہ دیکھیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ کے اندر چھپی ہوئی صلاحیتیں زنگ آلود ہوں۔

ریاض بھائی نے گورنمنٹ ہائی سکول سے میٹرک کرکے ۱۹۵۸ء میں مرے کالج میں داخلہ لے لیا۔ یہ دور مشاعروں کا دور تھا۔ بہار کا موسم تھا مرے کالج کی گراؤنڈ میں مشاعرے کا انعقاد کیا گیا۔ رات دھیرے دھیرے بیت رہی تھی۔ کھلے آسمان تلے مجاہد ملت مولانا عبدالستار خان نیازی کرسیٔ صدارت پر جلوہ افروز تھے۔ کچھ ہی دیر بعد عبدالحمید عدم نے مائیک کو تھام لیا۔ اپنا کلام سناتے سناتے حضور نبی کریم ﷺ کی شان میں گستاخی کر بیٹھے۔ اس پر مجاہد ملت بھلا کیسے خاموش رہ سکتے تھے۔ جلال میں آ گئے۔ عدم کو آڑے ہاتھوں لیا۔ یقیناً مولانا کی تاجدارِ ختم نبوت سے والہانہ محبت نے ریاض بھائی کی شخصیت پر انتہائی مثبت نتائج مرتب کیے۔ ایسی محفلوں اور ایسے ہی واقعات ان کے اندر حسِ نعت کی تشکیل و تزئین کرتے رہے۔

جب وہ مرے کالج میں سیکنڈ ایئر کے طالب علم تھے تب سے استاد محترم آسی ضیائی صاحب سے جو تعلق پیدا ہوا وہ تادم آخر قائم رہا۔ حقیقت یہ ہے کہ پروفیسر صاحب کو ہمارے گھر میں فیملی ممبر کی حیثیت حاصل تھی۔ بھائی ریاض کی زندگی کا ایک خوشگوار پہلو یہ بھی ہے کہ وہ مسلسل تین سال تک ''مرے کالج میگزین کے ایڈیٹر رہے۔ جو کہ ایک ریکارڈ ہے۔ بعد ازاں انہیں ''المیزان'' (لا کالج لاہور) کا مدیر ہونے کا اعزاز حاصل ہوا۔ یہ وہ دور تھا جب کسی سٹوڈنٹ کا ایڈیٹر ہونا بڑے فخر کی بات تھی۔

ریاض بھائی کو اس بات کا بڑا قلق تھا کہ لا کالج میں کیونکر داخلہ لیا۔ ظاہر ہے وہ ایم اے اردو کرنے کے بعد پی ایچ ڈی کرنے کا ارادہ رکھتے تھے۔ لا کالج سے ایل ایل بی کی ڈگری حاصل کی۔ دو سال تک شہر اقبال کے نامور وکیل محترم جلیل جاوید کی رفاقت میں رہے۔ اس دوران دونوں احباب نے ایم اردو کا امتحان دیا اور نمایاں کامیابی حاصل کی۔ بعد ازاں ہفت روزہ ''ادراک'' آپ کی ادارت میں ایک عرصہ تک باقاعدگی سے شائع ہوتا رہا۔

1967ء میں ریاض بھائی نے اپنی عملی زندگی کا آغاز امپورٹ ایکسپورٹ کے کاروبار سے کیا۔ یہ وہ دور تھا جب ڈھاکہ اور کراچی میں بسنے والوں کے دل ایک ساتھ دھڑکتے تھے۔ چٹا گانگ کی بنی ہوئی مصنوعات پر ''میڈ ان پاکستان'' لکھا ہوتا تھا۔ بھائی ریاض کی دلی خواہش تھی کہ کیوں نہ ہم اپنے کاروبار کو مشرقی پاکستان تک پھیلائیں۔ چنانچہ نئے کاروبار کا نام ''ایسٹ ویسٹ کارپوریشن'' تجویز ہوا، ابھی فیکس مشین کا تصور محال تھا۔ تاہم لیٹر ہیڈ اور ٹائپ رائٹر کی اہمیت مسلمہ تھی۔ بھائی ارشد کا مشورہ حقیقت پر مبنی تھا کہ لیٹر ہیڈ انگریزی اور بنگلہ زبان میں چھپوایا جائے۔ قدرتی امر ہے کہ اپنی مادری زبان سب کو پیاری ہوتی ہے۔ چنانچہ اگلے ہی روز کینٹ پہنچے کہ ایک بنگالی کرنل صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا۔ جوں ہی اپنا مدعا بیان کیا۔ کرسی سے اٹھ کھڑے ہوکر ہاتھ ملایا اور بیٹھنے کے لیے کہا۔ ان کی آنکھوں میں جو چمک پیدا ہوئی وہ کبھی بھی بھلا نہ پاؤں گا۔ بڑے خلوص

سے چائے پی لی اور ترجمہ کر کے لیٹر ہیڈ کی کاپی ہاتھ میں تھما دی۔ شکریہ ادا کر کے جب واپس ہونے لگا تو دروازے تک چھوڑنے آئے۔

1969ء کا سال تھا۔ ریاض بھائی بیان کرتے ہیں کہ میں اکثر سوچتا کہ ہم عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ کے موقع پر عزیز و اقارب اور دوست احباب کو عید کارڈ روانہ کرتے ہیں۔ عید میلاد النبیؐ پر ایسا کیوں نہیں کرتے۔ چنانچہ انہوں نے اسد بھائی کے آرٹسٹ دوست ڈاکٹر شاہد رضا کے تعاون سے پہلی بار میلاد کارڈ چھپوائے۔ اسد بھائی نے جب علامہ کوکب نورانی کے والد ماجد کو میلاد کارڈ پیش کیا تو بے حد خوش ہوئے، اسے چوما اور پھر پڑھنے لگے۔ بے اعتبار ان کی آنکھوں سے آنسو چھلک پڑے۔ جواباً انہوں نے نہ صرف اسد بھائی بلکہ محفل کے شرکاء کو دل کی اتھاہ گہرائیوں سے عید مبارک دی۔ دمِ رخصت انہوں نے ہم سب کو ڈھیروں دعائیں دیں۔

ریاض چودھری رقمطراز ہیں کہ

> ''خون رگ جاں'' کا اعزازی نسخہ اور میلاد کارڈ روزنامہ جنگ کے قطعہ نگار اور ممتاز شاعر جناب رئیس امروہوی کی خدمت میں ارسال کیا۔ جواباً انہوں نے سقوطِ ڈھاکہ کے موضوع پر لکھنے کی ترغیب دی۔ چنانچہ میں نے ''عظیم المیہ'' کے نام سے ایک طویل نظم لکھی۔ 1970ء میں سقوط مشرقی پاکستان سے قبل میرا پہلا مجموعہ کلام ''خون رگ جاں'' کے نام سے شائع ہوا۔ اگرچہ اس میں ملی نظمیں شامل تھیں اور سقوط ڈھاکہ کے آثار لاشعوری طور پر شعر کے قالب میں ڈھل گئے''۔

اس بات میں رتی بھر شک نہیں کہ پاکستان کی محبت بھی ریاض بھائی کو وراثت میں ملی۔ ان کے نزدیک جو پاکستان کا دشمن ہے وہ میرے وجود کا بھی دشمن ہے۔ وہ سراپا پاکستان تھے اور وطن کی محبت کو اپنے ایمان کا جزو سمجھتے تھے۔ انہوں نے ملی شاعری بھی کیا خوب کہی۔

آؤ اپنے جسم چن دیں اینٹ پتھر کی جگہ
بے درو دیوار ہے لیکن یہ گھر اپنا تو ہے

پاکستان کی 70 سالہ تاریخ کے حوالے سے ان کا ایک شعر ملاحظہ ہو۔

کون دیکھے گا سرابوں میں سفر جاری ریاضؔ
ایک ویرانہ ہی آجاتا ہے ویرانے کے بعد

بلا مبالغہ بھائی ریاض خطرناک حد تک حساس طبیعت کے مالک تھے۔ یہی وجہ ہے کہ جب سقوط ڈھاکہ کا المناک واقعہ رونما ہوا۔ بھائی بھائی سے جدا ہوگیا۔ زمیندار ایک انچ زمین پر مر مٹتا ہے۔ ہم نے آدھا ملک دشمن کی جھولی میں ڈال دیا۔ تب وہ بہت روئے۔

ایک ایک مرے باغ کی پتی بکھر گئی
اہلِ وطن پہ آج قیامت گزر گئی

برسوں بعد بھی وہ اس سانحے کو بھول نہ پائے جب بھی کوئی ڈھاکہ کا ذکر چھیڑ دیتا، وہ دکھ کی چادر اوڑھ لیتے۔

مادر وطن کو اجڑے ہوئے ایک زمانہ بیت چکا تھا کہ شہر قائد میں سقوط ڈھاکہ کی المناک کہانی دہرائی گئی۔ دو قومی نظریئے کو کراچی کے سمندر میں ڈبو دیا گیا۔ حقوق کے نام پر نفرت کی آگ بھڑکائی گئی۔ جس نے آناً فاناً پورے شہر کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ ہزاروں کی تعداد میں بے گناہ شہری موت کی وادی میں اتر گئے۔ ہر شخص ایک انجانے خوف میں مبتلا تھا۔ عدم تحفظ کا یہ عالم تھا کہ بقول ریاض حسین چودھری

ہوا ہے حکم پڑوسی کی چیخ کو سن کر
کواڑ بند رکھو، خامشی سے سو جاؤ

یہ وہ دور تھا جب چنگیز خاں کے ایک اشارے پر اللہ کی امانت اللہ کے سپرد کردی جاتی تھی۔ اس پُر آشوب دور میں اگر کسی شخص نے وقت کے یزیدوں اور فرعونوں کو للکارا تو وہ مولانا شاہ احمد نورانی تھے۔ ان پر قاتلانہ حملے بھی ہوئے مگر ان کے پائے استقلال میں رتی بھر بھی لغزش نہ آئی۔

ریاض بھائی جنہوں نے ساری عمر مشرقی پاکستان کو بنگلہ دیش نہ کہا تھا نوحہ کناں تھے کہ

کربلائے عصر کا منظر ہے میرے سامنے
ہر طرف شامِ غریباں کا دھواں نوحہ کناں
زندہ انسانوں میں بھی تقسیم ہوتے ہیں کفن
خون سے لکھی گئیں ہیں سرخیاں اخبار کی
خونِ ناحق بہہ رہا ہے کوچہ و بازار میں

المیہ کراچی کو گزرے ہوئے زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ سانحہ پشاور نے بھائی ریاض کو دکھی کردیا انہوں نے برملا کہا کہ دشمن نے ایک بار پھر ہماری نظریاتی سرحدوں پر بھرپور حملہ کیا ہے اور یہ کہ دوقومی نظریئے کی دھجیاں بکھیر کے رکھ دی ہیں۔

مکتب شہر پشاور کے شہیدوں کو سلام
جو یقیناً تھے مرے کل کی بلندی کے مکیں
عظمتِ رفتہ کو آواز نہ دوں تو کیا کروں
کھو گیا کیسے خرابے میں مسلسل گردوں

ریاض بھائی جامع الصفات شخصیت کے مالک تھے۔ جن کی سحر کا آغاز مدحت رسول سے ہو اور نصف شب کو اختتام بھی تقدیسی کلام کی تخلیق سے ہو، دن بھر جن کا قلم

اللہ کے محبوب کی تعریف و توصیف میں گزرا ہو، یقیناً ایسے بندے کا ظرف بھی اعلیٰ ہوتا ہے وہ سب کو ساتھ لے کر چلتا ہے۔ جب بھی اپنے خالق سے مانگتا ہے تو نعتِ رسول کے فروغ کا صلہ مانگتا ہے:

اے خدا!
میں تجھ سے تیرے محبوب کی نعت کا صلہ مانگتا
وہ یہ کہ
میرے پاکستان کی نظریاتی اور جغرافیائی سرحدوں کی حفاظت فرما
اور
علم وحکمت اور دانائی جو مومن کی گمشدہ میراث ہے اسے پھر سے امتِ مسلمہ کا مقدر بنادے''۔

صوفیائے کرام کی تعلیمات کا اثر تھا کہ وہ بلا امتیاز رنگ ونسل، مذہب و ملت دنیا بھر کے پسے ہوئے اور دبے ہوئے لوگوں کے لیے بھی دعا گو رہے کہ ان کی عزتِ نفس بحال ہو اور ہمیشہ سر اٹھا کر چلیں۔

ریاض حسین چودھری کی انسان دوستی کا یہ عالم تھا کہ ان کے حلقہ احباب میں تمام مکاتبِ فکر کے لوگ شامل تھے مگر وہ کبھی بھی کسی کے مسلک پر ''حملہ آور'' نہ ہوتے جب کہ اپنے مسلک پر مضبوطی سے قائم رہے۔

آپس میں جاں نثارو، تفرقہ نہ ڈالنا
کتنی عظیم ہے یہ وصیت حضورؐ کی

ریاض بھائی اکثر کہا کرتے تھے کہ
''جب کوئی بھی شخص مجھے نعت سناتا ہے یا حضور کی شان بیان کرتا ہے کہ

ریاض خوش ہوجائے تو مجھے ایسے لگتا ہے کہ سارے جہاں کی خوشیاں میری جھولی میں ڈال دی گئی ہوں''۔

بھائی ریاض کا ہم پر احسان ہے کہ انہوں نے اپنے بڑوں کے نقش قدم پر چلتے ہوئے نہ صرف ہمارے دلوں میں عشق محمدی کے چراغ جلائے بلکہ پاکستان کی محبت بھی اجاگر کی بلکہ ہمیں ایک صاف ستھرا ادبی ماحول بھی دیا۔ سکول ہی کے زمانے سے لکھنا پڑھنا ان کا اوڑھنا بچھونا رہا۔ ہمارے ڈرائنگ روم کی میز پر ''بچوں کی دنیا'' اور دیگر وسائل ہمہ وقت موجود ہوتے۔ جب شعور پختہ ہوا تو ''لیل و نہار''، ''ادبی دنیا'' اور ''فنون'' جیسے جرائد پڑھنے کا موقع ملتا۔

کہتے ہیں تاریخ اپنے آپ کو دہراتی ہے۔ برخوردار محمد بلال امجد نے ماضی کے دریچوں میں جھانکتے ہوئے ایک روز انکشاف کیا کہ جب میں آرمی پبلک سکول میں آٹھویں جماعت کا طالب علم تھا۔ میرے اردو کے استاد ہمیشہ مجھ پر شفقت فرماتے۔ کلاس میں کھڑے کر کے دو تین سو اشعار سنتے اور حیران ہوتے۔ مری عادت تھی کہ گھر پہنچ کر تایا ابو ریاض حسین چودھری کو بھیجی ہوئی کتابوں سے شعر منتخب کر کے کلاس میں سنا دیتا۔ اس پر سر واجد عش عش کر اٹھتے۔ دو شعر ابھی تک یاد ہیں جو آج بھی مجھے بے حد پسند ہیں۔

ارتعاش آگاہی کو اک نظر مطلوب سے
جھیل کے ٹھہرے ہوئے پانی کو کنکر چاہیے

اک اور

پھر سجائی گئی کھلونوں کی دکاں
پھر کوئی بچہ غم و یاس کی تصویر ہوا

آرمی پبلک سکول سے میٹرک کرنے کے بعد محمد بلال نے فیڈرل کالج میں داخلہ لے لیا۔ ایف ایس سی (پری انجینئرنگ) میں نمایاں کامیابی حاصل کی۔ گولڈ میڈل کا مستحق

ٹھہرا۔ خود مجھے اس بات کی حیرت ہوئی ہے کہ سائنس کا طالب علم ہوتے ہوئے اس کا شعری ذوق نہایت عمدہ ہے۔ آج جب بھی انکل ریاض کے مشکل ترین نعتیہ اشعار سناتے سناتے اس کی پلکیں بھیگ جاتی ہیں۔ بسا اوقات ان کی تشریح بھی کردیتا ہے۔

یہ امر قابل ذکر ہے کہ حلقہ ارباب ذوق اور دیگر ادبی تنظیموں میں ریاض حسین چودھری کا کردار فعال رہا جبکہ ڈپٹی کمشنر کی صدارت میں دفتری زبان اردو کے حوالے سے منعقدہ اجلاس میں باقاعدگی سے شرکت کرتے۔ یہ دور مشاعروں کا دور تھا۔ خصوصاً میونسپل کارپوریشن کے زیر اہتمام منعقد ہونے والے مشاعروں میں سٹیج سیکرٹری کے فرائض سرانجام دیتے۔ بلاشبہ شہر اقبال کی ''ادبی دنیا'' میں انہیں خصوصی مقام حاصل رہا ہے۔ یوں ریاض بھائی کے حواس خمسہ کی تربیت اور تصورات اور تخیلات کی آبیاری نعت رسول کی رم جھم میں ہوتی رہی۔ ادبی اور تخلیقی ذوق سانت پر سہا گا۔ خوب لکھتے، غزلیں، نظمیں، گیت ترانے اور امت کے درد کو سینے میں چھپا کر اسے لفظوں کی بنت دیتے رہتے۔

مختلف ادوار میں بالعموم اور ۱۹۷۶ء سے ۱۹۸۰ء کے دوران بالخصوص جناب احمد ندیم قاسمی، محترم حفیظ تائب، عارف عبدالمتین، عبدالعزیز خالد، خالد احمد، عطاء الحق قاسمی، امجد اسلام امجد، دلدار بھٹی، حافظ لدھیانوی، راجہ رشید محمود، منیر قصوری، آثم مرزا، اصغر سودائی، ارشد طہرانی، پروفیسر اکرم رضا، گلزار بخاری، اعزاز احمد آذر، رفیق ارشد، عباس اثر، ڈاکٹر آفتاب احمد نقوی اور دیگر کئی ایک ادبی شخصیتوں کی میزبانی کا شرف حاصل ہوا۔

ادبی محاذ پر ریاض بھائی محترم احمد ندیم قاسمی کے زبردست مداح تھے۔ دونوں احباب جوہر شناس تھے۔ ایک دوسرے کو خوب پہچانا اور جانا۔ جس کا بخوبی اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ وہ کم و بیش تیس سال تک رابطے میں رہے۔ ان میں محبت، اخوت اور بھائی چارے کا جو تعلق پیدا ہوا وہ اپنی مثال آپ ہے۔

آغا صادق صاحب ملتان کی ''ادبی دنیا'' کے بے تاج بادشاہ تھے۔ ریاض بھائی ان سے رہنمائی حاصل کرتے ۔ دونوں حضرات میں خط و خطابت کا سلسلہ تقریباً پندرہ سال

پر محیط ہے۔ اور یہ یقیناً ایک ایسا انمول رابطہ ہے جس سے آدھی ملاقات ہوجاتی ہے۔ بسا اوقات گمان ہوتا کہ آغا صاحب ہمارے درمیان موجود ہیں۔

جس دور میں ریاض بھائی ''مرے کالج میگزین'' کے ایڈیٹر تھے۔ ان کی شناسائی اقبال منہاس سے ہوئی۔ پھر رفتہ رفتہ اس حد تک قریب ہوگئے کہ اٹھنا بیٹھنا ایک ساتھ رہا۔ اقبال منہاس اچھے افسانہ نگار تھے۔ ہم پر بے پناہ شفقت فرماتے۔ وقت گزرتا گیا۔ ایک معلم کی حیثیت سے یمن کے دارالحکومت صنعا جا پہنچے۔ جہاں موت ان کی منتظر تھی۔ حرکت قلب بند ہونے سے انتقال کر گئے۔ ان کی ناگہانی موت نے ریاض بھائی کو دکھی کردیا۔ جب بھی مرحوم کا ذکر خیر ہوتا ریاض بھائی آنکھیں بند کر لیتے اور گہری سوچ میں ڈوب جاتے۔

ریاض بھائی اور پروفیسر آفتاب احمد نقوی کی سوچ اور فکر میں مکمل ہم آہنگی پائی جاتی تھی۔ وطن سے غیر مشروط محبت اور تاجدار دو عالم سے والہانہ عشق کی دولت سے مالا مال تھے۔ جب بھی ایک ساتھ مل بیٹھتے عموماً ان کا موضوع نعت ہی ہوتا۔ نقوی صاحب شہر اقبال میں درس و تدریس کے شعبے سے وابستہ تھے۔ ہم پر بے پناہ شفقت فرماتے پھر لاہور چلے گئے۔ جہاں وہ ڈاکٹر آفتاب احمد نقوی کے نام سے معروف ہوئے۔ موصوف ریاض بھائی کی نعت گوئی کے حوالے سے اہم کام کرنے جارہے تھے کہ موت نے مہلت نہ دی۔ اس روز علم بانٹنے کے لیے گھر سے نکلے ہی تھے کہ دہشت گردی کا شکار ہوگئے۔ دہشت گردوں نے گولیوں کی بوچھاڑ کر کے انہیں شہید کردیا۔ ان کی شہادت کی خبر ہم پر بجلی بن کر گری۔ بھائی ریاض سکتے میں آگئے۔ جب سنبھلے تو پھوٹ پھوٹ کر روئے۔

ٹوٹ کر برسا نہ تھا کب میری آنکھوں کا لہو
کب میرے اندر کا انساں رات بھر رویا نہ تھا

ریاض حسین چودھری اور محترم حفیظ تائب یک جان و دو قالب تھے۔ نعت کے

حوالے سے ان میں جو تعلق پیدا ہوا وہ خلوص نیت پر مبنی تھا۔ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ دونوں حضرات ایک دوسرے کے مرید تھے۔ حفیظ تائب ریاض بھائی ہی نہیں ہم سب کے آئیڈیل تھے۔ انہیں ہمارے گھر میں فیملی ممبر کی حیثیت حاصل تھی۔ آج جب انکل حفیظ کا ذکر خیر ہوتا ہے ان کے نعتیہ اشعار ہونٹوں پہ مچل جاتے ہیں۔

قدموں میں شہنشاہ دو عالم کے پڑا ہوں
میں ذرّہ ناچیز ہوں یا بختِ رسا ہوں
اب کون سی نعمت کی طلب رب سے کروں میں
دہلیز پہ سلطانِ مدینہ کے کھڑا ہوں

شروع میں ریاض حسین چودھری ریاض عارفی کے نام سے معروف ہوئے پھر خیال آیا کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ میرا نام نام حسین سے جدا ہو۔ مجھے تو زندگی میں جتنی پذیرائی ملی وہ حسین کے نانا کے صدقے میں ملی۔ وہیں عارفی کے تخلص کو خیر باد کہہ دیا۔ اہل بیتؑ سے ان کی عقیدت کا یہ عالم تھا کہ

ہر سال محرم میں چھلک پڑتی ہیں خود ہی
یہ آل پیمبر کی وفادار ہیں آنکھیں

حسن اتفاق سے امام احمد رضا خاں کا ایک شاگرد استاد داغ کا بھی شاگرد تھا۔ ایک موقع پر مرید خاص نے استاد داغ کے روبرو جب اپنے پیرو مرشد کا ایک نعتیہ شعر:

وہ سوئے لالہ زار پھرتے ہیں
تیرے دن اے بہار پھرتے ہیں

نہایت پُرسوز انداز میں پڑا تو حیران ہوئے۔ کہنے لگے کہ عالم دین ہو کہ اتنا عمدہ شعر کہتے ہو۔ اکثر سوچتا ہوں کہ اگر استاد داغ ریاض حسین چودھری کی ایک نعت کا

مندرجہ ذیل شعر سن لیتے:

غبار شہرِ مدینہ سے التجا کر کے
چلو بہار کے خاکے میں رنگ بھرتے ہیں

تب ان کا ردِعمل بھی وہی ہوتا کہ چودھری ہو کر اتنا اچھا شعر کہتے ہو۔

حفیظ تائب اس بات کے راوی ہیں کہ ڈاکٹر آفتاب نقوی شہید کے سوال: آپ نعت گوئی کی طرف کب مائل ہوئے؟ بنیادی حرکات کیا ہیں؟ جواب میں ریاض حسین چودھری نے لکھا۔

''یوں لگتا ہے ازل سے میری روح حصار عشق محمد میں پناہ گزیں ہے۔ ازل سے انہی قدوم مبارک میں جبین نیاز سربسجود ہے۔ شعور کی آنکھ کھولی تو گھر میں اللہ اور اس کے محبوب کے ذکر اطہر سے فضا کو مسحور پایا۔ میں شعوری طور پر نعت کی طرف مائل نہیں ہوا۔ اس لیے بنیادی محرکات کی توجیہہ کرنے سے قاصر ہوں۔''

ڈاکٹر فرمان فتح پوری رقمطراز ہیں کہ ''ریاض حسین چودھری کو شرف نعت منجانب اللہ ملا ہے یہ عطیہ خداوندی ہے۔''

ممکن نہ تھا کہ زیست میں کھلتے ثناء کے پھول
روزِ ازل الست نعت لبوں پر اگر نہ تھی

محترم شیخ عبدالعزیز رقمطراز ہیں کہ ریاض ہمیں آگہی عطا کرتے ہیں کہ فنِ تخلیق کا شاہکار نعت ہے کیا۔

نعت کیا ہے رات کے پچھلے پہر کا انکسار
نعت کیا ہے اک عطائے رحمتِ پروردگار

دل کی ہر دھڑکن کہے یا مصطفیٰ تو نعت ہو
حکم دے میرے قلم کو جب خدا تو نعت ہو

ڈاکٹر خورشید رضوی کی اس بات میں رتی بھر شک نہیں کہ ریاض حسین چودھری کی نعت میں ہمارے دور کے سیاسی، ثقافتی اور معاشرتی آشوب کا درد و سوز رچ بس گیا ہے۔

مسند ازل پر فائز ہے ہوس مرے حضور
ایک محشر ہے بپا روزِ جزا سے پہلے

یہ عطائے رب جلیل ہے کہ ریاض بھائی کے مطبوعہ اور غیر مطبوعہ شعری مجموعوں کی تعداد 25 کے لگ بھگ ہے تاہم یہاں اختصار سے کام لیتے ہوئے ان کے دو نعتیہ مجموعوں کا ذکر ضروری معلوم ہوتا ہے۔

ڈاکٹر اسحاق قریشی بیان کرتے ہیں کہ ''طلوع فجر'' ایک مسلسل نظم ہے۔ چھ ہزار مصرعوں پر محیط ہے۔ ہر بند کا سرنامہ ایک خبر یہ مصرع ہے۔

افلاک پہ دھوم ہے آتے ہیں وہ رسول

سلطان ناصر کے الفاظ میں ''یہ نظم کیا ہے گویا جشن ولادتِ حبیب کا ترانہ ہے۔

ڈاکٹر شبیر احمد قادری رقمطراز ہیں کہ ''تمنائے حضوری'' بیسویں صدی کی آخری طویل نظم ہے۔ اس کی اساس مندرجہ ذیل مصرع پر رکھی گئی ہے:

مجھ کو ہونا ہی اگر تھا تو مرے رب کریم
دست بوسی سے کبھی مجھ کو نہ ملتی فرصت
شہرِ سرکار کے بچوں کا کھلونا ہوتا

ہمارے ہاں عموماً ہر کام میں کوانٹٹی پر زیادہ توجہ دی جاتی ہے۔ رب العزت کی

عطا سے بھائی ریاض کا کمال یہ ہے کہ انہوں نے کوالٹی اور کوانٹٹی کو اس انداز میں یکجا کیا کہ ان کے پورے کلام کو وہ پذیرائی ملی کہ بس۔

نعت گوئی کے میدان میں ریاض حسین چودھری کی خدمات کا اعتراف قومی سطح پر کیا جاچکا ہے۔ ان کی زندگی میں انہیں چھ نعتیہ مجموعوں پر صدارتی ایوارڈ دیئے گئے۔ اس کے علاوہ پنجاب حکومت کی طرف سے سیرت ایوارڈ بھی حصے میں آئے مگر قربان جایئے ان کی عظمت پر کبھی بھی ان کی طبیعت میں غرور اور تکبر کا شائبہ تک پیدا نہ ہوا۔ ہمیشہ عاجزی میں رہے۔ جھکے تو خدائے بزرگ و برتر کے حضور، بکے تو بازارِ مصطفیٰ میں۔

یہ امر باعث اطمینان ہے کہ بعد از مرگ ریاض بھائی کے تین نعتیہ مجموعے ''کائنات محوِ درود''، ''لامحدود'' اور ''برستی آنکھوں خیال رکھنا'' ہمارے ہاتھ میں ہیں جبکہ ایک اور مجموعے پر انہیں صدارتی ایوارڈ سے نوازا گیا ہے۔

وصال سے چند روز قبل ریاض بھائی ایک مقامی ہسپتال میں زیر علاج تھے۔ ہمارے بہنوئی ڈاکٹر اعجاز رسول عیادت کے لیے آئے تو خاصی دیر تک ان سے باتیں کرتے رہے۔ دوران گفتگو جوں ہی ڈاکٹر صاحب نے تازہ کلام سنانے کی فرمائش کی تو بھائی صاحب کے چہرے پر عجیب چمک پیدا ہوئی۔ لمحہ بھر کے توقف کے بعد دوٹوک الفاظ میں فرمایا کہ جو نعتیہ شعر سنانے جارہا ہوں وہ میری زندگی کا آخری شعر ہے وقت بھی نوٹ کرلیں اور شعر بھی۔

میں اکثر سوچتا رہتا ہوں اے کونین کے مالک
تری جنت مدینے سے کہاں تک مختلف ہوگی

یہاں ریاض بھائی کے ایک ایسے دوست کا ذکر نہ کرنا زیادتی ہوگی جن کی ان سے والہانہ محبت ریاض بھائی کی نعت کی اشاعت، شعور نعت کے فروغ اور ان کے وصال کے بعد ان کی حمد ونعت پر تحقیقی کام کے آغاز، نشر و اشاعت اور وسعت ابلاغ کے لئے وہ

کام کر گئی جس کا تصور خود ریاض بھائی نے بھی نہ کیا ہوگا۔ ان کے یہ روحانی دوست شیخ عبدالعزیز دباغ ہیں جن سے ان کی پہلی ملاقات ۲۰۰۰ء میں فرید ملت ریسرچ انسٹیٹیوٹ لاہور میں ہوئی۔ ہم کبھی کبھی یہ جملے بھائی سے سنتے تھے: ''عزیز صاحب! وعدہ کریں آپ میرے ساری کتابوں کو شائع کریں گے۔ میں نے بہت نعت لکھی ہے مگر کیا وہ انہیں ڈائریوں ہی کی نذر ہو کر رہ جائے گی۔'' شیخ دباغ کو ۲۰۱۱ء میں کیا تحریک ہوئی کہ وہ ریاض بھائی کے پاس آئے، ان کی آزردگی کو سنا اور جاتے ہوئے ''غزل کاسہ بکف'' کے قلمی نسخے کی ایک کاپی اپنے ساتھ لے گئے۔ پھر ہم نے یہ دیکھا کہ ایک ماہ سے بھی کم عرصے میں وہ کتاب چھپوا کر ریاض بھائی کو بھیج چکے تھے۔ اگلے سال پھر ایسا ہی ہوا اور آبروئے ما چھپ گئی حتیٰ کہ مرض الموت کے دوران ''لا محدود'' اور کائنات محو، درود ہے'' دونوں نسخے پریس میں زیرِ طباعت تھے جو بھائی دیکھنے سے پہلے ہی وصال فرما گئے۔ وفات پر مدثر بیٹے نے اپنے ابو کی آواز کی ریکارڈنگ سب کو سنائی جس میں وہ کہہ رہے ہیں: ''مدثر بیٹے! زندگی میں میری نعت کے جملہ ریکارڈ کے حوالے سے عزیز صاحب کے علاوہ کسی پر بھروسہ نہ کرنا۔''

آج وہ شیخ عبدالعزیز دباغ ریاض بھائی کی جملہ کتب پر riaznaat.com کے نام سے ویب سائیٹ بنا چکے ہیں۔bazm-e-riaz کے نام سے APP بنا چکے ہیں ان کے جملہ نعتیہ مجموعوں کی اشاعت مکمل کر چکے ہیں اور ان پر تین تحقیقی کتب کی تصنیف اور ترتیب و تدوین کا کام بھی مکمل کر چکے ہیں۔شیخ دباغ بھائی ریاض کے لئے جس انہماک سے بے لوث خدمات پیش کرتے ہیں اس کا ادراک ہمارے بس میں نہیں ۔ دونوں کا کیا معاملہ رہا اور کیا ہے اسے تو ربِ نعت کی حکمت ہی کہا جا سکتا ہے۔ ان کے لئے ہمارے پاس الفاظ نہیں۔ رب کریم انہیں جزائے خیر دے۔ آمین۔

عارف عبدالمتین، ۱۹۷۶ء

ریاض حسین چودھری کی غزل گوئی

[ریاض حسین چودھری شاعر تو ابتدا ہی سے تھے۔نوعمری میں ہی ان کی طبیعت شعر گوئی کے لئے موزوں تھی۔ چنانچہ ان کے برادرعزیز جناب امجد حسین چودھری بتاتے ہیں کہ مڈل سکول کے طالب علم تھے کہ گھر میں اکثر بات چیت کے دوران فی البدیہ شعر کہہ جاتے۔ جب ۱۹۵۸ء میں مرے کالج میں گئے ہیں تو اس وقت وہ غزل گوئی شروع کر چکے تھے۔ پھر جب وکالت میں آئے تو ساتھ ہی ایک ماہنامہ کی ادارت بھی سنبھال رکھی تھی۔ سیالکوٹ حلقۂ اربابِ ذوق کا قیام ۱۹۷۴ء میں عمل میں آیا اور جناب پروفیسر حفیظ صدیقی صاحب اس کے پہلے سیکرٹری منتخب ہوئے۔ اس دوران ریاض کے دنیائے ادب کے سینئر احباب سے قریبی روابط وجود میں آئے۔ چنانچہ ۱۹۷۶ء میں آپ خود سیکرٹری حلقہ ارباب ذوق منتخب ہوئے تو حلقے کی سرگرمیوں میں بے پناہ اضافہ ہوا۔آپ ۱۹۸۰ء تک اس منصب پر فائز رہے۔ اس دوران ماہانہ مشاعرے باقاعدگی سے کراتے جس میں لاہور سے احمد ندیم قاسمی، عارف عبدالمتین، عطاء الحق قاسمی، خالد احمد، حفیظ تائب اور کئی دیگر احباب شریک ہوتے۔ اس زمانے میں ریاض کی غزل ادبی رسالوں اور جرائد میں طبع بھی ہو رہی تھی۔اور ان کی غزلوں کا مجموعہ ''سرِ صلیبِ بدن'' بھی وجود میں آ چکا تھا جس کی اشاعت مؤخر ہوتی چلی گئی۔ تاہم آپ کی غزل گوئی کو ادبی حلقوں میں بہت پسند کیا جانے لگا۔ چنانچہ ۱۹۷۶ء میں جناب عارف عبدالمتین نے ان کی غزل پر یہ تحریر لکھی جو نذرِ قارئین ہے۔یہ ان کے اپنے ہاتھوں سے لکھی ہوئی تحریر جناب ریاض کی فائلوں سے ملی۔

نعت کے ساتھ اس کا براہ راست تعلق تو نہیں تاہم وہ غزل جسے ریاض نے بعد میں ’’غزل کاسہ بکف‘‘ کہہ دیا اور جسے انہوں نے نعت کے لئے اختیار کرنے کا اعزاز بخشا اس پر ایک صاحب فن کے ریاض کے عالم شباب کے شعری کلام پر اظہاریہ یقیناً ادبی تنقید کا ایک نادرنمونہ ہے جس کی روشنی میں ریاض کی نعت کے مطالعہ کا لطف ہی کچھ اور ہو جاتا ہے۔ریاض تو غزل کو ایک بھرپور استعارے کے طور پر نعت میں استعمال کرتے ہیں جس سے ان کے جہانِ معنی کی وسعت دوچند ہو جاتی ہے اور فنی حسن کو وہ جلا ملتی ہے جو دیگر اساتذہ کلام مدحت نگاروں کے ہاں بھی کم میسر آئی ہے۔غزل دراصل ان کی شعری لغت کا مکتبِ فکر ہے جس سے وہ حسن کلام کشید کرتے رہے۔ شیخ دباغ]

....

ریاض حسین چودھری جدید غزل نگاروں کے انبوہ میں ایک ممتاز مقام کے مالک ہیں، اور ان کے کلام کے محتاط اور تفصیلی مطالعہ سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ انہیں یہ امتیاز بے وجہ حاصل نہیں بلکہ اس کے پسِ پشت ان کا وہ طویل ریاض کارفرما ہے جس کی بدولت انہوں نے اپنی فکر میں ندرت اور اپنے لہجے میں انفرادیت کے درخشاں عناصر کو ظہور میں لانے کی کامیاب سعی کی ہے۔

جہاں تک ان کی ندرتِ فکر کا تعلق ہے، اس کا تعین ہم ان الفاظ میں کرسکتے ہیں کہ انہوں نے ذہن و روح کے غیر مرئی بامِ رفعت تک رسائی حاصل کرننے کے لیے جسم کے مرئی زینہ کو بروئے کار لانے کے رویہ کی فنکارانہ نمائندگی کا فریضہ سرانجام دیا ہے اور ظاہر ہے کہ جب میں ذہن و روح کی بات کرتا ہوں تو میں اس کے حوالے سے تہذیب وثقافت کی اس سطح کا تذکرہ کرتا ہوں جوفرد کے توسط سے اپنے آپ کو بے نقاب کرتی ہے اور واضح رہے کہ شاعری میں اجتماعی بیرون کی شناخت کے لیے شخصی اندرون

کے دروازے پر دستک دینے کے پُر اسرار اور جانکاہ عمل کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ میرے اس معروضہ کی گرفت میں لے لینے سے ریاض حسین چودھری کے اولین مجموعہ کلام کے نام کا وہ جواز بھی فراہم ہوجاتا ہے جو ''سرصلیب بدن'' کی موزونیت پر مہر تصدیق ثبت کرتا ہے کیونکہ اسے کتاب کے مطالعہ کے سلسلہ میں اس سنگ ریزے کی حیثیت حاصل ہے، جو قارئین کے افکار کی جھیل میں ایسا ارتعاش پیدا کرتا ہے جو لمحہ بہ لمحہ پھیلتا چلا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ جھیل کی پوری پہنائی اس کی لپیٹ میں آجاتی ہے اور یہ لپیٹ اپنی معنویت کے اعتبار سے اگر ایک طرف گریز پا مادی حقیقتوں پر محیط ہے تو دوسری طرف روحانی اندوہ نا کی بلکہ کرب انگیزی کی آئینہ دار ہے۔ ظاہر ہے کہ جب مسئلہ آج کے عیسیٰ کا ہو تو طبعی اور مابعد الطبیعاتی حوالہ ایسی ہی دو گونہ صورت حال کو وجود میں لاسکتا ہے جس کے سینے سے شعور ذات اور ادراک کائنات کے سوتے پھوٹتے ہیں۔

ان مفروضات کی روشنی میں ریاض حسین چودھری کے کلام میں ذیل کے شعر کی کلیدی حیثیت کے قبول کا مرحلہ طے کرنا خارج از امکان نہیں رہتا۔ وہ کہتے ہیں:

عیسیٰ ہوں اپنے عہد کا زندہ اٹھا مجھے،
کب سے سرِ صلیب بدن ہوں عذاب میں!

میں اپنی بات کو یوں بھی واضح کرسکتا ہوں کہ فہمِ وجود کا قضیہ کافی پیچیدہ، پریشان کن اور اذیت ناک ہے اور ہمارے پاس جہاں اسے حل کرنے کا واحد ذریعہ ہمارا جسم ہے، وہاں جسم ہی اس قضیہ کے تصفیہ کے لیے عدالت کی حیثیت رکھتا ہے اور اس عدالت میں جسم ہی کو بیک وقت مدعی، مدعا علیہ اور عینی شاہد کے مراتب حاصل ہوتے ہیں، اس لیے یہ کوئی تعجب کی بات نہیں، اگر قارئین کو ریاض حسین چودھری کی شاعری میں جسم کے ان مراتب کے حوالے سے ایسی مختلف النوع کیفیات کی عکاسی میسر آئی جن کے تار و پود سے ان کے لیے ایک ہمہ جہت شخصیت کا پیکر وضع کرنا آسان ہوجائے جو اپنے طور پر مرتب بھی ہے اور غیر مرتب بھی، ریزہ ریزہ بھی ہے اور ثابت و سالم بھی۔ یہی وجہ

ہے کہ جب وہ کہتے ہیں کہ

جب آئینوں کے مدمقابل گرا ہوں میں
کتنی حقیقتوں میں مجسم ہوا ہوں میں!

تو قارئین محسوس کرتے ہیں کہ وہ اپنے اس شعور کا اظہار کررہے ہیں جو اپنی شخصیت کی گونا گونیوں پر محیط ہونے سے دستیاب ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ دستیابی تلاشِ ذات کے اس طویل عمل کی مرہون منت ہوا کرتی ہے جو صدیوں پر پھیلا ہوتا ہے اور جس کی دلدوز سنگینی اس حقیقت سے عیاں ہے کہ پیکر انسانی جس قدر نازک ہے اس کا مادی گردو پیش اسی قدر گراں بار ہے۔ملاحظہ فرمایئے اس صورت حال کا تذکرہ ریاض حسین چودھری ذیل کے شعر میں کس انداز سے کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں:

شبنم سے بدن نکلے ہیں صدیوں کے سفر پر،
اور دھوپ کے خیمے کھلی راہوں پہ تنے ہیں!

ظاہر ہے کہ جب خارج اس قدر بے رحم قاتل کی حیثیت رکھتا ہو اور فرد کے خود اپنے دائرہ میں مخالف قوت کارفرما ہو جس کے بارے میں اسے کہنا پڑے کہ:

شاید پھر اس کو میں بھی تحفظ نہ دے سکوں
میرا رقیب میرے بدن میں چھپا رہا!

تو اس صورت واقعہ کو الفاظ کا جامہ پہنانے کے دوران میں قلمکار کی وہ حالت زار ایک اٹل حقیقت کا روپ دھار لیتی ہے جس کا اظہار ریاض حسین چودھری کے ایک شعر میں بڑے بلیغ طریقے سے ہوا ہے۔ وہ کہتے ہیں:

میرے لبوں پہ راکھ جلے موسموں کی ہے،
میرے قلم کی نوک میں سمٹی ہیں تلخیاں!

ہر چند کہ جسم کے حوالے سے ادراک وجود کی تگ و تاز کے دوران میں اپنے اندر ایک متحارب طاقت کی موجودگی کا احساس یا خود کو معاندانہ روپ میں مشاہدہ کرنے کا طرزِ عمل بسا اوقات شعور ذات کے دشوار مرحلہ کو آسان بنادیتا ہے اور فرد ریاض حسین چودھری کی زبان میں کہہ اٹھتا ہے کہ

ہوتا ہوں اپنے آپ پہ میں منکشف ریاضؔ
اپنا رقیب بن کے اگر سوچنے لگوں!

تاہم کبھی کبھی یہی تگ و تاز اس المیہ کو بھی جنم دینے کا موجب بن جاتی ہے کہ روحانی ارتقاء کا عمل جسم کے انہدام کے باعث رک جاتا ہے اور شاعر اس دردناک حقیقت کا اظہار یوں کرنے لگتا ہے کہ

کب تک فصیل جسم بچاتی ہمیں ریاضؔ
آخر خود اپنی روح کے ملبے پہ آگرے!

مگر اپنے آخری تجزیہ کے لحاظ سے انسانی جدوجہد کبھی بے ثمر نہیں ہوتی، یہی وجہ ہے کہ بابصیرت شعراء کا لب و لہجہ بحثیت مجموعی رجائی ہوتا ہے اور وہ ارتقاء کی منازل طے کرتے ہوئے جن صعوبتوں سے گزرتے ہیں، انہیں لمحاتی تصور کرتے ہیں جس شکست و ریخت سے دو چار ہوتے ہیں، اسے ہنگامی قرار دیتے ہیں اور جن دکھوں سے ان کی مڈبھیڑ ہوتی ہے انہیں گرد راہ سے زیادہ وقعت نہیں دیتے۔ ریاض حسین چودھری انہی عرفان کے حامل شعراء میں سے ایک ہیں اور اسی سبب سے ان کی شاعری اپنے دامن میں بہت سے ایسے اشعار کو سمیٹے ہوئے ہے جو غم کی کسک کے ساتھ ساتھ امید کی سرشاری اور حوصلے کی سربلندی کے امین ہیں۔ تین شعر آپ بھی ملاحظہ فرمائیں۔ کہتے ہیں:

خود ہی پرچم لے کے نکلیں گے ریاض
ہم جو زنجیر شب غم کے عذابوں میں رہے!

سورج کی ہر کرن پہ لکھا ہوگا میرا نام
آخر چراغ شب ہوں، سحر کا نقیب ہوں!

پھول ذہنوں میں ہر حال کھلیں گے تازہ،
لاکھ یہ شاخ روایات سے بوجھل ہووے!

ظاہر ہے کہ یہ مثبت رویہ اس وقت تک پیدا نہیں ہوسکتا، جب تک کہ فرد انا پسندی اور خود پسندی کے خول سے باہر نکل کر اپنے آپ کو اجتماع انسانی کے ساتھ مربوط نہ کرے اور داخل کے محبس کو مسمار کر کے خارج کی لامحدود وسعتوں سے اپنی ذات کو ہم آہنگ نہ کرے۔ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ یہ ایک فرد کا غیر معمولی کارنامہ ہے اور ہر کس و ناکس اسے سرانجام دینے کی قدرت نہیں رکھتا۔ میں اس امر کی نشاندہی کرتے ہوئے یک گونہ خوشی محسوس کرتا ہوں کہ ریاض حسین چودھری نے ''سرِ صلیب بدن'' کی صورت میں اس کارنامے کی انجام دہی کا ثبوت فراہم کیا ہے اور یہی وجہ ہے کہ ہم ان کی زبان سے بہت سے ایسے اشعار سنتے ہیں جو مرے اس دعوے کی تائید کا سامان فراہم کرتے ہیں۔ مثلاً ریاض حسین چودھری اپنے ایک شعر میں کہتے ہیں:

اب کھلے موسم کے رنگوں سے بنائیں پیرہن
عمر بھر ہم نرگسیت کے خرابوں میں رہے!

ایک اور شعر کے وسیلے سے وہ ہمیں بتاتے ہیں کہ

شب نے کھودی ہے مرے جسم میں پہلی خندق
میرے تکذیب ہی تعمیر کا عنواں ہو گی

پھر ایک اور غزل میں وہ کہتے ہیں:

ہر حال میں اونچا ہے مرے سر سے سمندر
ہر موج نے ساحل کی بشارت مجھے دی ہے

یہ بھی ہے ریاض اپنی ہی تعمیر کی صورت
کل رات جو بجلی ترے آنگن میں گری ہے

بعض مقامات پر وہ اپنے تجربات اور ان سے اخذ کردہ قیمتی نتائج کی روشنی میں اپنے مخاطبوں کو بھی ذات کی تنگناء سے چھٹکارا پا کر، کائنات کے بحرِ بیکراں سے اپنے آپ کو مربوط کرنے کا مشورہ دیتے ہیں کیونکہ بصورت دیگر ان کی خلاقانہ صلاحیتوں کے ہلاکت کا امکان ہمہ وقت موجود رہتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ یذات کا یہ المیہ کائنات دوست افراد کے لیے کبھی قابل قبول نہیں ہوتا۔ اپنے مفروضات کی تائید میں صرف ایک شعر کی پیشکش کی اجازت چاہوں گا۔ ریاض حسین چودھری ایک جگہ کہتے ہیں۔

خود فریبی جو ہر تخلیق کو کھا جائے گی
ذات کے اندھے کنوئیں سے بھی نکل باہر کبھی

اس بات سے قطع نظر کہ یہ شعر ہمیں اس اہم حقیقت کا شعور عطا کرتا ہے کہ فرد کی خلاقیت اور اے ارتقاع سماجی علائق کا مرہون منت ہے اور اس کی شخصیت کی ہمہ گیر توسیع کا عمل کسی خانقاہانہ علیحدگی یا خلائی بےتعلقی کی موجودگی میں ظہور پذیر نہیں ہوتا اور یوں فن شاعری کے اس باطل نظریے پر ضرب کاری لگاتا ہے جو شاعر کو من ساگر میں ڈوب کر حقیقت کے موتی تلاش کرنے کی تلقین کرتا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اس شعر کے وسیلہ سے ہمیں ریاض حسین چودھری کے فنکارانہ اسلوب کا اندازہ بھی ہوتا ہے جو مخاطبین کو خطاب کے دوران میں اپنی خطابت کی اجازت نہیں دیتا بلکہ صرف ایسی سرگوشی کی گنجائش فراہم کرتا ہے، جس کی سرحدیں خود کلامی سے جاملتی ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ اس شعر میں ہمیں ریاض حسین چودھری آگہی کے آئینہ کے روبرو اپنے عکس سے محو گفتگو دکھائی دیتے ہیں، یہ الگ بات ہے کہ اس آئینہ کے پس پشت ایک عالم ان کی اس گفتگو پر کان لگائے بیٹھا ہو۔ ریاض حسین چودھری کے اس اسلوب نے ان

کی شاعری کو دھماکوں کی کیفیت سے محفوظ کر کے اس میں بہتی ہوئی ندی کا سبک آہنگ نمایاں کر دیا ہے جس کی وجہ سے ریاض حسین چودھری کا ہر قاری محسوس کرتا ہے کہ ان کے اشعار اس کے کانوں کے پردوں کو پھاڑنے کی بجائے ان میں ایک ہلکا سا ارتعاش پیدا کرتے ہیں جو اس کے دل و دماغ تک پہنچ کر اس کی ایسی شخصیت کو مجتمع کر دیتے ہیں جو آج کی جابر و قاہر معاشرتی قوتوں کے ہاتھوں ریزہ ریزہ ہو چکی ہے۔ یہی سبب ہے کہ وہ ریاض حسین چودھری کی زبان میں بے ساختہ پکار اٹھتا ہے کہ

میں تاش تاش بکھرا ہوا تھا افق افق
کس نے مجھے سمیٹ لیا آفتاب میں

ریاض حسین چودھری کے فنی تشخص کے ضمن میں آخری مگر اہم اور بیش قیمت بات یہ ہے کہ وہ ایک ایسے تخلیق کار ہیں جن کے ہاں اجتماع انسانی سے رابطہ کی اس صورت کا سراغ نہیں ملتا جسے بالعموم اس انسان دوستی سے موسوم کیا جاتا ہے جو ظالم و مظلوم، جابر و مجبور اور قاہر و مقہور کے درمیان فرق روا رکھے بغیر تمام ابنائے آدم سے غیر مشروط محبت کی داعی ہے، اس کے برعکس ریاض حسین چودھری ایک ایسے فنکار ہیں جن کے اجتماعی علائق جانبدارانہ اور مبنی بر امتیاز ہیں، ان کی چاہت کے دائرے سے ظالم، جابر اور قاہر خارج ہیں اور ان کا پیار مظلوموں، مجبوروں اور مقہوروں سے مختص ہے، بہ الفاظ دیگر ان کی فنی وابستگی معاشرے سے غیر مشروط نہیں بلکہ اس کے زیریں طبقے سے مشروط ہے اور ریاض حسین چودھری نے اپنی اس وابستگی کا اظہار جابجا بڑے واضح اور دلاورانہ انداز میں کیا ہے۔ تین شعر آپ بھی ملاحظہ فرمایئے۔

اے زمین تیرے لب و رخسار کا ملبہ ہوں میں
اس صدی کے بھوکے ننگے فرد کا نوحہ ہوں میں

گندی نالی کے مکینوں کو اٹھانا ہوگا
اب انہیں شعر کا عنوان بنانا ہوگا

یہ فقط چہرہ نہیں کردار ہیں۔ ظاہر ہے ریاض حسین چودھری کے فن کی تحسین اس وقت تک ممکن نہیں جب تک کہ ہم معاشرے کے اس زیریں طبقے سے ان کی مذکورہ خصوصی وابستگی سے آگہی حاصل نہ کرلیں جو تمام ثقافتی اور تہذیبی انقلابات کے عظیم سرچشمے کی حیثیت رکھتا ہے۔

پروفیسر محمد اکرم رضا

جدید لہجے کا نمائندہ مدحت نگار

[پروفیسر محمد اکرم رضا کی نعت پر خوبصورت کتاب ''**کاروانِ نعت کے حدی خواں**'' 1989ء میں شائع ہوئی جس میں انہوں نے ریاض کی نعت پر اپنا یہ مضمون بھی شامل کیا جب ابھی ریاض کا کوئی مجموعہ نعت طبع نہیں ہوا تھا۔ ان کا پہلا مجموعہ نعت ''زرِ معتبر'' 1995ء میں چھپا تھا اور یہ اس کلام پر مشتمل تھا جو ریاض 1985ء میں روضۂ رسول پر حاضری سے پہلے لکھ چکے تھے۔ ان کے مطابق ''زرِ معتبر کے مشمولات وہ سارا کلام ہے جو انہوں نے دربارِ رسالت ﷺ میں بصد ادب پیش کرنے کی سعادت حاصل کی۔ پروفیسر محمد اکرم رضا کا یہ طویل مضمون اس لحاظ سے بہت اہم ہے کہ انہوں نے ریاض پر اس وقت قلم اٹھایا جب ابھی ان کی نعت کا پہلا مجموعہ مکمل تو ہو چکا تھا مگر طبع نہیں ہوا تھا، نہ ہی انہوں نے ابھی تک تحریک منہاج القرآن کے پندرہ روزہ تحریک کی ادارت کی ذمہ داری ہی سنبھالی تھی۔شیخ دباغ]

....

محسن کائنات، مجمع الصفات، جناب محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت قدسی کی صورت میں امتِ اسلام کو جو لازوال فیوض و برکات عطا ہوئے ہیں، عقل انسانی ان کا کماحقہ ادراک نہیں کرسکتی۔ ظہور مصطفویؐ کی بدولت وہ تمام تاریکیاں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے کافور ہوگئیں، جنہوں نے مدتوں سے عرصہ حیات کو ظلمت آلود کر رکھا تھا۔ نبی کریم ﷺ نے عالمِ انسانیت کی اس طور رہنمائی فرمائی کہ تشکیک و اوہام زدہ قلوب اور اذہان عظمت توحید اور شان رسالت کی روشنی سے جگمگا اٹھے۔ احسانات مصطفیٰ ﷺ کی بارانِ رحمت ویران و بنجر دلوں پر اس شان سے برسی کہ دلوں میں امتنان و تشکر کے عطر بیز گلزار کھلنے لگے اور نطق

ہستی صفت و ثنائے حضور کے لیے ترنم ریز ہوگیا۔ چار جانب تحدیثِ نعمت اور اظہار عقیدت کے طور پر نعت رسول کریمﷺ کی صورت میں توصیفِ رحمۃ للعالمین کے سامان مہیا ہونے لگے۔

نعتِ رسول کریمﷺ نے کائنات کے لمحہ لمحہ سے اپنی عظمتوں کا خراج لیا ہے اور ہر زبان اور اسلوب کے شعراء نے اپنے فکروتخیل کا بہترین حصہ ثنائے حضورﷺ کے لیے وقف کرکے دربار سرورِ لولاکؐ میں عقیدتوں کے پھول نچھاور کیے ہیں۔ ماضی کے ایوانوں میں ضوفگن ہونے والی شمع نعت زمانہ حال کے شعری شبستانوں کو ایمان افروز جلوہ پاشیوں سے منور کررہی ہے اور مستقبل کے دھندلکے ابھی سے اس شمع لازوال کی تابشوں سے روشنی پاتے نظر آرہے ہیں۔ عصر رواں کا ہر شاعر توصیفِ رسولؐ کو اپنی حیات مستعار کا مرکز اور محور قرار دے کر اپنی عقیدتوں کی متاعِ بے بہا حضورؐ کے نام کرنے کے لیے بے تاب ہے۔ شعراء کا یہ نذرانۂ مدحت اظہار تشکر بھی ہے اور اپنی بخشش و سرخروئی کے لیے عجز گزاری کا اہتمام تھی۔

عہد جدید کے جو شعراء مدحت محمد رسول اللہﷺ کو اپنا جمال فکر وفن قرار دیئے ہوئے ہیں ان میں سے ایک سربلند نام ریاض حسین چودھری کا ہے۔ جو ایک عرصہ سے اپنے آقا و مولاؐ کی توصیف کے لیے کشت ایمان و یقین میں محبتوں کے لالہ وگل کھلا رہے ہیں۔ ریاض حسین چودھری کی مدحت نگاری فقط نمود فن اور نمایشِ فکر یا شاعری برائے شاعری تک ہی محدود نہیں ہے بلکہ وہ تو اپنی شاعری کو پیمانۂ طلب سمجھتے ہوئے اس کے ذریعے حضورؐ کی رحمت طلبی کے انداز ڈھونڈتے ہیں۔ حضور علیہ الصلوۃ والسلام سے ان کی عقیدت عارضی یا وقتی نہیں ہے بلکہ وہ تو اسے وقتِ اجل سرمایۂ قرار اور ہنگامِ محشر میں ذریعہ بخشش تصور کرتے ہیں۔ حضور سے غلامی کی نسبت رکھنے پر ناز کرتے اور حضور کے عقیدت گزاروں میں اپنا شمار ہونے کے لیے ملتجی رہتے ہیں کیونکہ وہ سمجھتے ہیں۔

آنکھوں میں نور، دل میں بصیرت ہے آپؐ سے
میں خود تو کچھ نہیں، مری قیمت ہے آپؐ سے

ریاض حسین چودھری کی نعتیہ شاعری میں آرزوؤں کی چمک اور تمناؤں کی دمک جلوہ گر نظر آتی ہے۔ آلامِ روزگار کی تمازتوں میں بھی وہ رحمت کونینﷺ کی عنایات بے کراں کی بادِ خنک کو فراموش نہیں کرتے کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ حضورﷺ کی رحمت اپنوں اور بیگانوں پر یکساں ہے۔ آپؐ ہر غمگسار کے مونس اور ہر قلب مضمحل کی آخری ڈھارس ہیں۔ ریاض حسین چودھری کی نعتیں اس روحانی کسک اور سوزِ دروں کی غماز ہیں، جن کا ادراک محبّ کے لیے اس قدر محترم اور عزیز ہے کہ وہ اسے کسی صورت بھی حتیٰ کہ زندگی کی قیمت پر اپنے باطن سے جدا کرنا گوارا نہیں کرتا کیونکہ وہ جانتا ہے کہ یہی کسک اسے ہجر و فرقت کے لمحات میں، تصورات کے نہاں خانوں میں جمالِ محبوب کی نظارگی عطا کرتی ہے۔ ریاض حسین چودھری نے اپنی نعت نگاری میں اسی سوز دروں اور کسک لازوال کو پروان چڑھایا ہے اور اس امید کے ساتھ اپنا خون جگر اس کی نذر کیا ہے کہ یہی کسک ایک روز اس شفیع المذنبین کی کرم فرمائی کا باعث بنے گی، جس کے لطف و کرم کے تصور ہی سے تمناؤں کے غیر آباد جزیرے سامان زندگی پانے لگتے ہیں۔ اسی لیے ریاض اپنی مدحت نگاری میں کرم فرمائی حضورؐ کو اولیت دیتے ہیں، ملاحظہ کیجئے:

تو سب کے لیے عافیت کی نشانی، تو سب کے لیے ملکِ رحمت کا بانی
تو مجھ سے گنہگار کا بھی ہے سرور، سراجاً منیرا، سراجاً منیرا
درودوں کی رم جھم سے شاداب لمحے، ابلنے لگے ہیں محبت کے چشمے
تو جود و اخوت، عطا کا سمندر، سراجاً منیرا، سراجاً منیرا
تو ملک خدا کا ہے سلطان عالی، تو اسم شفا، تو یتیموں کا والی
ادھر بھی کرم کی نظر بندہ پرور، سراجاً منیرا، سراجاً منیرا

بقا کی، نہ عمرِ دوامی کی مانگی دعا جب بھی مانگی غلامی کی مانگی
نہ مانگے کبھی میں نے لعل و جواہر، سراجاً منیرا، سراجاً منیرا
ازل سے محبت کا تو استعارہ، ابد تک لٹی زندگی کا سہارا
غریبوں کی دنیا کا مہرِ منور، سراجاً منیرا، سراجاً منیرا
کراں تا کراں آگہی کا اجالا، زماں تا زماں روشنی کا اجالا
افق تا افق صبح روشن کا منظر، سراجاً منیرا، سراجاً منیرا

ریاض حسین چودھری اِس دور کے نمائندہ شاعر ہیں جو آلام روزگار کی شدتوں کا شکار ہے جو حقائق سے عاری اور سرابوں کا پجاری ہے۔ جو اسلام کی عظمتوں سے نا آشنا اور ایمان کی رفعتوں سے بے بہرہ ہے، جو اسلاف کی شوکتِ رفتہ کو قصہ پارینہ سمجھتا اور ہر باطل نظام کو اپنے دکھوں کا مداوا تصور کرنے کا عادی ہے۔ شاعر کو اس دورِ پُر آشوب کی فکری ناہمواریوں اور عملی کجروی کا شدت سے احساس ہے کہ اس مادی دور میں جب کہ تہذیب کی قدریں ہر آن تیزی سے بدلتی ہیں، انسان محض مشین بن کر رہ گیا ہے، ماضی سے بے گانہ، مصلحت کے طلسم میں گم، آج کا مسلمان اب اپنے نام کی لاج رکھنے سے بھی قاصر نظر آتا ہے۔

ریاض حسین چودھری عظمت اسلام سے بے بہرہ مسلمان کی کم نظری اور کوتاہیِ ذوق کو دیکھتے ہیں تو ان کا احساسِ دل تڑپ اٹھتا ہے۔ انہیں یہ احساس بے پناہ دکھ دیتا ہے کہ وہ قوم جو کبھی اقوام عالم کو دانش وحکمت کے اجالے عطا کیا کرتی تھی آج بھکاریوں کی طرح ظلمت کدوں سے روشنی مانگ رہی ہے۔ وہ قوم جو کبھی ستاروں پر کمندیں ڈالتی اور ارض و سماء کی بلندیوں کو پاؤں سے روندتی تھی، آج بے بسی و لاچاری کی تصویر بن کر اغیار کی دست نگر بن چکی ہے۔ ریاض ماجرائے الم بارگاہِ مصطفوی میں سنانے کو بے قرار ہیں۔ اپنی رسوایوں کی داستان سنانا چاہتے ہیں۔ مگر ندامت کا احساس غالب آجاتا ہے کہ

کہیں حضورؐ رحمت پناہِ عالم میرا نامۂ اعمال دیکھ کر منہ نہ پھیرلیں۔ آہستہ آہستہ یہ احساس جنم لیتا ہے کہ اپنا افسانۂ الم آقا و مولاﷺ کے سوا اور کس کو سنا سکتا ہوں۔ خدا کی رحمت کی بھیک مانگنی ہے تو شفاعتِ مصطفیٰؐ کے وسیلے سے ہی ملے گی۔ یہ سوچ کر ہمت بندھتی ہے کہ اچھا ہوں یا برا ہوں آخر کو آپؐ ہی کا امتی ہوں اور آپ ہی کا لطف و کرم امت کو طوفانِ الم کے منجدھار سے نکال کر ساحل بکنار کر سکتا ہے۔ انہی فرحت بخش جذبات کو سینے میں سمو کر ریاضؔ بصد عجز و احترام عرض گزار ہوتے ہیں۔

یا محمدؐ اجازت اگر ہو مجھے تو رقم میں کروں ظلم کی داستاں
چشمِ تر میں جو محفوظ ہیں اب تلک آنسوؤں کے وہ موتی گراتا چلوں
زخم اپنے دکھانے چلا ہوں مگر بوجھ اتنا ندامت کا ہے روح پر
بارگاہ نبیؐ میں پہنچ کر تو میں دونوں ہاتھوں سے منہ کو چھپاتا چلوں
ہر طرف خیمہ گاہوں میں آہ و فغاں، دشتِ غربت میں نوحہ کناں بیبیاں
تھام کر روضہ پاک کی جالیاں، میں کہانی دکھوں کی سناتا چلوں
یہ بھی کہتا چلوں سرورؐ دو جہاں، تری امت سر بزم ہے بے نشاں
آگ ہی آگ ہے اور تری بستیاں، راکھ کس کس کی جھک کر اٹھاتا چلوں
پھر گرفتِ قضا میں ہیں دانائیاں، چھین لے مجھ سے قدرت یہ بینائیاں
جس قدر بھی ہیں دامن میں رسوائیاں، سیلِ اشک رواں میں بہاتا چلوں
خوف کی رات میں جبر کے ہاتھ سے دامن جاں کی اڑنے لگیں دھجیاں
جب خبر سے تجھے یا نبی کس لیے زرد چہروں کے منظر دکھاتا چلوں

ریاض حسین چودھری الطافِ رسولؐ کی دھائی دیتے ہوئے جہاں افسانۂ الم سناتے ہیں، وہاں سزاوار رحمت بننے کا اظہار بھی کرتے ہیں اور اپنی تمام فکری توانائیاں مجتمع

کرتے ہوئے سسک پڑتے ہیں۔

آپ لطف و کرم یونہی فرمایئے، رحمتوں کو اشارا سا کر جایئے!
کس کی چوکھٹ کو تھامیں کدھر جائیں ہم اور بھی ہے کوئی آستاں یا نبی
امت ناتواں کو بھی خیبر شکن ساعتوں کی عطا کیجئے کنجیاں
ان دنوں میں مقفل نئے ولولوں آرزوؤں کے دونوں جہاں یا نبیؐ
ہے ریاضؔ اپنے گنبد کی ٹوٹی صدا، بے کفن مقتلوں کی سسکتی ہوا
یا محمد کرم، یامحمد کرم، ٹوٹ جائے، نہ سلکِ فغاں یا نبیؐ

دربارِ حضور سرورِ کائناتﷺ میں داغہائے الم نذر کرتے ہوئے ریاض حسین چودھری صرف اپنی ذات کو ہی حوصلہ نہیں دیتے بلکہ امت اسلام کی بیچارگی کوغم کائنات میں سموکر پیش کرتے ہیں اور یہ حقیقت ہے کہ جب تک شاعر اپنی ذات کے خول سے نکل کر اجتماعی آلام اور امت اسلام کو درپیش مصائب و مسائل کا ادراک نہیں کرتا، اس وقت تک اس کا پیمانۂ ظرف وسیع نہیں ہوسکتا۔ کسی بھی زبان میں اسی شاعرکو حیاتِ دوام حاصل ہوئی ہے جو آفاقیت کا نقیب اور بین الملی فکر کا علمبردار ہو جو اپنے وجود اور ذاتی انا سے بلند ہوکر زمانے بھر کی مشکلات کو بیان کرنے کا سلیقہ اور ظرف رکھتا ہو۔ ریاض نے جب بھی بارگاہ رسول میں عرض گزاری کو لب کھولے ہیں تو ملت کے حوالے سے ہی راہوارِ قلم کو آگے بڑھایا ہے اور اپنی ذات کو ملتِ مصطفویؐ میں ضم کرکے اپنے جذبات پیش کیے ہیں۔ انہوں نے اپنے علاقہ، ماحول اور مخصوص زمانی ومکانی فضاؤں سے پرواز کرتے ہوئے ہر اس دکھ اور کرب کی لہر کو محسوس کیا ہے، جس سے فرزندان اسلام دو چار ہیں۔ کشمیر کے بے بس و لاچار محکوموں کا ذکر ہو، یا فلسطین میں زندگی کا حق مانگنے والے مظلوم مسلمانوں کی داستانِ الم، اریٹرا کے مسلمان فرزندان آزادی کا جذبہ جرأت ہو، یا قبرص اور افغانستان میں اہل ایمان کی بے مثال جرأت وعزیمت وطن عزیز کی نظریاتی سرحدوں کو درپیش خطرات کا ذکر

ہو یا مسلمانوں کی مٹتی ہوئی تہذیبی اقدار کا نوحہ، ریاض حسین چودھری نے نہایت خلوصِ فکر، شعری ابلاغ اور روحانی درد و سوز کے ساتھ امت اسلام کی مظلومیت و بے چارگی کو اپنی نعتیہ شاعری کا خصوصی حوالہ بنایا ہے۔ اس ضمن میں چند اشعار پیش خدمت ہیں۔

تیری امت کے زخموں کی قندیل سے
وادیوں میں چراغاں ہوا یا نبیؐ
اک جمودِ مسلسل اذانوں میں ہے
رک نہ جائے یمِ ارتقا یا نبیؐ
جسم و جاں کی بکھر جائیں گی پتیاں
سر پہ ٹھہری ہے شامِ بلا یا نبیؐ
جبر کی قوتیں دندناتی پھریں
ظلم کی ہو گئی انتہا یا نبیؐ
صحنِ اقصیٰ سے کابل کی دہلیز تک
اک کہرام سا ہے بپا یا نبیؐ
آگہی کے صحیفوں کے اوراق کا
خون آلود ہے حاشیہ یا نبیؐ
ڈوبتی کشتیوں کو سہارا ملے
ناخدا بن رہی ہے ہوا یا نبیؐ

ان کی ایک طویل نعتیہ نظم ''نئے دن کا سورج'' سے ایک اقتباس ملاحظہ ہو۔

یا نبیؐ بے ردا جسم ہیں منتظر اب زمانے ہوئے

طاقِ نسیاں پہ رکھی پرانی کتابوں کو بوسیدہ

اوراق کی روشنی میں

عقیدتوں کی محراب جھکنے لگی ہے

ہمارا مقدر سیہ ساعتوں کی نحوست

بے جہت منزلوں کا سفر

روشنی بھی اندھیروں کی پازیب ہے

یا نبیؐ بے نوا باندیوں کے بدن وقت کے ناخنوں کی

خراشوں سے پہچان کی منزلوں کا نشاں بن گئے ہیں

حکم ان کو سنایا گیا ہے صلیب بدن پر یہی

زندگی اپنے اشکوں کی دہلیز پر آخری ہچکیوں

کی نمائش کرے

ایک صاحب ایمان کی طرح ریاض حسین چودھری کے دل و دماغ میں بھی ہر آن مدینہ منورہ کے جلوے بسے رہتے ہیں۔ ان کا تصور اسی شہرِ عظیم کی یادوں کے حسن سے آباد ہے۔ حضور ﷺ سے عقیدت کے سبب انہیں مدینہ منورہ انوار مصطفویؐ کا مظہر نظر آتا ہے، یہی وہ شہر ہے کہ جس کے کوچہ و بازار نے نبی کریم کے قدم چومے ہیں، یہاں کی زمین سرورِؐ لولاک کی راہ گزر بنی ہے۔ یہاں کے ذروں نے نجوم کہکشاں کے حسن کو مات دی ہے کہ یہ شہرِ سر بلند حضورؐ کا شہر ہے اور یہیں وہ گنبد خضریٰ ہے کہ جس کی ایک جھلک ہی دلوں کی دھڑکنیں تیز تر کر دیتی ہے۔ یہ وہی گنبد خضریٰ ہے کہ جس کی چھاؤں میں سلطانِ دو عالم آرام فرما رہے ہیں۔ اس شہر کی زیارت اور یہاں کے تاریخ ساز آثار کا نظارا ہر مسلمان کی اولین ترجیح ہے۔ ریاض حسین چودھری نے بھی اس وادی نور کے حسن کو

اپنی شاعری کا موضوع بنایا ہے اور اپنے اشعار میں اس شہر سے عقیدت کے ناطے سے نئے نئے مضامین پیدا کیے ہیں۔ مدینہ طیبہ کے حوالے سے ذکرِ محبوب کرتے ہوئے خود بھی لطف اٹھایا ہے اور اپنے نعتیہ کلام کے حوالے سے دوسروں کے ایمان کو بھی جلا بخشی ہے۔ مدینہ طیبہ کا ذکر کرتے ہوئے ان کی کیفیت دیدنی ہوتی ہے۔ کہیں ذکر تو مدینہ کا کرتے ہیں مگر اصل میں وہ والئیؐ مدینہ سے مخاطب نظر آتے ہیں، کہیں مدینہ کے ذراتِ خاک کا ذکر اس عقیدت سے کرتے ہیں کہ ہر ذرہ رشکِ نجوم فلک محسوس ہونے لگتا ہے۔ کہیں مدینہ کی وادیوں کا ذکر کرتے ہوئے اس درجہ مستغرق نظر آتے ہیں کہ یوں محسوس ہونے لگتا ہے جیسے یہ ان وادیوں کے انوار کو ایک پیکر نور میں ڈھلتے ہوئے دیکھ رہے ہوں۔ ذکر مدینہ کرتے ہوئے ان کے اشعار میں ہجر و فرقت کا انداز بھی جھلکتا ہے اور سرخوشی و سرشاری کی کیفیت بھی جلوہ گر نظر آتی ہے۔ آرزوؤں کی خامکاری بھی نظر آتی ہے اور جذبات کی آسودگی بھی۔ حسرت عرض تمنا کا گماں بھی ہوتا ہے اور امیدوں کی بارات بھی سجی نظر آتی ہے۔ شہر مدینہ کے حوالے سے موضوعات کی یہ رنگا رنگی کسی فکری تضاد کے سبب نہیں ہے بلکہ شاعر مختلف کیفیات کے حوالے سے اس شہر کا تذکرہ کرتے ہوئے اپنے ذوق وشوق کی تسکین کا سامان ڈھونڈ رہا ہوتا ہے کہ

بات چل نکلی ہے اب دیکھیں کہاں تک پہنچے

ریاضؔ کی جذباتی کشاکش کے اظہار کے لیے چند اشعار نذر قارئین ہیں:

مضافاتِ مدینہ کے میں سب آثار کو چوموں
نگاہوں سے کروں سجدے درو دیوار کو چوموں

لپٹ جاتے ہیں جو ہر زائرِ طیبہ کے قدموں سے
میں ان ذروں کو، ان رستوں کو، ان اشجار کو چوموں

سجی رہتی ہیں جس میں گنبدِ خضریٰ کی تصویریں

نہ کیوں میں جھوم کر اس دیدۂ بیدار کو چوموں
چلی ہے بن کے جوگن تو مرے آقا کی گلیوں میں
صبا تیری بلائیں لوں، تری رفتار کو چوموں
ہوا مٹھی میں بھر لائی ہے کنکر ان کی چوکھٹ کے
زرِ خاص دیارِ احمدؐ مختار کو چوموں
کہاں فرصت میسر ہے مجھے پلکیں جھپکنے کے
حریم چشمِ تر میں جھومتے انوار کو چوموں
دیارِ حسن عقیدت کا تذکرہ کیجئے
صبائے شہر مدینہ چلے خدا کے لیے
میں رہ گزارِ تمنا میں کس طرف دیکھوں
بجز دیار نبی موجۂ ہوا کے لیے

....

سجا کر اس کو پلکوں پر کروں گا رقص گلیوں میں
صبا لائی مدینے سے حضوری کا اگر نامہ
قدم اٹھیں کے جب شہرِ محمدؐ کی طرف میرے
قلم بند اپنے اشکوں سے کروں گا میں سفر نامہ

....

لبریز خوشبوؤں سے مناظر حجاز کے
آنکھوں کے سامنے سے گزرتے ہیں آج بھی

اس شہر دل پذیر کی گلیوں کے ذکر سے
پلکوں پہ آئینے سے چمکتے ہیں آج بھی
پہروں وہ بیٹھنا درِ اقدس کے آس پاس
پیشِ نگاہ چاند سے چہرے ہیں آج بھی
وہ بابِ جبرائیل، وہ مینار، وہ ستون
چشمِ تصورات میں بستے ہیں آج بھی

اور پھر وہ ساعتیں بھی آگئیں کہ ریاض کو دیارِ رسولؐ کی حاضری نصیب ہوگئی۔ ایک محبّ کو جب دیارِ محبوبؐ کی دید نصیب ہوجائے تو پھر اس کی وارفتگی دیدنی ہوتی ہے۔ ریاضؔ نے مدتوں سے شہرِ حضورؐ کو دل و جاں میں بسا رکھا تھا۔ تصور میں اس کی نظارگی کو اپنا معمول بنا رکھا تھا۔ اب وہی تصورات حقائق کا روپ دھار چکے تھے۔ تمنائیں باریاب ہورہی تھیں۔ آرزوؤں کو اذنِ وجود مل رہا تھا۔ تخیلات کے گھروندے تجلیات سراپا ہورہے تھے۔ خواہشات کو مقبولیت سے ہمکنار کیا جارہا تھا، مرادیں مستجاب ہورہی تھیں۔ وہ جلوہ گاہ نور سامنے تھی، جس کی ایک جھلک کے لیے دعائیں کیا کرتے تھے۔ اب ایک جھلک کی کیا بات تھی۔ گنبدِ خضریٰ اپنی تمام تر طلعتوں کو بانٹتا ہوا زائرین سے خراج عجز و نیاز وصول کررہا تھا یہ قدموں کی لرزیدگی اور جذبات کی بالیدگی کا وقت تھا۔ دامان پھیلے ہوئے تھے، ہر گاہ اہل نظر نے حاصل مراد کے لیے ہاتھ پھیلا رکھے تھے۔ ایسے میں ریاضؔ بھی ثنا گوئی کی سوغات لیے آگے بڑھے ہوں گے اور پھر ایسا وقت بھی آیا ہوگا کہ تکلم نے ساتھ چھوڑ دیا ہوگا اور کیا بعید ہے کہ اس عالمِ سرخوشی و مدہوشی میں ان کی بے زبانی ہی زبان بن گئی ہوگی اور آنکھوں سے پھوٹتے ہوئے آنسوؤں کے جھرنوں نے تکلم کا حق ادا کردیا ہو..... حق تو یہ ہے کہ یہ وقت ثنا گوئی کے اکمال سے ہمکنار ہونے کا وقت ہوگا جبھی تو ریاضؔ کی نعتیں اس ہنگامِ شوق میں حسن عقیدت کے جواہر لٹاتی نظر آتی ہیں۔ اس ضمن میں چند کیفیات

ملاحظہ ہوں:

اک کیف ہے عجیب سا میری دعاؤں میں
لرزش سی پا رہا ہوں میں اپنی نواؤں میں
سرکار کی نوازش پیہم ہے ساتھ ساتھ
تنہا نہیں ہوں شہر نبیؐ کی ہواؤں میں
جیسے قدم زمیں پہ پڑتے نہیں مرے
جیسے میں اڑ رہا ہوں ازل سے خلاؤں میں
رحمت کے بٹ رہے ہیں کٹورے قدم قدم
شامل ہوں آج میں بھی نبیؐ کے گداؤں میں
پھر اٹھ سکوں نہ شہرِ پیمبرؐ کی خاک سے
کانٹا چبھے خدا کرے وہ میرے پاؤں میں
اب حشر تک ریاضؔ تمازت کا ڈر نہیں
بیٹھا ہوا ہوں گنبد خضریٰ کی چھاؤں میں

.....

نظریں طوافِ گنبد خضریٰ میں محو ہیں
سجدے میں اپنے سر کو جھکانے کا وقت ہے
پلکوں پہ بے شمار ستارے چمک اٹھے
کرنوں کے آج رقص میں آنے کا وقت ہے

پھر مل سکے نہ مل سکے یہ ساعت سعید
بگڑے ہوئے نصیب بنانے کا وقت ہے

....

وہ روزِ عید اور حضوری کی ساعتیں
میری جبیں پہ جرم و ندامت کی دھول تھی
لیکن ریاضؔ میرا مقدر تو دیکھنا
لوٹا تو سر پہ شفقتِ دستِ رسولؐ تھی

ریاضؔ دربار رسولﷺ میں حاضر تو ہوجاتے ہیں مگر جب عرض گزاری کا وقت آتا ہے تو لفظ دم توڑنے لگتے ہیں۔نطق کو عجز کا احساس ہونے لگتا ہے جب تک حاضری نصیب نہیں ہوتی تھی اس وقت تک دل میں تمناؤں کا جہاں آباد تھا کہ حاضری کے وقت بہت کچھ عرض کریں گے، ذاتی فسانۂ الم، امت کا اجتماعی درد، اپنی مجبوریوں کی داستانِ غم لیکن اب جب کہ حاضری نصیب ہوچکی تھی تو کہنے کا یارانہیں رہتا۔ یہ احساس ہوتے ہی کہ محبوبِ خدا وملائکہ کے حضور کھڑے ہیں اور یہ مطلوب ومقصودِ کائنات کی بارگاہ ہے۔عرض مدعا کا حوصلہ نہیں رہتا،سوچتے ہیں کہ یہ تو وہ بارگاہ اقدس ہے کہ جہاں جنیدؒ و بایزیدؒ بھی نفس گم کردہ آتے ہیں جہاں ادب و احترام کی تمام رفعتیں خود دست بستہ نظر آتی ہیں۔حضور نبی کریمﷺ کی عظمتوں اور اپنی خطاؤں کا خیال آتا ہے تو کانپ کانپ جاتے ہیں کہ کس منہ سے حضورؐ کا سامنا کریں۔اپنے دامن کی طرف نگاہ دوڑاتے ہیں تو بے بضاعتگی ڈرانے لگتی ہے کہ دربار رسولؐ میں آتو گیا ہوں مگر ارمغانِ نیاز پر کیا پیش کروں۔جب مایوسیاں احاطہ کرنے لگتی ہیں تو حضورؐ رحمت للعالمین کی رحمتِ بے کراں اور لطف بے کنار کے سہارے آنسوؤں کی امنڈتی ہوئی برسات میں عرض گزار ہوتے ہیں۔ دربارِ حضورؐ میں ریاض حسین چودھری کی عرض گزاری کا انداز نہایت منفرد اور اچھوتا ہے۔ ریاض کے

عرضِ مدعا پر نظر ڈالیں تو ہمیں بے اختیار انے دامان اعمال کی طرف نگاہ اٹھانے کی ترغیب ہوتی ہے کہ ریاضؔ جو کچھ کہہ رہے ہیں، وہ فقط ان کا اظہار ندامت اوراظہار پشیمانی ہی نہیں ہے بلکہ ہم سب نے بھی محبتِ رسولؐ کے عملی تقاضوں کو پسِ پشت ڈال کر دلوں میں منافقت کے کتنے ہی اصنام سجا رکھے ہیں۔ اس حاضری میں ریاض جو کچھ کہتے ہیں وہ بظاہران کا ذاتی اظہارِ عجز ہے مگر اس حوالے سے ہم سب بھی اپنے دلوں کے آئینہ خانوں میں جھانک سکتے ہیں:

حضورؐ! حاضر ہے اک مجرم، حضورؐ اس کو معاف کردیں
اور اس کے کشکول آرزو کو کرم کے سکوں سے آج بھر دیں
یہ ہجرتوں کے اگاکے موسم حضور لایا ہے کشت غم میں
یہ عافیت کی تلاش میں ہے، اسے مدینہ میں ایک گھر دیں

....

حضورؐ آقا یہ آپ کی جالیوں سے نظریں چرا رہا ہے
گنہ کا احساس اس قدر ہے یہ خوف سے تھرتھرا رہا ہے
زباں پہ تالے پڑے ہوئے ہیں، قدم بھی اٹھتے نہیں ہیں اس کے
ستوں کے پیچھے یہ سب سے چھپ کے حضورؐ آنسو بہا رہا ہے

....

سجا کے لایا ہے طشتِ جاں میں ثنا کی کلیاں قبول کیجئے
اور اس کے ہاتھوں سے آنسوؤں کے گلاب تازہ وصول کیجئے
یہ لوح دل پہ بنا رہا ہے در محبت کے عکس آقا
یہ سر جھکائے کھڑا ہے کب سے، اسے بھی قدموں کی دھول کیجئے

اسی طرح ایک اور مقام پر شرحِ حال کرتے ہوئے کہتے ہیں:

حضورؐ لغزشِ پا کا جواز کیا ڈھونڈوں
متاعِ فکر و نظر کی حضورؐ! ناقدری
جہانِ دانش و افکار پر مسلط ہے
ردائے گرد و غبار و نفاق کا موسم
قفس میں موسمِ دار و رسن کی آمد ہے
اُگی ہوئی ہے صلیبوں کی فصل چہروں پر
بنا رہا تھا میں کاغذ کی کشتیاں کب سے
یہ جان کر بھی کہ موجوں سے مجھ کو لڑنا ہے
کٹی کٹی ہیں ہوائے نفس کی زنجیریں
بجھی بجھی ہے دریچوں میں چاندنی آقاؐ
لٹی لٹی ہے مساوات و عدل کی مسند
حضورؐ آپ کے نقشِ قدم کی بھیک ملے
شجر کی شاخِ بریدہ پہ کوئی پھول کھلے

اور جب مدینہ منورہ سے واپسی کا وقت آتا ہے تو ریاض کو یوں محسوس ہوتا ہے جیسے متاعِ زیست لٹنے والی ہو، آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑیاں لگ جاتی ہیں کہ عمر بھر دعائیں کر کے تو یہاں پہنچے تھے۔ اب معلوم نہیں کہ پھر کب یہاں آنا نصیب ہو۔ بڑے والہانہ انداز میں مکینِ گنبدِ خضریٰ کا تصور کرتے ہیں اور سبز گنبد سے پھوٹنے والے انوار کو اپنے دامن پر سجائے ہوئے اپنا سلام وداع نذر کرتے ہیں۔ ڈبڈباتی آنکھوں سے

پھوٹنے والے آنسوؤں کے آبگینوں میں اس شہرِ نور کا حسن عکس ریز کرتے ہیں۔ الوداعی سلام پیش کرتے ہوئے دوبارہ حاضری کی استدعا کرنا نہیں بھولتے اور عرض کرتے ہیں:

الوداع اے سیدیؐ یا مرشدیؐ
الوداع اے رحمتوں والے نبیؐ
الوداع امی لقب اعلیٰ نسب
الوداع اے روشنی اے اروشنی
الوداع اے خواجہ کون و مکاں
الوداع اے جانِ جانانِ جہاں
چھوڑنا چوکھٹ کو مشکل ہے حضورؐ
اٹھ کے جاؤں بھی تو اب جاؤں کہاں
پھر حصارِ ہجر میں کھو جاؤں گا
دامنِ تقدیر میں سو جاؤں گا
پھر اجالوں سے نکل کر یا نبیؐ
میں اندھیروں کا ہدف ہو جاؤں گا
دست بستہ عرض کرتا ہوں حضورؐ
حکم ہے تو پھر چلا جاتا ہوں دور
التجا ہے اے غلاموں کے بھرم
زندگی میں پھر بھی پھیرا ہو ضرور

نعت کی بنیادی خصوصیت حضور سرورِ کائناتﷺ کا ذکر پاک ہے۔ یہ ذکر اس

قدر جاں نواز اور مہکبار ہے کہ قلب و جاں کو فرحت حاصل ہونے لگتی ہے۔ یہ ذکر پاک عبادت بھی ہے اور شان سخنوری کا اظہار بھی۔ اسی ذکر پاک کی بدولت شاعر رحمتِ خداوندی و مصطفیٰ ﷺ کا حقدار بھی قرار پاتے ہیں اور اہل علم و دانش کی صفوں میں یادگار مقام کا مستحق بھی ٹھہرتے ہیں۔ ریاض حسین چودھری نے ذکر حضور ﷺ کرتے وقت شکوہ فکر وفن کے تمام لوازم کو استعمال کیا ہے اور شعری جمال آفرینیوں، قلبی لطافتوں اور روحانی وابستگیوں کا تمام حسن ذکر حضور میں سمونے کی کوشش کی ہے۔ ریاض سمجھتے ہیں کہ ذکر رسول ﷺ اس قدر بلند و ارفع و اعلیٰ ہے کہ مدحت نگار اپنے ادراک و وجدان کی تمام تر رفعتیں اس ذکر پاک کی نذر کرنے کے باوجود بھی حق ادا کرنا تو کجا اس کی بلندیوں کی جانب نگاہ بھر کر بھی نہیں دیکھ سکتا اور انسان کج مج بیان کی مجال بھی کیا ہے کہ ممدوحِ خدا و ملائکہ کے ذکر پاک کے حق کی ادائیگی کا خیال بھی ذہن میں لا سکے۔

ریاضؔ کو بھی اپنی پر سوز فکر کی کوتاہ پروازی اور حضور محمد مصطفیٰ ﷺ کی شان لولاک لما کی بلندیوں کا بخوبی احساس ہے۔ ریاضؔ تو ذکر حضورؐ کے بہانے محبوبؐ خدا کے چاہنے والوں کی فہرست میں کہ جس میں ازل سے ابد تک کے مدحت نگار شامل ہیں، فقط اپنا نام لکھوانے کے متمنی ہیں۔

حضور پاک ﷺ کا ذکر مقدس ریاض حسین چودھری کے لیے عین عبادت ہے۔ یوں تو تمام نعتیہ شاعری ذکرِ رسولؐ ہی ہے لیکن جب بالخصوص حضور ﷺ کا اسم گرامی آتا ہے یا آپؐ کی دلآویز حسین یادوں کی بات چلتی ہے تو ریاضؔ کی نوکِ قلم سے خوشبو پھوٹتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔ حضورؐ کی یادیں، حضورؐ کی باتیں، حضورؐ کا تصور، حضورؐ کا تخیل، بس یہی ریاض کی کائنات ہے اور ریاض اپنی اس سدا بہار کائنات میں سرشار و مگن ہیں۔ ذکرِ رسول کریمؐ کے حوالے سے چند خوبصورت اشعار اہلِ نظر کے ذوقِ طبع کی تسکین کے لیے پیش کیے جارہے ہیں:

پُر افشاں ہے مرا قلبِ تپیدہ
رقم کرتا ہوں اشکوں کا قصیدہ
وہی ہے سانس کی ڈوری کا بندھن
وہی اوراقِ ہستی کا جریدہ
خلاصہ ہے کتابِ ارتقاء کا
محمدؐ کل جہانوں کا عقیدہ
وہ سردارِ گروہِ پاک بازاں
وہ عنوانِ حروفِ سر کشیدہ
خدا کے بعد مخلوقِ خدا میں
یتیمِ آمنہؓ ہے برگزیدہ

....

اٹھے ہیں ہاتھ مرے اے خدا دعا کے لیے
مچل رہے ہیں مرے لفظ بھی صدا کے لیے
قبائے شعر سمیٹے گی پھول مدحت کے
جمالِ حرفِ سخن ہے فقط ثنا کے لیے
میں اپنے ظرف سے بڑھ کر طلب نہیں کرتا
کوئی چراغ جلے شہرِ بے ضیا کے لیے
وہ چاکِ فقر رفو جس نے آدمی کا کیا
وہ چاکِ فقر عطا ہو مری قبا کے لیے

جبینِ شوق میں کب سے ریاضؔ سجدوں کو
چھپا رکھا ہے عقیدت نے نقشِ پا کے لیے

زمین و آسماں کا بے نتیجہ تھا سفر نامہ
شراکت سے تری تکمیل کو پہنچا بشر نامہ
ترے آنے سے پہلے روشنی تھی کب چراغوں میں
اندھیروں کے تصرف میں افق کا تھا نظر نامہ
تجھے تورات میں، انجیل میں، قرآن میں دیکھا
تجھے ہر اک صحیفے کا نہ کیوں لکھوں میں سَر نامہ

ذکرِ حضور ﷺ کے حوالے سے ریاض حسین چودھری عجز و انکسار، فروتنی و خاکساری دکھاتے دکھاتے جب اس احساس سے ہمکنار ہوتے ہیں کہ ذکر رسول ﷺ بخشش ونجات کا وسیلہ بھی ہے تو یکا یک ان کی آنکھوں میں بالیدگی اور جذبات میں رخشندگی آ جاتی ہے، مایوسیوں کی گھٹائیں چھٹنے لگتی ہیں اور امیدوں کا چراغ سر افقِ تمنا اپنی لازوال تب و تاب اجاگر کرنے لگتا ہے۔ اس امید و رجائیت کے پس منظر میں عقیدتِ رسولؐ جو رنگ لاتی ہے اس کی جھلک ملاحظہ ہو:

یہ محشر ہے درودِ پاک کی چھاؤں میں بیٹھا ہوں
مرے اعمال نامے میں بھی ہے رشکِ گہر نامہ
ندائے یارسولؐ اللہ کا جھومر جب ہے ماتھے پر
فروزاں پھر نہ کیوں ہوگا سر شمس و قمر نامہ

زیارت جاگتی آنکھوں سے ہوگی یہ یقیں رکھنا
ریاضؔ امشب بھی لکھ رکھے ابھی سے چشمِ تر نامہ

مدحت محبوبِ خدا علیہ التحیۃ والثناء کے حوالے سے کوئی تشبیہہ استعارہ یا مثال ڈھونڈنے لگیں تو ایک ایسے گلشن بے خزاں کا تصور ذہن میں ابھرتا ہے جس کے پھول، غنچے، کلیاں، پتیاں، پنکھڑیاں سب کے سب اصحاب یقین کے مشام جان کو اپنی مہکاریوں سے نواز رہے ہیں۔ جسے دیکھتے ہیں مدحتِ رسولؐ کی خوشبو عام کرنے کے لیے دوسروں پر بازی لے جانے کی کوششوں میں مصروف نظر آتا ہے۔ادیبوں کو یہ ضد ہے کہ وہ ایسی بیمثال نعتیہ نثر تخلیق کریں، جونظم سے کہیں زیادہ موثر اور پرسوز ہو۔ شعرا کی کوشش ہے کہ ان کا نذرانۂ مدحت نہ صرف اس دور کے لیے بلکہ مستقبل کے لیے بھی قابلِ رشک نمونہ ہو۔ سحر بیان خطیبوں نے اپنے اعجازِ نطق سے یہ باور کرانے کا تہیہ کر رکھا ہے کہ صفت و ثنائے حضور ﷺ میں ان کا ثانی کوئی نہیں۔ ہر طرف، ہر جگہ، ہر ساعت، ہر آن مدحتِ مصطفیٰ ﷺ کی ہی دھوم مچی نظر آتی ہے۔

اس پر تقدیس ہنگامِ شوق میں ایک جانب ریاض حسین چودھری بھی اپنے آقا و مولاؐ کی مدحت و ستائش کا علم بلند کیے چل رہے ہیں۔ ان کے لیے یہ احساس ہی نہایت فرحت بخش ہے کہ مدحتِ سرورِ کونین ﷺ کے چراغ جلاتے ہوئے وہ حسانؓ بن ثابت، کعبؓ بن زہیر، امام بوصیریؒ اور رومیؒ و جامیؒ کے کاروانِ ثنائے حضور ﷺ میں شمولیت کی سند حاصل کر چکے ہیں۔ مدحت و ستائش مصطفیٰ ﷺ کے نذرانۂ شوق کو قبول کرنے والی ہستی لفظوں کا شکوہ نہیں دیکھتی بلکہ وہ تو دلوں میں جھانک کر اس جذبے اور خلوص کو دیکھتی ہے جس کی اساس پر بے جان الفاظ حسنِ دوام حاصل کرنے والے شعروں کا روپ دھار رہے ہوتے ہیں۔ ریاض حسین چودھری محبوبِ خدا کی ثنا کرنے لگتے ہیں تو ان کا دل اس فخر سے سرشار ہو جاتا ہے کہ انہیں مدحتِ رسولؐ کی نعمتِ بے بہا حاصل ہوتی ہے اور وہ رب العزت کا شکر ادا کرتے نہیں تھکتے کہ انہیں نعتِ مصطفیٰؐ کی صورت میں وظیفہ کامرانی

عطا ہوا ہے۔اپنی نعت نگاری کا ذکر کرتے ہوئے ریاض حسین چودھری کس طور مسرور و شادمان ہیں، ملاحظہ کیجئے:

شہرِ ثنا میں پھول سجانے لگی ہوا
آنے لگی حروف کی چلمن سے بھی ضیا
نعتِ نبیؐ کی مجھ کو سنائی گئی نوید
پھولوں سے بھر گئی مرے افکار کی ردا
صدیاں سمٹ کر نوکِ قلم میں سما گئیں
اللہ کا شکر نطق و بیان نے کیا ادا
آنکھوں نے ان کے نقشِ قدم کو کیا سلام
ہونٹوں نے چوم چوم لیا نامِ مصطفیؐ
منصب مجھے ملا ہے ثنائے رسول کا
لمحہ گرفت میں ہے ابھی تک نزول کا

اس کڑی دھوپ میں مَیں تیرے نام کی سبز چھاؤں کو پرچم بناتا چلوں
یانبیؐ یہ سفر میرا جاری رہے، طشت عرض ہنر کا سجاتا چلوں
شاخ در شاخ پھر پھول مرجھا گئے، عکسِ نامہرباں سب کے لہرا گئے
میں ریاض آج بھی صحنِ جذبات میں جوت نعتِ نبی کی جگاتا چلوں

....

گلہائے نعت روح میں مہکے ہیں آج بھی
لب پر درودِ پاک کے نغمے ہیں آج بھی

کاغذ یہ آنسوؤں کی ہے جھالر سجی ہوئی
ہاتھوں میں آرزو کے صحیفے ہیں آج بھی
دل سے لکھی ہیں مصحفِ جاں پر عبارتیں
نامے درِ رسولؐ پہ بھیجے ہیں آج بھی

بفیض نعت ہے رشکِ بہاراں
کوئی دیکھے مرا رنگ پریدہ
مجھے یہ حکم ہے میرے خدا کا
لکھوں نعتیں بہ کلکِ آبدیدہ

....

فن کا کاسہ لیے آیا ہوں سوامی آقاؐ!
اب تو مشکور ہو لفظوں کی سلامی آقاؐ!
میرے اشعار کے خوش رنگ پرندوں کو عطا
نعت کے صدقے میں ہو عمرِ دوامی آقاؐ!
اپنی اوقات سے بڑھ جاتا ہے اکثر شاعر
یہ کہاں اور کہاں مسلکِ جامی آقاؐ!

....

سر برہنہ تھا میں آپؐ ہی نے مجھے تاج اپنی ثنا کا کیا ہے عطا
آپؐ کی رحمتوں کا بھی روزِ جزا میرے سر پر رہے سائباں یا نبیؐ

آپ کے ذکرِ اطہر کی خوشبو لیے لب پہ جذبات کرنیں سجانے لگے
رفتہ رفتہ چراغوں میں جلتا رہا آنسوؤں، ہچکیوں کا دھواں یا نبیؐ

ریاض حسین چودھری جدید دور کے جدید لہجہ کے شاعر ہیں، ان کی شاعری جدتِ اسلوب وفن کی عکاسی کرتی ہے۔ جدید تراکیب، تشبیہات اور استعارات ان کی نعتیہ شاعری میں بدرجہ اتم نظر آتے ہیں۔ مگر اسکا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ان کی مدحت نگاری جدیدیت کے طوفان میں بہہ کر شعری جمال اور حسنِ تغزل سے تہی دامن ہوجاتی ہے بلکہ ان کی جدتِ طبع، ندرتِ فکر سے کام لے کر عصرِ حاضر کے ادبی وشعری محاسن کا تمام تر حسن سمیٹ کر مدحتِ مصطفیٰ ﷺ کے اسلوب کی نذر کردیتی ہے۔ ان کے ہاں جدیدیت ہے مگر انتہائے عقیدت و احترام کے ساتھ، دورِ حاضرہ کے جدید اسالیب کی پیروی ہے مگر نعتِ رسولؐ کے حقیقی تقدس اور پاکیزگی کے ساتھ، جدید تر اصطلاحات وتراکیب کا استعمال ہے مگر محبتِ رسول ﷺ کے شعری ابلاغ کی خاطر موجودہ دور صحیح معنوں میں نعت کا دور ہے کہ اس دور میں وہ حضرات بھی نعت لکھنے پر مجبور ہوگئے ہیں جو نعت کے حقیقی تقدس سے فرسنگوں پرے ہونے کے باوجود محض اظہارِ فن شاعری کے لیے نعت کہہ رہے ہیں۔ اسے بھی ان کی مجبوری ہی سمجھ لیجئے کہ ان کے حاصلِ کلام پر اگر نعت کا عنواں نہ سجا ہو تو نعت اور غزل کا امتیاز کرنا محال ہی نہیں بلکہ ناممکن ہوجائے۔ اس نام نہاد دورِجدیدیت میں ریاض حسین چودھری کی حیثیت ایک ایسی شمع روشن کی ہے، جو جدتِ فکر اور کمالِ عقیدت و احترام کے امتزاج سے مدحت حضورؐ کی دلوں میں اتر جانے والی تابشیں بخش رہی ہے۔ انہوں نے عصر حاضر کی جملہ شعری و ادبی روایات کو سرکارِ دو عالم ﷺ کی دہلیز پر ڈھیر کردیا ہے کہ:

''حضورؐ یہ درود بھی آپ ہی کے حوالے سے زندگی اور رخشندگی چاہتا ہے۔''

ریاض نے ہمیشہ آپؐ ہی کی ذات کو اپنا پہلا اور آخری حوالہ سمجھا ہے اور آپ ہی کی نسبت اور عقیدت کے سہارے اپنا تشخص ڈھونڈنے کی کوشش کی ہے۔ اس ضمن میں

ان کے بلند آہنگ لہجے کی چند مثالیں پیشِ خدمت ہیں:

برہنہ سرکھڑا ہوں کربلائے عصر میں آقاؐ
مجھے نعلین کی اترن ملے دربار عالی سے
ہر اک لمحے کے سینے میں رہے اسمِ نبیؐ روشن
مکمل ہو تشخص میرا بھی طیبہ کے والی سے
درِ اقدس سے رکھنا رابطہ ہر آن تم ورنہ
منافق ساعتیں پیکر تراشیں گی خیالی سے

....

مجھے کبھی بھی اندھیروں سے ڈر نہیں لگتا
سحر ازل سے رقم ہے مری کتابوں میں
غبارِ شہرِ نبی طاقِ جاں میں ہے روشن
چراغ لوگ جلاتے پھریں سرابوں میں

....

حضورؐ! کب عام ہوگی خوشبو حروفِ ایمان و آگہی کی
فصیلِ شہرِ غبارِ حیرت میں سوچتا ہوں گرے گی کب تک
ہوس کے ہاتھوں میں آدمیت سسک رہی ہے حضورؐ کب سے
اداس چہروں پہ زبردستی عذاب نامے لکھے گی کب تک

....

لازم ہے جو ثنائے حبیبؐ خدا کرے
اقلیمِ جان و دل کو غبارِ حرا کرے

خوشبو قلم کو تھام کے محوِ خرام ہو
جذباتِ دل نواز کا گلشن کھلا کرے

بادِ خزاں کو حقِ تصرف نہ ہو حضور
ہر رنگِ نو بہار کو بے ذائقہ کرے

آقاؐ نفاذِ جبرِ مسلسل کا شور ہے
کب تک کوئی فریب کے ہاتھوں لٹا کرے

مولا، ہے زر خدائی کے منصب پہ جلوہ گر
اب اک غریبِ شہر کرے بھی تو کیا کرے

کہنا صبا سے لے کے اجازت حضورؐ کی
پھر شہرِ بے مثال کا دروازہ وا کرے

ریاض حسین چودھری نے عشق وعقیدتِ رسولؐ کے سہارے منزلِ ایمان و یقین کی جانب جس سفر کا آغاز کیا تھا وہ ابھی جاری ہے۔ ان کی مؤثر، پرسوز اور نورِ عقیدت سے جگمگاتی ہوئی نعتیں پڑھ کر بے اختیار احساس ہوتا ہے کہ ہر آنے والا دن اس مسافرِ پُر شوق کے قدموں کی رفتار کو پہلے سے کہیں زیادہ متوازن اور تیز کر رہا ہے۔ حضورؐ کے دامانِ اقدس سے وابستگی ان کے لیے وجہ صد افتخار ہے۔ اسی عجز آمیز افتخار کی چاندنی ان کے نعتیہ کلام میں کہکشاں زار بن کر چمک رہی ہے۔ اس چاندنی کا نگہِ باطن سے مشاہدہ کریں تو اس کی ایک ایک کرن لازوال تابشوں کی امین نظر آتی ہے اور کیوں نہ ہو کہ نعت اس صاحبِ یٰسین و طٰہٰ کا منظوم تذکرہ ہے جس کے رخِ انور کی نورانی ڈھلک سے مہر و ماہ

ہی نہیں جگمگاتے بلکہ احساسات کی تاریک و غیر آباد وادیاں بھی زندگی کا جمال پانے لگتی ہیں۔

ہماری دعا ہے کہ ریاض حسین چودھری اپنے جذبۂ عشق رسولﷺ کو متاعِ زیست سمجھتے ہوئے اسی انداز سے خوبصورت، دلآویز اور پر تاثیر نعتیں پیش کرتے رہیں۔ ایسی نعتیں جو صرف ان ہی کے لیے سرمایۂ اعزاز نہ ہوں بلکہ ان کی قرأت اہل نظر کے ذوقِ سماعت کا وقار اور ذہن وفکر کا نکھار ثابت ہو۔ مدحتِ مصطفیٰﷺ کے نام پر ان کے فنی ارتقاء کا سفر بھی جاری رہے اور مستقبل کی ہر ساعت انہیں جذبۂ عشقِ حضورﷺ کے صلہ میں جاودانی تب و تاب سے آشنا کرتی رہے۔ آمین

حفیظ تائب

۱۶اپریل ۱۹۹۵ء

پیشوائی

پیکرِ جمالیاتِ فن اور جدت و شائستگی کا معیار

''زرِمعتبر'' ریاض حسین چودھری کی دس برس پہلے تک کی نعتوں کا مجموعہ ہے اور اس میں شاعر نے اُس دورِ زندگی کی نمائندگی کرنے کی کوشش کی ہے، جب وہ ابھی دربارِ مصطفوی میں حاضری سے مشرّف نہیں ہوا تھا۔ یہ الگ بات کہ اُس کا یہ کلام بھی ایک بھرپور حضوری کا آئینہ دار ہے۔

ریاض حسین چودھری کی نعت میں اس قدر تسلسل، ایسی گہری وابستگی، اتنی تازگی وشگفتگی اور اس درجہ وسعت و ندرت ہے کہ اس کی خوبیوں کا احاطہ کرنا بہت مشکل ہے ۔ پھر اس کتاب میں شاعر کا اپنا مقدمہ ''تحدیثِ نعمت'' ایسا نثری شہپارہ ہے، جس میں نعت اور اس کتاب کی نعت کے بارے میں ایسا جامع، بلیغ اور دلکش محاکمہ پیش کیا گیا ہے، جو کسی اور کے کچھ کہنے کے لیے بہت کم گنجائش چھوڑتا ہے۔ پھر بھی اس شاہکارِ عقیدت کی پیشوائی کے لیے حاضر ہوں کہ یہ ایک طرف تو ریاض حسین چودھری کی محبتوں کا تقاضا ہے تو دوسری طرف اُس کی کچھ اور تحریریں راستہ دکھانے کے لیے موجود ہیں۔ ''گلِ چیدہ'' میں شاعر نے اپنی ذات اور اپنے عہد کی شناخت کو اپنا نظریۂ نعت قرار دیا تو نعت کے امکانات و مقاصد میں ذہنوں کی تطہیر کے منصب، مسلمانانِ عالم کے اتحاد کی بنیاد، دہر میں اسمِ محمد ﷺ سے اُجالا کرنے کے شعور، ملی تشخص کو اُجاگر کرنے کے فریضہ کو شامل کیا ہے۔

مجلّہ ''اوج'' کے نعت نمبر میں ڈاکٹر آفتاب احمد نقوی کے سوال آپ نعت گوئی کی طرف کیسے مائل ہوئے بنیادی محرکات کیا تھے......؟ کے جواب میں ریاض حسین چودھری نے لکھا ہے: ''یوں لگتا ہے، جیسے ازل سے میری رُوح حصارِ عشقِ محمد ﷺ میں پناہ گزیں ہے۔ ازل سے اُنہی قدوم مبارک میں جبینِ نیاز سربسجود ہے، شعور کی آنکھ کھولی تو گھر میں اللہ اور اس کے حبیب ﷺ کے ذکرِ اطہر سے فضا کو معمور پایا۔ میں شعوری طور پر نعت کی طرف نہیں آیا، اس لیے بنیادی محرکات کی توجیہ کرنے سے قاصر ہوں۔'' اُس کی یہ صورتِ حال مجھے میرے حالات سے بالکل مماثل لگی ہے اور مجھے مولوی غلام رسول قلعہ میہاں سنگھ والوں کا یہ شعر یاد دلا گئی ہے۔

خدا جانے جدوں کی جائیاں میں
مرے بابل ترے لڑ لائیاں میں

''تحدیثِ نعمت'' میں ریاض حسین چودھری نے یہ خبر بھی دی ہے کہ اس صحیفہ نعت میں شامل تقریباً سبھی نعتیں مواجہ شریف میں کھڑے ہو کر سردارِ کائنات کی خدمتِ اقدس میں پیش کرنے کی لازوال سعادت حاصل ہوئی''

یہ نصیب اللہ اکبر............

''زرِ معتبر'' میں نعتیہ شاعری کو آزاد اور پابند نظموں کے وسیع امکانات کے ذریعے، نئے آفاق دکھائے گئے ہیں تو غزلیہ انداز کی نعتوں کو جدید تر اسالیب سے ہم آہنگ کر کے نیا وقار عطا کیا گیا ہے۔ غزل پاروں (قطعات) میں ذاتی کیفیات کا اظہار، بطورِ خاص، نہایت عمدگی سے ہوا ہے۔ آزاد اور پابند نظموں میں جہاں سیرت کے بیکراں مضامین کا احاطہ کیا گیا ہے، وہاں ان کا ہر ہر مصرع اور ہر ہر سطر پیرایۂ غزل لیے ہوئے ہے۔ نعتیہ غزلیں شاعر کی جولانی طبع کی بدولت ایک طرف قصیدہ بنتی نظر آتی ہیں تو دوسری

طرف اُن میں نظم کا تسلسل در آیا ہے۔ نو بہ نو ردیفیں اور زمینیں اس پہ مستزاد ہیں۔ جذبات وشعریت کا وفور اور گہرا عصری شعور ہر صنف کو آگے ہی آگے بڑھاتا نظر آتا ہے۔ ورق ورق پر شاعر کی آرزوؤں کی ایک دُنیا آباد ہے۔ لیکن اُس کی کوئی آرزو مادی نہیں...... وہ آرزو مند ہے کہ اُس کے نطق کی ابابیلیں اسمِ محمد ﷺ کے پھول برسائیں اور دیارِ غزل کی گلیوں میں ثنائے احمد مرسل کی دلکشی اُترے...... وہ ذاتی وملی آشوب کے حوالے سے عرض گزار ہے: اِس برس میرے آنگن میں اتنے پھول کھلیں کہ میں ہر شخص کا دامانِ آرزُو بھر سکوں اور

ہوا کے دوش پہ رکھ کر چراغ مدحت کے
دلوں کی اونگھتی گلیوں میں روشنی کردوں

وہ مدحتِ سرکار ﷺ کے لیے اس اہتمام والتزام کا طالب ہے:

دھنک سات رنگوں کی رم جھم اُٹھائے
مرے دامنِ شعر میں جھلملائے

اور اُس کی توقعات کچھ یوں ہیں۔

ورق کو ذوقِ جمال دے گا قلم کو حُسنِ مقال دے گا
اُسی کا ذکرِ جمیل شہر غزل کی گلیاں اجال دے گا
حدود طائف میں زخم کھا کر دعا کے سکے لٹانے والا
بریدہ جسموں پہ سبز چادر عطا وبخشش کی ڈال دے گا

شاعر حضورؐ کی ذاتِ اقدس کے حوالے سے اپنی اور اپنے بے چہرہ تمدن کی پہچان کی تمنا رکھتا ہے۔ اُسے غزل کے اور اپنے بختِ رسا پر بھی ناز ہے، وہ اپنے تشخص کو کوئی اہمیت نہیں دیتا اور اگر اُس نے اپنی ذات کا تشخص چاہا بھی ہے تو یہ کہہ کر بات ختم کر دی ہے کہ

ترا حوالہ ہی سب سے بڑا حوالہ ہے

ریاض کی کائناتِ نعت میں گھر اور وطن کا استعارہ ایک جاندار اور توانا اکائی کے طور پر استعمال ہوا ہے، شاعر تاجدارِ کائنات کی بارگاہ میں پہنچتا ہے تو اپنے بچوں، گھر کی کنیزوں اور وطن کی ہواؤں کا سلام بھی حضور ﷺ کی خدمتِ اقدس میں پیش کرتا ہے اور عرض گزارتا ہے کہ آقا ﷺ میرے گھر کے بچے دونوں ہاتھ اُٹھا کر سلام کہتے تھے، حضور ﷺ گھر کی سبھی کنزیں دست بستہ کھڑی تھیں۔ شاعر وطنِ عزیز کے مشرقی بازو کے کٹنے کا المیہ بھی رحمتِ عالم کے حضور پیش کر کے شق القمر کی مقدس حقیقت کا انجام پھر سے دیکھنا چاہتا ہے۔ شاعر خاکِ وطن کے آنسو بھی طشتِ ہنر میں سجا کر حضور ﷺ کے قدموں میں رکھنے کی سعادت حاصل کرتا ہے۔

غلامانِ محمد کا حصارِ آہنی ہے یہ
وطن کے واسطے جتنی بھی ممکن ہو دعا لکھنا
جھوم کے اٹھے گھٹا ارضِ محمدؐ سے ریاض
شہرِ اقبال کی مٹی کا مقدر جاگے
میرے بچوں کو وراثت میں ملے حبِ رسولؐ
یہ اثاثہ بعد میرے بھی تو گھر میں چاہیے

ریاض کی نعت میں استغاثے کاانداز نمایاں ہے۔ وہ اپنے انفرادی اور اجتماعی دکھ حضور ﷺ کی عدالتِ عظمیٰ میں پیش کر کے نظرِ کرم کا ملتجی ہے، آج اُمتِ مسلمہ ان گنت مسائل کا شکار ہے اور بیشمار مصائب میں مبتلا ہے اور کوئی اس کا پرسانِ حال نہیں۔ ریاض کی نعت کا اساسی رویہ بھی اسی ملی کرب اور تڑپ سے ابلاغ پاتا ہے۔ اس کی آنکھ ملتِ اسلامیہ کی زبوں حالی پر خون کے آنسو روتی ہے اور وہ اپنے آقاؐ کے حضور اتنا ہی کہہ پاتا ہے کہ یارسول اللہ غلام زادوں پر بڑا بھاری وقت ہے۔ اس کی آواز رندھ جاتی ہے۔

قبائے امتِ مسلم سے خون ٹپکتا ہے

ریاض نے ہر قدم پر احساسِ غلام کو زندہ رکھا ہے، اس کا شعور غلامی عقیدت کے انہی گہرے پانیوں میں ڈوبا ہوا ہے۔

زنجیر سرہانے رکھ کر میں اسی سوچ میں ڈوبا رہتا ہوں
جب شہرِ مدینہ آئے گا دیوانے کا عالم کیا ہو گا

ریاض کی نعتیہ شاعری میں مدینے سے دور رہ کر بھی حضوری کی کیفیتوں کی سرشاری ملتی ہے اسی کیفیت کے زیرِاثر اس کا وجدان پکار اُٹھتا ہے:

جب میں پہنچوں گا مدینے کے گلی کوچوں میں
ایک عالم مرا پہلے سے شناسا ہو گا

بلندی کی طرف پرواز کر جائے مری مٹی
مجھے تو فطرتاً بھی ہے سرِ ریگِ رواں رہنا

رستہ کسی سے پوچھنا توہین ہے مری
ہر رہگذار شہر پیمبرؐ کو جائے ہے

آدمی تھک ہار کر اُنؐ کو پکارے گا ریاضؔ
اُنؐ کے دامانِ کرم کی انتہا بھی دیکھنا

میں اجالوں کا مسافر ہوں کہاں جاؤں حضورؐ
ہر طرف دیوارِ شب ہے راستہ کوئی نہیں

''زرِمعتبر'' جدید اردو نعت کا ایک معتبر حوالہ ہے، ریاض نے نظم معریٰ میں بھی اچھے خاصے تجربے کئے ہیں اور جدید نعت کے اساسی رویوں کی بنیاد رکھی ہے کومٹ منٹ، یکتا و تنہا، وژن، نئے دن کا سورج، حصارِ گنبدِ ہجر کی پہلی صدا اور دوسری نظموں کو اپنے اس دعویٰ کی دلیل کے طور پر پیش کرتا ہوں۔

ریاض حسین چودھری نے نعت میں ایک عجیب و غریب پیرائے کی طرح ڈالی ہے کہ مدح کی سرسبز وادیوں میں گھومتے ہوئے اُس کا دھیان عصری آشوب کی طرف مبذول ہو جاتا ہے۔ اس مرحلے میں وہ حضرت رحمۃ للعالمین ﷺ سے اذنِ گزارش طلب کرتا ہے۔ نفسیاتی اعتبار سے اس عمل میں شاعر کی طبیعت کا بوجھ ہلکا ہو جاتا ہے، جبکہ اس کا اصل مقصود طلبِ رحمت ہوتا ہے۔ ایک نعتیہ غزل میں مختلف مراحل کی صورتیں یوں بیان ہوئیں ہیں۔

اُسی کا چہرہ نظر نظر ہے، اُسی کا جلوہ سحر سحر ہے
کتابِ دل کے ورق ورق پر اُسی کی سیرت لکھی ہوئی ہے

طلوعِ مہر حرا سے ٹوٹا حصارِ شب کا نظامِ باطل
تمدنوں کی جبیں کی کالک اُسی کے قدموں کو ڈھونڈتی ہے
حضورؐ! اپنے غلام زادوں کو اذن بخشیں گزارشوں کا
فصیلِ شہرِ دُعا پہ میری صدا بھی آ کر ٹھہر گئی ہے
مرے وطن کی گلاب گلیوں میں رنگ و بو کے کھلیں دریچے
سیاہ برگِ خزاں اِدھر بھی اُدھر بھی ڈیرے جما رہی ہے

اسی انداز کی کئی نعتوں میں عصری مسائل کا اظہار بہت تفصیل کے ساتھ ہوا ہے۔ ایک نعت کے چند اشعار دیکھیے ؎

اس کڑی دھوپ میں مَیں ترےؐ نام کی سبز چھاؤں کو پرچم بناتا چلوں
یا نبیؐ! یہ سفر میرا جاری رہے طشت عرضِ ہنر کا سجاتا چلوں
یا محمدؐ! اجازت اگر ہو مجھے تو رقم: میں کروں ظلم کی داستاں
چشمِ تر میں جو محفوظ ہیں اب تلک آنسوؤں کے وہ موتی گراتا چلوں
زخم اپنے دکھاتا چلا ہوں مگر بوجھ اتنا ندامت کا ہے روح پر
بارگاہِ نبیؐ میں پہنچ کر تو میں دونوں ہاتھوں سے منہ کو چھپاتا چلوں
یہ بھی کہتا چلوں سرورِ دو جہاں تیری امت سرِ بزم ہے بے نشاں
آگ ہی آگ ہے اور تری بستیاں راکھ کس کس کی جھک کر اٹھاتا چلوں

ایسے گمبھیر حالات اور بے ثمر موسموں میں رسالت مآب ﷺ کا ذکر وفکر شاعر کو شاداب فضا مہیا کر کے غموں سے بے نیاز کر دیتا ہے۔

اِک اُنؐ کے ذکر سے ہے گلستاں میں دلکشی
ورنہ یہ عہد پھول کو پتھر بنائے ہے
موسم کے بانجھ پن سے ہے وہ شخص بے نیاز
جو کشتِ جاں میں فصلِ محبت اُگائے ہے

شاعر کا ایمان ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کی ثنا ہی اُس کے نطق ونوا کے سارے قفل کھولتی ہے۔ آپ ﷺ کا اسم مبارک دعاؤں کے طاقچوں کو ہمیشہ روشن رکھتا ہے اور آپ ﷺ ہی کی ذاتِ بابرکات ہر عہد کے انسان کو تشخص عطا کرتی ہے۔

مرے نطق کے قفل کھولے ہیں تو نے، مجھے اذن اپنی ثنا کا دیا ہے
مرے زنگ آلود افکار لے کر، مجھے تو نے ہی حرفِ تازہ دیا ہے
ترا نام طاقِ دعا میں ہے روشن، ازل سے ابد تک یہ روشن رہے گا
کہ تو نے رُسولِ خداؐ ہر صدی، ہر زمانے کے انسان کو چہرہ دیا ہے

حاضری وحضوری کی تڑپ (جسے میں حضوری ہی کی صورتیں قرار دیتا ہوں) ریاض حسین چودھری کی نعت کا ایک اہم مضمون ہے جسے شاعر کی جدت پسند طبیعت نے جُداگانہ کیف واثر بخشا ہے۔

ریاض حسین چودھری نے سید المرسلین ﷺ کی ازل سے ابد تک پھیلی ہوئی بیکراں برکتوں اور لازوال رحمتوں کو کئی رنگوں میں موضوعِ سخن بنایا ہے۔ وہ آپ ﷺ کی

سیرتِ اطہر کی بوقلمونی اور آفاق گیری کو سر نامۂ بہار اور منبعِ ہر روشنی قرار دیتا ہے۔ اُس نے زندگی کی اعلیٰ اقدار اور کائناتِ رنگ و بو کے جمال و کمال کو آپ ﷺ ہی کے قدموں سے فیضیاب ہوتے محسوس کیا۔ اُس نے سیّدِ کونین ﷺ کو صرف عظیم انسان ہی نہیں، ضمیرِ قرآن کہا ہے۔ گویا آپ ﷺ ابد تک کے لیے رہنما ہیں۔

ریاض حسین چودھری کی نعت کے تمام استعاروں کا خمیر دین و آئینِ رسالت کے ساتھ ساتھ، عہدِ جدید کے معتبر حوالوں سے اُٹھا ہے اور ان میں تقدس بھی ہے اور تازہ کاری بھی، اُس کا اسلوب اردو شاعری کی تمام تر جمالیات سے مستنیر ہے اور اسے جدت و شائستگی کا معیار قرار دیا جاسکتا ہے۔ یوں ''زرِ معتبر'' اردو نعت کی روایت میں ایسا عہدآفریں اضافہ ہے، جسے کبھی فراموش نہیں کیا جاسکے گا۔

ڈاکٹر شبیر احمد قادری۔ فیصل آباد

مدحت 2018ء

''تمنائے حضوری'' اور ریاض حسین چودھری

Abstract: Riaz Husain Chodhary was a well-karwan personality of Urdu na't. His services for literature are unfogetable. In this artical those factor have been discussed with influenced the thoughts of poet to complete a long natia poem named Tamanna'y-e-Huzoori. The essayist has introdused selctive auspects of said book in this artical.

''تمنائے حضوری'' (۱) ریاض حسین چودھری کی نعتیہ نظم ہے، جس کے بارے میں شاعر کا دعویٰ ہے کہ یہ بیسویں صدی کی آخری طویل نعتیہ نظم ہے، اس کی اس اساس درج ذیل مصرع پر رکھی گئی ہے:

مجھ کو ہونا ہی اگر تھا تو میرے رب کریم

بندوں کا آغاز اسی مصرعے سے ہوتا ہے۔ اس میں شاعر اپنے ''ہونے'' اور اس ہونے کے مقاصد کی اہمیت کو کئی زاویوں سے نمایاں کرتا ہے۔ اگر کا لفظ خصوصیت کا حامل ہے، نظم دائرہ در دائرہ آگے بڑھتی، قوس کو قوس سے ملاتی اور قاری پر زبان و بیان کے نغمیں اثرات مرتب کیے چلی جاتی ہے، روانی، سلاست شاعر کی برسوں کی محنت کا ثمِ شیریں ہے، آج کے ادیب سے یہ تقاضا بالکل بجا ہے کہ یہ کچھ لکھا جائے اس کا حال اور مستقبل کے ساتھ گہرا ربط ہو اور آنے والے دنوں میں قارئین کا رہنمائی کا فریضہ اس عمدہ انداز سے شامل کیا جائے کہ وہ اپنے داخل اور باہر کے اندھیروں سے نجات پا کر

روشن وادیوں کا پراطمینان مسافر بن جائے۔

ریاض احمد چودھری کمال استعدادِ علمی کے حامل اور صاف ضمیر تھے، وہ اس امر کے بارے میں فکر مند رہے تھے کہ مسلمان کس طرح حبِ دنیائے دوں کے حصار بے دیوا سے نکل کر اوامرِ الٰہی کی بجا آوری اور پیغامِ مصطفیٰ کی ترسیل و اشاعت کے لیے اہتمام کریں۔

''تمنائے حضوری'' کی ترتیب و تشکیل کے اساسی محرکات کیا تھے؟ موجِ نسیم کے کیسے پرسرور لمحے تھے کہ اس کے اول اشعار لوحِ ذہن پر مرتسم ہوئے، خیر خواہیِ خلق کا کون سا دل پذیر لمحہ تھا کہ وہ اپنے ساتھ دوسروں کو بھی شامل حال کرنے پر آمادہ ہوئے، لطفِ رؤف مطلق دستگیر ہوا اور تخلیقی نظم کے آثار ہویدا ہو گے۔

ریاض حسین چودھری لکھتے ہیں:

''رمضان المبارک ۱۴۱۹ھ کا آغاز ہو چکا تھا، یہ جنوری 1999ء کی 5 تاریخ تھی، جمعۃ الوداع اور ۲۶ رمضان المبارک، اس شب لیلۃ القدر تھی، ایک روحانی رتجگا دل و جاں پر محیط تھا۔ میں اپنی رہائش گاہ (ٹاؤن شپ لاہور) سے بذریعہ ویگن ماڈل ٹاؤن واقع تحریک منہاج القرآن کے مرکزی سیکرٹریٹ کی طرف آ رہا تھا، سفر کے دوران ایک قطعہ ہوا، دفتر تک پہنچتے پہنچتے کئی مصرعے قرطاس ذہن پر نقش ہو چکے تھے، یہ چھٹی کا دن تھا، ڈاکٹر فریدالدین ریسرچ انسٹی ٹیوٹ بند تھا، میں نے اندر سے چٹخنی چڑھا لی اور اپنے کیبن میں آ گیا، قریۂ شعور میں احساسات کے قافلے اتر رہے تھے۔

دست بوسی کبھی مجھ کو نہ فرصت ملتی
شہر سرکار کے بچوں کا کھلونا ہوتا

ان دو مصرعوں نے مجھے اندر سے ریزہ ریزہ کر دیا میں دیر تک دھاڑیں مار مار کر روتا رہا، یہاں خدا کے سوا مجھے دیکھنے والا کوئی نہ تھا۔ حضورﷺ کے عہد مبارک میں ہونے

کی آرزو لفظوں کے پیرہن میں ڈھل گئی، حضوری کی مختلف کیفیات ذہن میں مرتب ہونے لگیں، الفاظ باوضو ہوکر دست بستہ سوچ کی راہداریوں میں کھڑے تھے اور پھر چند روز میں 150 قطعات پر مشتمل طویل نظم ''تمنائے حضوری'' حیطہ ادراک سے حیطہ شعور میں آ چکی تھی۔ (۲)

سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے ریاض چودھری لکھتے ہیں:

سکون اور اطمینان کا دریا میرے چاروں طرف موجزن تھا، عشق مصطفیٰ ﷺ کے پانیوں میں تر اپنے ہونٹوں کو چوم رہا تھا، وہ ہونٹ جنہوں نے مجھے فکر و نظر کے شادات موسموں اور مخمور ساتھیوں کے گداز جاں سے ہمکنار کیا ہے، حضوری کی یہ کیفیات مختلف اوقات میں، مختلف انداز میں دیدہ و دل کو منور کرتی رہی ہیں، یہی کیفیات سرمایۂ حیات اور زادِ سفر ہیں کہ ان کیفیات کا ایک ایک لمحہ ذکر رسول ﷺ کی سرشاریوں کا آئینہ دار رہا ہے۔ (۳)

محمد اقبال جاوید نے اس قابل قدر نظم کے لیے جن تحسین کلمات کا چناؤ کیا وہ ان کی واردات قلبی کا آئینہ دار ہیں:

''ریاض حسین چودھری کی عہد رسالت مآب ﷺ کی شاداب نظم ساعتوں، اس دور کے درخشندہ راستوں اور اس زمانے کی پرنور فضاؤں میں جذب ہوکر اُن قدومِ میمنت لزوم کو چومنا چاہتے ہیں، جن کے فیض سے عرب کی ریت کو ریشم کا لوچ عطا ہوا تھا، وہ اس نظم میں حضوری ﷺ کے وجود بے سایہ کے اس خرام ناز کا، سائے کی طرح تعاقب کر رہے ہیں جس سے راستے جھوم جھوم اٹھتے تھے۔ وہ سانسوں کی اس مہک سے مشام جاں معطر کرنا چاہتے ہیں جس کی بدولت عرب کا ریگستان ساری دنیا کو نکہتیں بانٹتا چلا جاتا رہا ہے، حرا کے ذروں میں تحلیل ہونے کی تمنا قلم قلم اور حرف حرف لو دے رہی ہے، فکری گداز، فنی پختگی سے ہم آہنگ ہے اور مقصود تحریر، محبت ہے، اس ذاتِ اقدس کی جو فی الحقیقت خلاصۂ کائنات ہے اور جس کا اسوہ فی الواقع سرمایہ نجات ہے۔''(۴)

دیگر شعرا کے مانند ریاض حسین چودھری نعت کو سچا تخلیقی ادب سمجھتے ہیں، جس سے انخلائے جذبات کے ساتھ ساتھ اصلاح احوال کی مختلف صورتیں سامنے آتی ہیں، وہ شعر کی صورت عہد رسالت مآب سے متعلق مسلمہ حقائق و واقعات اور تعلیمات کو منظوم کرنے کی تمنا رکھتے ہیں،مغرب اور دیگر ممالک ہیں عصر حاضر ہیں یہ خیال فروغ پا رہا ہے کہ ادب میں منفی انسانی افعال و اعمال کو بھی اسی شدو مد سے پیش کیا جاسکتا ہے۔ اڈورنو نے تو اس حقیقت سے صاف انکار کردیا ہے کہ ادب کا تعلق سچائیوں سے ہے ہی نہیں، رائے ان کی یہ ہے کہ سچائی کے بغیر بھی ادب، ادب ہی کہلائے گا بلکہ وہ زیادہ ادبیت کا حامل ہوگا، تھیوڈ وراڈونو کی Theodor Adono کی کتاب ''کرٹیکل تھیوری'' کے مطابق ادب حقیقی دنیا کے منفی علم سے عبارت ہے یہ بحث وہاب اشرفی کی کتاب مارکس فلسفہ ''اشتراکیت اور اردو ادب'' میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔مسلم ادب میں قرآن حکیم کے وہ الفاظ جن کے مطابق اور جس کو حکمت ملی اسے حقیقت میں بڑی دولت مل گئی۔(۵)

ریاض حسین چودھری اس طویل نظم میں اپنے ہونے کو مثالی ہونے کی خواہش کے تابع لانے کے دعا گو ہیں اور اپنی نسبت ان نیک طینت اور اعلیٰ مدارج کے حامل اشخاص سے جوڑنا پسند کرتے ہیں، جن کے نام تاریخ اسلام کے روشن باب کا درجہ رکھتے ہیں، یہ مصرعے ملاحظہ ہوں:

ابو لہب کی میں وہ اک لونڈی ثوبیہ ہوتا (ص۲۴)
میں حلیمہ کے مقدر کا ستارا ہوتا (ص۲۴)
حرفِ نوفل کی صداقت کا میں ہوتا شاید (ص۲۹)
اور خیالات و مناجات بحیرا ہوتا (ص۲۹)
جس پہ سوئے تھے علی، میں وہی بستر ہوتا (ص۳۴)
ثور کے غارِ مقدس کی میں مکڑی ہوتا (ص۳۵)
میں وہ صدیق وفادار کی ایڑی ہوتا (ص۳۵)

ام معبد کے پڑاؤ پہ بھی چھایا ہوتا (ص۳۶)
میں ابوبکر کے سائے کا بھی سایہ ہوتا
حضرت حمزہ کے جذبات کی گرمی ہوتا (ص۴۱)
میں کہ عثمان کی دولت کا وہ سکہ ہوتا (ص۴۱)
میں ابوبکر کے گھر کا وہ اثاثہ ہوتا (ص۴۳)
میں ابوذر کے تفکر کا سویرا ہوتا (ص۴۴)
عشق فاروقِ معظم کا میں چہرہ ہوتا (ص۴۵)
میں کہ حسنین کے قدمین کا دھوون ہوتا (ص۵۷)
معبدِ عشق اویسی کی میں مشعل ہوتا (ص۵۷)

''تمنائے حضوری'' میں شاعر ماقبل ناعتین جیسا اخلاص اپنی تحریروں میں دیکھنا چاہتے ہیں جس سے ان کے فن کی اساس اور پختہ اور محکم ہوجائے۔ ان کے اشعار کو وہ اپنا پیغام محبت سے تعبیر کرتے ہیں، کلک جامی، نعت سعدی وبصیری کے اثرات سے اپنے فن کو اور چمکانا چاہتے ہیں، کتاب یہ اظہار فی الاصل ماقبل شعرا کو خراج عقیدت اور حرف تحسین پیش کا ایک نادر وسیلہ بھی ہے نمونہ ملاحظہ ہو:

مجھ کو ہونا ہی اگر تھا تو مرے رب کریم
ان کے پیغام محبت کا میں داعی ہوتا
کلکِ جامی سے مجھے عشق کی ملتی دولت
نعتِ سعدی کی میں دلکش سی رباعی ہوتا
(ص۸۲)

مجھ کو ہونا ہی اگر تھا تو میرے ربِ کریم
لفظ بن کر میں بصیری کا قصیدہ ہوتا

کلکِ حسّان کی رعنائی کا پیکر ہوتا
اعلیٰ حضرت کا میں پُر جوش عقیدہ ہوتا

(ص۸۷)

مجھ کو ہونا ہی اگر تھا تو مرے رب کریم
میں بھی افکارِ جلیلہ کا تجمل ہوتا
خاکِ طیبہ و نجف کو میں بناتا سرمہ
اُن کے اقبال کی پروازِ تخیل ہوتا

(ص۹۵)

یہ دعا ہے، خواہش ہے، تمنا ہے اور لگن ہے جن کی اساس حب رسول پر رکھی گئی ہے۔ سراج احمد قادری نے ریاض حسین چودھری کی اس کاوش کو سراہتے ہوئے لکھا ہے:

''ریاض حسین چودھری نے نعت کو قدیم روایت سے نکال کر جدید رنگ و آہنگ، لفظ و معانی اور فکر سے ہمکنار کیا، ان کی طبیعت میں بلا کی جدت تھی، نعت میں نئے نئے گوشوں کو تلاش میں وہ ہمہ وقت محوِ فکر و نظر رہتے تھے۔''

خورشید احمد گیلانی کے مطابق:

''تمنائے حضوری'' ایک جرعۂ سلسبیل ہے جس کا رنگ اور ذائقہ منفرد اور جس کی خوشبو اور مٹھاس جداگانہ ہے، یہ ایک تجلی نور ہے جو بہت دور تک زندگی اور روشنی کو ہم آغوش کیے رکھتی ہے اور یہ وہ آرزو ہے جو زندگی کو تقدس اور جواز فراہم کرتی ہے۔ (۶)

حوالہ جات

ا۔ ''تمنائے حضوری'' 2000ء میں کنٹراسٹ پرنٹر اینڈ پبلشرز لاہور کے زیر اہتمام شائع ہوئی، چھیانوے صفحات کو محیط پروفیسر محمد اقبال جاوید اور صاحبزادہ خورشید احمد گیلانی کی وقیع آراء شامل ہیں، شاعر نے طویل پیش لفظ میں اس نظم کی تخلیق کے جانفزا اور روح

پرور لمحات کے ذیل میں قارئین کو اعتماد میں لیا ہے۔

ممدوح رب ارض و سماواتﷺ کی بارگاہ بے کس پناہ میں حاضری کی تڑپ اور حضوری کی متاع آرزو غلامانِ رسول ہاشمیﷺ کے دلوں کی ہر دھڑکن کا منتہائے عزیز ہے، گنبد خضرا کی ٹھنڈی میٹھی چھاؤں میں جبینِ شوق کے سجدوں کی بیتابی گدا ز جاں کے لمس لطیف سے ہمکنار ہورہی ہے، طائران تخلیل کی پرواز کی ابتدا بھی تاجدار کائناتﷺ کو چوکھٹ کی خاک انور ہے اور ان کی انتہا بھی غبارِ درِ حضورﷺ کی تجلیات سے مستنیر ہے۔ کانات رنگ و بو کے ذرے ذرے میں خالق کائنات کے اس شاہکار عظیم کی محبت کے چراغ روشن ہیں کہ سرابِ نظر کی ہلکی سی دھندکا پرتو بھی تو اقلیم خیال پیغمبر آخرﷺ کی فصیلوں پر نہیں پڑا، یہی محبت، عقیدت کے پیرہن میں سجتی ہے تو کارکنان قضا و قدر اسے محبوبیت کی خلعتِ فاخرہ سے بھی نوازتے ہیں اور اس کے دامن آرزو میں لطف و عطا کی کرنوں کے پھولوں سے سرمدی رتجگوں کا اہتمام بھی کرتے ہیں، اس لیے شمع رسالت کے پروانے، شہر نبی کی گلیوں کے دیوانے درِ اقدس کی حاضری کو اپنی زندگی کے سفر کی معراج سے تعبیر کرتے ہوئے اپنی غلامی کے نیاز مندانہ حوالے کو بجا طور پر اعتبار و اعتماد کی اسناد جلیلہ کا سزاوار گردانتے ہیں۔'تمنائے حضوری، ص ۷'

۲۔ ریاض حسین چودھری پیش لفظ (لمحات حاضری کی تمنا لیے ہوئے) ''تمنائے حضوری، ص۱۴۔۱۳

۳۔ ریاض حسین ''تمنائے حضوری''، ص۱۴۔۱۳

۴۔ محمد اقبال جاوید، فلیپ، تمنائے حضوری،

۵۔ البقرہ:۲٦

٦۔ سراج احمد قادری، اداریہ: دبستان نعت، شمارہ نمبر۲، جنوری تا دسمبر 2017ء، ص۲۵

صاحبزادہ خورشید احمد گیلانی

ریاض حسین چودھری

کی بیسویں صدی کی آخری طویل نعت ''تمنّائے حضوری''

زندگی دراصل۔۔۔آرزو۔۔اور موت۔۔۔مرگِ آرزو۔۔۔کا نام ہے۔آرزو کے بغیر زندگی ایک تہمت ہے، جیسے روشنی کے بغیر سورج مٹی کا ایک تودا اور جسم روح کے بغیر ایک جنازہ۔گرمیٔ حیات کا سارا دارو مدار آرزو پر ہے، یہ نہ رہے تو زندگی اور راکھ کے ڈھیر میں کوئی فرق نہیں رہتا، آرزو انسان کے ذہن کو توانائی،فکر کو ہدف اور عمل کو مہمیز دیتی ہے لیکن آرزو کی بھی کئی قسمیں ہیں: زر و مال کی آرزو، جاہ و منصب کی آرزو اور غلبہ و اقتدار کی آرزو، مگر مسئلہ یہ ہے کہ زر و مال کی آرزو غالب آجائے تو انسانیت کا قحط اور دیانت کا کال پڑ جاتا ہے۔ جاہ و منصب کی آرزو حد سے بڑھ جائے تو علم و ادب کا جنازہ اٹھ جاتا ہے اور غلبہ و اقتدار کی آرزو بے کنار ہونے لگے تو انسانی شرف و وقار ختم ہوجاتا ہے۔

خوش نصیب ہیں وہ لوگ جن کی آرزو زندہ بھی ہے اور پاکیزہ بھی، زر ان کی نظر میں معتبر نہیں، جاہ کو پرِ کاہ سمجھتے ہیں اور غلبہ ان کا مسئلہ نہیں، وہ میر و وزیر نہیں، دل میں سلطنتِ عشق کے فقیر اور رازِ الفت کے سفیر بننے کی آرزو پالتے ہیں، محترم ریاض حسین چودھری انہی بیدار بخت لوگوں میں شمار ہوتے ہیں جن کی آرزو بڑی مختصر مگر بہت ہی معتبر ہے۔آرزو تو ایک ہے البتہ اس کے اظہار کے پیرائے متعدد اور اسالیب متنوع ہیں۔

چودھری صاحب برسوں سے نعت کہہ رہے ہیں بلکہ جہانِ نعت میں جی اور فضائے نعت میں سانس لے رہے ہیں۔ ان کا قلم کسی بادشاہ کے قصیدے اور کسی رہنما کے سہرے سے آلودہ نہیں ہوا۔ جب زبان کھلی، نعت کی کلی چٹکی اور جب قلم اٹھا نعت کا منظر ابھرا۔ بیسویں صدی کی آخری طویل نعت ''تمنّائے حضوری'' ایک آرزو ہے جو لہجہ بدل بدل

کر سامنے آتی ہے کہ شاید اللہ تعالیٰ کو یہ اندازِ طلب پسند آجائے، فقیر طالب تو ایک ٹکڑے کا ہوتا ہے مگر مانگتا وہ الگ طریقے سے ہے کہ شاید سخی کو کوئی قرینۂ التجا بھا جائے۔ ''تمنائے حضوری'' کا مرکزی موضوع درِ رسالت کی بازیابی، بارگاہِ نبوت کی حاضری اور حضورﷺ کی غلامی ہے۔ ہر بند کا پہلا مصرعہ ہے:

مجھ کو ہونا ہی اگر تھا تو مرے ربِ کریم

تو کیا ہونا چاہیے تھا؟ اگلے تینوں مصرعے پلٹ پلٹ کر ایک ہی آرزو کے مظاہر ہیں، کبھی کہتے ہیں:

میری فریاد مری نعت کا بنتی پیکر
دشتِ طیبہ کا میں اک آہوئے بسمل ہوتا

کبھی یوں قلم مچلتا ہے:

کلکِ جامی سے مجھے عشق کی ملتی دولت
نعتِ سعدی کی میں دلکش سی رباعی ہوتا

کبھی اس طرح صدا لگاتے ہیں۔

یا چمن زارِ ثناء خوانی کی ہوتا شبنم
یا چراغِ شبِ تذکارِ مدینہ ہوتا

اور کبھی یہ انداز طلب اپناتے ہیں۔

انؐ کے قدموں سے لپٹ جاتا بوقتِ ہجرت
ریگِ صحرا کا چمکتا ہوا ذرّہ ہوتا

''تمنائے حضوری'' ایک جرعۂ سلسبیل ہے جس کا رنگ اور ذائقہ منفرد اور جس کی خوشبو اور مٹھاس جداگانہ ہے۔ یہ ایک تجلیٔ نور ہے جو بہت دور تک زندگی اور روشنی کو ہم آغوش کیے رکھتی ہے اور یہ وہ آرزو ہے جو زندگی کو تقدس اور جواز فراہم کرتی ہے۔

آسی ضیائی

لاہور: ۲۳ مارچ ۲۰۰۱

متاعِ قلم

شاعر سے اللہ تعالیٰ کی محبت کا ظہور

اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری اور محبوب ترین نبیؐ کو ہدایت فرمائی ہے کہ جو لوگ بھی اللہ سے محبت کرنے کا دعویٰ کرتے ہیں انہیں صاف صاف بتا دیں کہ اللہ کی محبت کا دعویٰ اُسی وقت معتبر مانا جائے گا جب وہ لوگ اللہ کے محبوب نبیؐ کی پیروی کریں گے اور اس کا نتیجہ یہ بھی ہوگا کہ ایسے لوگوں سے خود اللہ بھی محبت فرمائے گا۔

اس مختصر اور بلیغ فرمان سے پہلی بات تو یہ معلوم ہوئی کہ نبی مکرمؐ کے وسیلے کے بغیر اللہ سے محبت بے معنیٰ ہے۔ محبت وہی سچی اور حقیقی ہے جو اُس کے نمائندے کی معرفت کی جائے۔ دوسری بات یہ کہ خود اللہ تعالیٰ اپنے بھیجے ہوئے نمائندےؐ سے بے حد محبت رکھتا ہے، یہاں تک کہ اس کے متبعین سے بھی محبت کرنے لگتا ہے۔

اور تیسری اور میرے نزدیک اہم ترین بات یہ کہ اس اتباع اور اطاعت کی بنیاد بھی محبت ہی پر ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ کی اطاعت کسی جبر اور طاقت کا نتیجہ نہیں ہوسکتی۔ آپ ﷺ نے جب سے اظہارِ نبوّت کیا اور تبلیغِ دین کے لیے کوشش فرمائی اس وقت آپ ﷺ کے پاس کوئی مادی طاقت نہ تھی اور آخر وقت تک جب آپ ﷺ ہمہ طاقت تھے اور پورا عرب آپ ﷺ کے زیرِ نگیں تھا، تب بھی اتباعِ رسول ﷺ کے لیے کوئی جبر نہیں کیا گیا، بلکہ یہ اتباع و اطاعت کا معاملہ ہر فرد کے ذاتی اختیار و تمیز کے اوپر چھوڑ دیا گیا اور

قیامت تک کے لیے اصول طے کر دیا گیا کہ **لا اکراہ فی الدین**۔ اس دین کو اختیار کرانے کے لیے زبردستی نہیں کی جائے گی۔

اب ظاہر ہے کہ ان حالات میں اتباعِ رسولﷺ پر وہی شخص آمادہ ہوسکتا ہے جسے ذاتِ رسالتؐ سے محبت و عقیدت ہو۔ پھر یہ محبت و عقیدت جتنی بڑھتی جائے گی اتنا ہی اس کا اظہار بھی ہوتا جائے گا۔ جو شخص جس صلاحیت کا بھی مالک ہوگا وہ اپنی صلاحیتیں اسی محبت کے عملی ثبوت کے طور پر ظاہر کرتا جائے گا۔ اپنی روز مرہ کی زندگی میں، آپس کے معاملات میں، زبانی تبلیغ و اشاعت میں، یہاں تک کہ میدانِ جنگ میں بھی، یہی محبتِ رسولؐ اپنے کرشمے دکھاتی چلی جائے گی۔ پھر جن حضرات کو تخلیقِ شعر وسخن کی طاقت بخشی گئی ہے وہ بھی اپنے اشعار ومنظومات کو اسی محبت کے بے ساختہ اظہار کا ذریعہ بنا لیں گے۔

چنانچہ عہدِ رسالتؐ سے لے کے آج تک جس جس خوش نصیب کو یہ سعادت حاصل ہوئی اس نے اس کا منظوم اظہار کیا اور آج تک کر رہے ہیں ان میں سے کسی کا نام لینے کی ضرورت نہیں۔ تمام مسلمان، بلکہ غیر مسلم بھی جانتے ہیں کہ حُبِّ نبیؐ نے کیسی کیسی نوع بہ نوع منظومات کی شکل میں ادب پارے پیش کیے اور اسی کا ایک ثبوت یہ ''متاعِ قلم'' بھی ہے، جس پر اظہارِ خیال کی دعوت مجھے دی گئی ہے۔

جناب ریاض حسین چودھری کو بہت اچھی طرح جانتا ہوں۔ جب سے مرے کالج سیالکوٹ میں طالب علم بن کر آئے (جہاں میں بھی اُردو کے استاد کی خدمت انجام دے رہا تھا) تب سے انہیں مجھ سے تعلقِ خاطر پیدا ہو گیا اور جو آج تک قائم ہے۔ موصوف نے اس سلسلے میں مجھ سے مشورۂ سخن بھی کیا، حالانکہ میں خود کو اس کا اہل نہیں سمجھتا۔ اور اب کہ اکیسویں صدی میں ان کی نعتوں کا یہ پہلا مجموعہ (بیسویں صدی میں تین

مجموعے شائع کرنے کے بعد) سامنے آیا ہے، ان کی فرمائش ہے کہ اس پر میں بھی اظہارِ خیال کروں، جو میرے نزدیک غیر ضروری ہے۔ ریاضؔ صاحب کی نعت گوئی پر جہاں احمد ندیم قاسمی، حفیظ تائب، ڈاکٹر خورشید رضوی، پروفیسر اقبال جاوید وغیرہ جیسے اعلیٰ پائے کے صاحبانِ علم و ادب اپنی اپنی گردیدگی و پسندیدگی ظاہر کر چکے ہیں وہاں میرا کچھ کہنا چھوٹا منہ بڑی بات ہی ہوگا اور پھر یہ بھی تو ایک حقیقت ہے کہ جس مجموعے کا ہر شعر دامن کشِ دل ہو وہاں کس کس بات کو نمایاں کیا جائے اور کس کس نمودِ حُسن وعقیدت کی تعریف کی جائے۔ بلکہ مَیں تو یہاں تک کہتا ہوں کہ اس موضوع کو طول دینا میرے نزدیک قاری اور تحریر کے درمیان بلاوجہ حائل ہونے کے مترادف ہوگا۔ پڑھنے والا خود ہی اندازہ لگا سکتا ہے کہ شاعر کا ہر شعر محبت وعقیدتِ رسولؐ کی کھلی تصویر ہے۔ اور اس میں سے شاعر کے سچے، مخلصانہ جذبات پھوٹے پڑ رہے ہیں اور ساتھ ہی، قاری یہ بھی محسوس کرے گا کہ نعت نگار نے اندازِ بیان میں بھی، اور فکر و خیال میں بھی، جدت طرازی کو ملحوظ رکھا ہے، جبکہ کہیں بھی احترام میں کوئی کمی نہیں آنے دی ہے۔

یوں تو اس مجموعے کا ہر شعر انوکھا اور انمول ہے، تاہم مجھے جو شعر بطور خاص جدت اور ندرت لیے ہوئے نظر آئے، اُن میں سے چند شعر بطورِ نمونہ یہ ہیں۔

جی چاہتا ہے مدحتِ شاہِ اُمم کروں
احوالِ زندگی کو سپردِ قلم کروں

نظر جاتی ہے جب سرکارؐ کے دامانِ رحمت پر
رفو، پھر خودبخود چاکِ گریباں ہونے لگتا ہے

اب کے برس بھی قریۂ جاں میں کھلیں گلاب
اب کے برس بھی سر پہ ''غلامی کا تاج'' ہو

بُجھا ڈالیں گے سُورج علم کے اہلِ ہوس، آقاؐ
شریکِ جرمِ دانائی قلمداں ہونے والا ہے

آخری شعر میں جس خوبی سے دورِ حاضر کی علم دشمنی (بظاہر علم دوستی!) کی تباہ کاری کا نقشہ کھینچا گیا ہے وہ تعریف سے ماورا ہے۔

میرے خیال میں ''متاعِ قلم'' پر اس سے زیادہ کچھ کہنا لاحاصل ہوگا کہ اطاعتِ رسولؐ کے نتیجے میں رونما ہونے والی حبِ رسولؐ کا یہ بھی ایک شاہکار مجموعہ ہے اور قیاس کیا جاسکتا ہے کہ اس کے نتیجے میں خود شاعر سے اللہ تعالیٰ کی محبت کا ظہور دُنیا میں بھی ہو رہا ہے اور انشاء اللہ آخرت میں بھی ہوگا۔

شیخ عبدالعزیز دباغ

دسمبر،۲۰۲۱ء

روشنی کا شاعر

ریاض حسین چودھریؒ کے تخلیقی جمالیاتی شعور و ادراک کی نشوونما کا الوہی اہتمام امیر ملّت سیدی مرشدی سید جماعت علی شاہ قدس سرہٗ کی ریاض کے والدین پرخصوصی التفات سے شروع ہوا جب آپ نے بوقت نکاح ان کوخصوصی دعاؤں سےنوازا۔کم سنی میں ہی اپنے دادا جان کے وسیلے سے علامہ محمد اقبالؒ کے والد گرامی سے قربت وصحبت نصیب ہوئی اور اقبال علیہ الرحمتہ کی شعری تخلیقات ریاض کی سماعتوں کوحرف وصوت کی نغمگی سے گل رنگ کرنے لگیں۔ مرے کالج میں جناب آسی ضیائی رامپوری کے تلمذ میں شعری لغت، تخلیقی ساختیات اور الفاظ کی معنوی تہوں کی بُنت کا ہنر ان کی عملی لغت کا حصہ بن گیا۔ الفاظ ان کے پاس ہوا کی لہروں اور بہتی ندیا کی اچھلتی موجوں کی صورت آنے جانے لگے اور احساسات، تصورات اور بذبوں کے انسلاکات سیل رواں کی شکل میں ان کے قلم سے ٹپکنے لگے۔ ماحول کے معاشرتی، سماجی، معاشی اور اخلاقی حقائق ان کی فطری حساسیت کے باعث جذبات کے تخلیقی طوفان میں بدلنے لگے اور یوں ان پر فنی اور تخلیقی اظہار کے در وا ہونے لگے۔ اس پرطرہ یہ کہ ادب کےشعری ورثے نے انہیں مالا مال کر دیا۔غزل کا جھرنا تو بہاؤ میں تھا ہی،نظم کی سحر آفرینی نے بھی قارئین کو وسیع پیمانے پر متأثر کیا۔نظیر اکبر ابادی، حالی، اقبال ، اسمٰعیل میرٹھی، شوق قدوائی، حفیظ جالندھری، فیض احمد فیض، ایم ڈی تاثیر،علی سردارجعفری، جانثار اختر، ساحر لدھیانوی اور کیفی اعظمی جیسے صف اول کے شعرا نے نظم نگاری میں جوتجربات کئے وہ آنے والوں کے لئے خیر کثیر ثابت ہوئے۔

ریاضؒ نے غزل کے پیرائے میں بہت نعت لکھی اور پھر غزل کونعت کےحضور کاسہ بکف دیکھا اور اسی موضوع پر ایک مجموعۂ نعت تخلیق کر دیا۔مگر ریاض کے شعری خمیر

میں نظم کا پیرایہ تخلیقی طینت کی شکل میں موجود تھا۔ ان کے تمام مجموعہ ہائے نعت غزل کے علاوہ نظم کی مختلف ہیئتوں کی قوس قزح سے مزین ہے۔ یہ مجموعہ نعت ''روشنی یا نبی'' چونکہ ان کی نعتیہ نظموں کا مجموعہ ہے لہٰذا مجھے ضروری محسوس ہوا کہ ان کی نظم نگاری کے حوالے سے لکھوں مگر بطور روشنی کے شاعر کے۔ یہ دیکھنا ہے کہ ان کی نظم میں روشنی کی کنہ وحقیقت کیا ہے۔

ریاضؒ نے نظم نگاری تو زمانۂ طالب علمی ہی میں شروع کر دی تھی اور بچوں کے رسائل و جرائد میں تین چار سال تک مسلسل چھپتے رہے، حتیٰ کہ وہ ایل ایل بی کے لئے اورینٹل کالج لاہور آ گئے۔ اس کے بعد وکالت کی تربیت کے دوران سنجیدگی سے اپنی ادبی زندگی کی طرف متوجہ ہوئے۔ ۱۹۷۰ء میں یوم دفاع پاکستان کے موقع پر وہ اپنا پہلا مطبوعہ کلام ''خون رگ جاں'' لائے۔ یہ کتابچہ riaznaat.com پر موجود ہے جسے ڈاؤن لوڈ یا پرنٹ کیا جا سکتا ہے۔ بظاہر ملی نظموں کا یہ مختصر مجموعہ جذبۂ حب الوطنی کا ایک پرجوش روحانی الاپ تھا مگر اس میں جو نظمیں شامل ہیں ان میں ماحول پر چھائی ہوئی ظلمتوں کا ادراک ایک نئے طرز احساس کے پیرہن میں نمو پذیر ہے۔ اس کی پہلی نظم'' دیدۂ بیدار''میں اقبال کے لب و لہجے کی جھلک نمایاں ہے، ماضی کے شان وشکوہ کا درد انگیز شعور تعمیر نو کے جذبے میں ڈھل کر ماحول میں قرآن و سنت اور دینِ مبین کے حوالے سے مایوس کن صورت حال پر بیزاری اور اور شکوے کے اسلوب میں نمو پا رہا ہے۔ ایک بند ملاحظہ فرمائیں:

کچھ لوگ ہیں توہینِ رسالت پہ بھی مائل
یہ عشق و محبت نہ عقیدت کے ہیں قائل
اِن لوگوں سے اسلام کی پیشانی ہے گھائل
کیا ان پہ کھلیں جانِ رسالت کے فضائل

ان سینوں میں ایماں کی حرات ہی نہیں ہے
اللہ کے محبوبؐ کی الفت ہی نہیں ہے

پھر جذبات کا یہ بہاؤ نور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور اظہار عقیدت کے حوالے سے اپنی کم مائیگی کے غلامانہ اعتراف میں اتر جاتا ہے:

ہے منبع افکار و خبر نورِ محمد ﷺ — ہے باعثِ تخلیقِ نظر نورِ محمد ﷺ
ہے سینہ قدرت کا شرر نورِ محمد ﷺ — ہے مطلع انوارِ سحر نورِ محمد ﷺ

میں اور بھلا حسنِ عقیدت کے بیاں میں
لفظوں کی رسائی ہے نہ طاقت ہے زباں میں

۶۵ بنود پر مشتمل یہ ایک طویل نظم ہے جس میں آخر وہ امت مسلمہ کے وجود پر لگے ہوئے ظلم و جور اور غلامی ومحتاجی کے خون اگلتے ہوئے زخم سینے اور امت کو ان مصائب سے نجات دلانے کے آہنی عزم کے پر جوش اظہار پر ختم ہوتی ہے۔ اس سے اگلی نظم ریاض کی ادبی کم سنی کے دور کی ایک ایسی بالغ نظر تخلیق ہے جس کے ایک ایک لفظ میں جذبۂ ملی کے الاؤ اور حبِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نور کا امتزاج جمالیاتی اظہار کا ایک دھنک رنگ سویرا بن کر طلوع ہو رہا ہے۔ یہ نظم شکوہ اور جواب شکوہ کی طرز پر ''استغاثہ اور جواب استغاثہ اپنے آقا و مولا ﷺ کی عدالتِ عظمیٰ میں'' کے عنوان سے لکھی گئی ہے۔ تصور کیا جا سکتا ہے کہ حب الوطنی کے جذبے سے سرشار اور عشق رسول ﷺ کے نور سے روشن شعری جمالیات سے مزین یہ ۲۷ سالہ نوجوان شاعر اظہار کے کس طرز احساس میں لپٹا اس نظم میں اپنی روح کی نغمگی کے ترشحات سنوار رہا ہے۔ استغاثہ ان اشعار پر اختتام پذیر ہو رہا ہے:

نا امیدی اور تیرے چاہنے والوں میں ہو،
کیوں بنی ہے فکرِ مسلم مرکزِ حزن و ملال

آج ویرانی برستی ہے ترستی ہے زباں
تھا کبھی گلشن کا پتہ پتہ شبنم سے نہال
منتظر ہیں کوئی ڈھارس ہی بندھائے دہر میں
بے بسی سے دیکھتے ہیں چشمِ فطرت کا جلال
روشنی اے منبع انوارؐ، کالی رات ہے !
روز و شب کی گردشوں میں چھپ گئی تیغِ ہلال
سینۂ افگار سے رستا ہے زخموں کا لہو ! !
دیکھ تیری رحمتوں سے میں نے پوچھا ہے سوال

اب ''جواب استغاثہ بارگاہِ رسالت مآب ﷺ سے'' کے ابتدائی اشعار ملاحظہ فرمائیں:

کس کے آوارہ تخیل میں ہے سوزِ انفعال
کس نے اشکوں کی زباں میں ہم سے پوچھا ہے سوال
کون فریادی ہے کس نے دی ہے دستک بارہا
کون ارضِ پاک میں افسردہ ہے غم سے نڈھال
کس کے نالوں سے ہماری آنکھ پُرنم ہو گئی !
کس کے نالے ہیں حقیقت میں رگِ گل کی مثال
ہم اگرچہ خوش ہوئے اس جراتِ اظہار پر
لیکن آدابِ جنوں پیشِ نظر ! اے باکمال

اب بھی آتی ہے ہمیں ٹھنڈی ہوا اس دیس سے
لیکن اب صر صر کے جھونکوں سے ہے اس کا اشتمال

اور اس جواب استغاثہ کا اختتام ان اشعار پر ہو رہا ہے:

بات کر لینا بہت آسان ہے لیکن ذرا
قوتِ خیبر شکن کی ہے کوئی تم میں مثال
بازوئے خالدؓ کی عظمت کے تمہی وارث تو تھے
کاش اپنی قوتوں کو آج بھی کر لو بحال
ہاں فقط جوشِ عمل میں منزلوں کا ہے سراغ
بے بسی، کم ہمتی ، دونوں دل و جاں کا وبال !
مغربی تہذیب کے اس کھوکھلے پن سے نکل
اپنی قدروں پر بھروسہ کر، یہی ہیں لازوال
ڈھونڈ لے صدیقِ اکبرؓ کے سراغِ نقشِ پا !
جذبہ فاروقِ اعظمؓ کو رگ و پے میں اچھال

یہ ہیں ریاض کی تخلیقی جمالیات کے ابتدائی خد و خال جب ابھی ان کے نفسِ مدرک میں ''نعت کی روشنی'' کو گوندھا جا رہا تھا، ان کی حسیّت کو شعریت کے وجود میں اتارا جا رہا تھا اور انہیں مدحت نگاری کی سخن آرائی کے رنگ و نور کی اسلوبیاتی معنویت کے ارتقائی مراحل میں سے گذارا جا رہا تھا۔ وہ اگرچہ ''سر صلیبِ بدن'' کی شکل میں غزل لکھ رہے تھے اور احمد ندیم قاسمی اور عارف عبدالمتین جیسے فعال اور سرکردہ سخنوروں کے ساتھ رابطوں میں تھے تاہم جناب حفیظ تائبؒ کے ساتھ بھی ان کا گہرا رابطہ تھا۔ ان کے اندر ''طلوعِ فجر'' جنم لے چکی تھی اور صنف نعت کے'' دبستانَ نو'' کا خمیر اٹھ رہا تھا۔ باہر کی

تیرگی کا ایک ہوش پاش احساس ان کے حرف وصوت کے رگ و ریشے میں سرایت کر کے استغاثہ اور جواب استغاثہ کی شکل میں اپنے شعری وجود کی نمود پر اعتبارِ قلم کی دولت حاصل کر چکا تھا اور اس طرح اس تیرگی کو 'تولج الیل فی النھار' کی تخلیقِ سحر کے عملِ فلکیاتِ سخن کے تحت اظہار کے نئے سورج کی تلاش میں نکل چکا تھا جب کہ یہ سورج ریاض کے روحانی اور سرّی وجود میں تخلیق پا چکا تھا اور کچھ ہی دیر میں مہر نیم روز کی شکل اختیار کرنے والا تھا۔

ستّر کی دہائی عملی زندگی کے نشیب و فراز میں گذر گئی اور اسّی کی دہائی میں آخر وہ نعت کی صنف ادب کی جمالیاتِ اظہار اور عصری حسیّت کو اپنی نوک قلم پر سنوار کر وسائل اظہار کے انسلاکی معاملات کا تانا بانا ترتیب دینے لگے اور معنویت کے ایک جہانِ نور کی ساخت میں مصروف ہو گئے۔ یوں ان کی شعری لغت بلیغ استعاروں کی ایک منظّم کہکشاں کی صورت اختیار کرتی گئی۔ ''روشنی، اے منبعٔ انوار! کالی رات ہے'' اس جہانِ معنویت کا عنوان بن گئی۔۱۹۸۵ء تک یہ جہانِ اسلوب ومعنویت روضۂ رسول ﷺ پر حاضری سے پہلے ایک حسّیِ وجود کی شکل اختیار کر چکا تھا جسے ۱۹۹۵ء میں ریاض نے ''زرِ معتبر'' کے نام سے شائع کیا۔ یہ کتاب اس نمائندہ شعر سے شروع ہو رہی ہے:

نظام دیدہ و دل سے لہو کی روشنی لے کر
انہیںؐ نورِ ازل، نورِ ابد، نورِ خدا لکھنا

اسی کتاب میں اپنے محبوب منبعٔ انوار ﷺ کو سراجاً منیرا لکھ کر زماں تا زماں روشنی کا حوالہ بنا کر ہدیۂ مدحت پیش کر رہے ہیں:

کران تا کراں آگہی کا اجالا، زماں تا زماں روشنی کا حوالہ
افق تا افق صبح روشن کا منظر، سراجاً منیرا، سراجاً منیرا

پھر اسی مجموعہ مدحت میں انوارِ توصیف میں تر بتر ایک خوبصورت نعت لکھتے ہیں:

مجھے روشنی کا صحیفہ ملا ہے ترے گھر کے نکھرے ہوئے آسماں سے

بجھی ساعتوں کو چراغِ تمنا کی کرنوں کا تو نے اثاثہ دیا ہے

جسے کوئی نسبت نہیں تیرے در سے اسے کیسے سورج میں تسلیم کر لوں

وہی معتبر ہے حوالہ سحر کا ترے پاؤں کو جس نے بوسہ دیا ہے

اسی معتبر’’ زرِنور‘‘ میں ریاضؒ ایک دل آویز آزاد نظم تخلیق کرتے ہیں :

محمدؐ، محمدؐ، محمدؐ، محمدؐ

صبا اس کا اسمِ مبارک نہ لے تو شفق روشنی کے پروں کو نہ کھولے

مگر گھٹن، حبس اور جبر کے ماحول میں وہ اِسی دل و جان سے پیاری’’روشنی‘‘ کو مقید دیکھ کر پکار اٹھتے ہیں:

نہیں ملتا سراغ اب آفتابِ نور و نکہت کا

سحر پس منظروں میں کھو چکی ہے یارسول اللہ

کِسی جگنو کو بھی اُڑنے کا پروانہ نہیں ملتا

غبارِ شب میں لرزاں چاندنی ہَے یارسول اللہ

کرن کے پَر بھی باندھے ہیں قفس میں باغبانوں نے

مقیّد ظلمتوں میں روشنی ہے یارسول اللہ

’’زرِمعتبر‘‘ کے آخری کلام میں وہ بارگاہِ رسالت سے رخصت ہوتے ہوئے الوادعیہ کلمات یوں عرض کناں ہیں:

الوداع اے رحمتوں والے نبی　　　　الوداع اے روشنی، اے روشنی

اس طرح اپنے پہلے مجموعۂ نعت’’زرِمعتبر‘‘ میں وہ فنی جمالیات کے ریشمی پیرہن

میں روشنی کے لاہوتی وجود کی ذات و صفات، نظامِ ہستی میں اس کے وفورِ تجلّےٰ کی طلعتِ فاخرہ اور تیرگی کی تعدیم کے لئے سرنگوں اور نمناک ادبِ استغاثہ اپنے جذبۂ و احساس کی نغمگی میں کمال مہارت سے بُنتے چلے جاتے ہیں۔

پہلے مجموعۂ نعت سے تئیسویں آخری مجموعۂ نعت تک ریاض اسی لاہوتی ''روشنی'' کی مدحت میں ساٹھ ہزار سے زیادہ اشعار تخلیق کر جاتے ہیں۔ ان کے ہر مجموعۂ کلام میں روشنی کے حوالے سے مضامین کا یہاں احاطہ نہیں کیا جا سکتا۔ ماسبق تذکار سے یہ حقیقت تو ثابت ہو جاتی ہے کہ ریاض کی شعریت کا وجود ہی اسی روشنی کے مظاہر کا جامع ہے۔ وہ تو سرّی کیفیات میں یہ کہہ جاتے ہیں کہ روز الست ان کی چشمِ شعور وا ہوئی تو دیکھتے ہیں کہ ان کے ہاتھ پر ایک نور رکھ دیا گیا ہے۔ یہ نور ان کا نعت نگار قلم تھا جسے وہ بوسہ دیتے ہیں اور پھر آقائے دو جہان کے قدمیں ماک میں رکھ دیتے ہیں۔ میرے ایک اور مضمون میں قلم کے استعارے پر ایک سیر حاصل مطالعہ موجود ہے جسے راقم کی کتاب ''ریاض کی نعت نگاری'' میں ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔

الفاظ محترم ہیں کہ نعتِ نبیؐ کے ہیں
اوراق اور قلم مرے سب روشنی کے ہیں
اسمِ نبیؐ کی خُلدِ محبت میں گم ہوں مَیں
میرے قلم سے پھوٹتی رہتی ہَے روشنی
ورق پر آرزو کی روشنی بہتی رہے آقاؐ
قلم کی روشنی بھی زم زمِ عشقِ رواں میں ہے

نمونے کے طور پر کچھ مزید حوالے جمع کئے جا سکتے ہیں، ایسے کہ جن سے ان کی فنی جمالیات، تخلیقی حساسیت اور وسائل اظہار کی پیوند کاری کا اسلوب واضح ہوتا ہے اور مجھے یہ

کہنے میں کوئی باک نہیں کہ ان کی ساری نعتیہ شاعری اسی اسلوب و معنویت اور فنی عمل تخلیق کی سحر کاری ہے۔

غزل کاسہ بکف میں ۴۷ اشعار پر مشتمل سہ نعتیہ تخلیقی جمالیات کی فصلِ بہار ہے:

شہرِ حضورؐ کا ہے تصوّر بھی چاند رات
شہرِ حضورؐ کی ہے تمنا بھی روشنی

عرضِ دعا میں جس کے ہیں دیوار و در ابھی
طیبہ میں میرے گھر کا وہ نقشہ بھی روشنی

توصیفِ مصطفیٰؐ کی کتابِ سخن ہے نور
لوحِ ثنا کے لفظ کا نقطہ بھی روشنی

جو روشنی فصیل ہے شہرِ حضورؐ کی
اُس روشنی کو دیکھنے والا بھی روشنی

اتنی سی بات ہوتی نہیں منکشف، حضورؐ
ہے بے غرض عمل کا نتیجہ بھی روشنی

چومے ہیں اس نے نقشِ کفِ پائے مصطفٰے
اس پھول سی زمین کا چہرہ بھی روشنی

مصروف ہے طوافِ مسلسل میں روشنی
یہ روضۂ نبیؐ ہے نگاہو! ادب ادب

حروفِ نعت سے روشنی کشید کرتے ہوئے ''کائنات محوِ درود ہے'' میں لکھتے ہیں:

یہ مدینے کے در و دیوار کا فیضان ہے
میرے دستِ بے ہنر میں روشنی ہے روشنی
سب حروفِ لب کشا کے لب معطر ہیں ریاضؔ
سب حروفِ معتبر میں روشنی ہے روشنی
خوش نصیبی کے ہیں جگنو ہمسفر میرے ریاضؔ
راستے کے ہر شجر میں روشنی ہے روشنی
حضورؐ، آپؐ کا مدحت نگار مَیں بھی ہوں
حروفِ نعت کو کرتا ہوں روشنی سے کشید

''تاج مدینہ'' میں لکھتے ہیں:

روشنی کے لفظ کی تفہیم جب مشکل لگے
خاکِ شہرِ مصطفیٰؐ کا استعارہ ہے بہت

اسی کتاب کی ایک نعت میں لکھتے ہیں:

موسم طلوعِ فجر کا رہتا ہے آس پاس
کلک و بیان و نطقِ سخنور بھی روشنی
اُنؐ کی ہر ایک صبح کے دامن میں آفتاب
اُن کی ہر ایک شام کا منظر بھی روشنی
رہتا ہے جو ہوائے مدینہ کے دوش پر
اُس طائرِ خیال کا ہر پر بھی روشنی

دیوار و در بھی جس کے ہیں سرکارؐ منتظر
چھوٹا سا مجھ غریب کا وہ گھر بھی روشنی

نوکِ قلم پہ اسمِ گرامی کا ہے نزول
باہر بھی روشنی، مرے اندر بھی روشنی

ماہِ عرب کی نعت کے فیضان سے ریاضؔ
کب سے بنا ہوا ہے مقدّر بھی روشنی

طلوع فجر میں جو پانچ سو بنود پر مشتمل میلاد نامہ ہے:

مَیں بھی ریاضؔ آپؐ کا ادنیٰ سا ہوں غلام
بادِ صبا کے ہاتھ پہ رکھتا ہوں روشنی

بادِ صبا درود کے گجرے بنائے گی
خوشبو چراغ شہرِ سخن میں جلائے گی

جیسا کہ شروع میں ہی وضاحت کر دی گئی ہے غزل کے علاوہ روشنی کا نظمیہ بیانیہ ریاض کے کلام میں ہر کہیں ملتا ہے۔ تاہم ۲۰۰۳ء کے بعد سات سال کے عرصہ میں تخلیق کی گئی نعتیہ نظمیں انہوں نے الگ رکھ دیں اور کسی اشاعت میں شامل نہ کیا۔ راقم نے ان کی رحلت کے بعد ان کی خواہش کے ایفا میں جب ان کا غیر مطبوعہ کلام دیکھا تو یہ نظمیں ملیں جنہیں مرتب کر کے زیر نظر کتاب ''روشنی یا نبی'' ترتیب دی گئی ہے۔ پندرھویں نعتیہ مجموعے'' کائنات محوِ درود ہے'' میں لکھتے ہیں:

مجھے روشنی کی تلاش تھی مَیں درِ نبیؐ پہ چلا گیا
ہوا یوں کہ پھر شبِ حشر تک مری خاک سے نہ اٹھا گیا

اور زیرِ نظر کتاب میں استغاثہ ملاحظہ فرمائیں:

دست بستہ کھڑا ہے یہ دربار میں، روشنی، یا نبیؐ، اس کے افکار میں
ہے ریاضؔ حزیں آپؐ کا امتی، اپنے شاعر کے احوال پر بھی نظر

یہ ہے ''روشنی، یا نبیؐ'' ریاض کی نعتیہ نظموں کا مجموعہ جو عشقِ مصطفیٰ میں کھوئے ہوئے، امت کا غم سینے میں دبائے روشنی کی بھیک مانگتے ہوئے ریاضؔ کا استغاثہ ہے۔ان کے کلام کی معنویت کی تار و پود روشنی کے تاروں سے بُنی ہوئی ہے، ان کا اسلوب کا وجود روشنی سے مستعار ہے۔ ان کی نظم میں ہمیں روشنی ایک محیط، بلیغ اور وقیع استعارے کی صورت میں ضیاء بار ملتی ہے۔ یہ روشنی محض مضمون یا ان کی شعری لغت کا کرشماتی استعمال نہیں نہ ہی علامت کی کوئی بُت ہے بلکہ روشنی ریاض کی نعت کا ظاہر و باطن ہے جس کی کائنات ازل سے ابد تک وسعت پذیر ہے اور جس سے نعتِ رسول کا دامن توصیف و ستائش کے زر و جواہرات کا امین اور بارگاہ رسالت کے جود وسخا اور لطف و کرم سے ثروت مند ہے۔ یہ ان کا سامان نجات، حشر کا زاد راہ اور رب نعت کی رضا کا احسان عظیم ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ یہ سرمایہ ماورائے ادراک ہے جس کی تفہیم کا مؤثر ذریعہ استغاثہ ہے جو وہ نبیؐ محتشم کی بارگاہ اقدس میں ازل سے پیش کر رہے ہیں۔

سرفراز احمد خان ، ناظم ممبر شپ تحریک منہاج القرآن

منہاج القرآن میں ریاض حسین چودھریؒ کی صحافتی اور ادبی خدمات

1990ء سے 2002ء تک

صحافت کو مملکت کا چوتھا ستون کہا جاتا ہے اور حقیقت بھی یہ ہے کہ صحافت کسی ملک کی سیاسی، اقتصادی اور ثقافتی زندگی میں انتہائی اہم رول ادا کرتی ہے اور قومی کردار کی تشکیل میں اور مملکت کی نظریاتی اساس کے حوالے سے رائے عامہ کو ہموار ہی نہیں کرتی بلکہ اس کی عملی تربیت کا فریضہ بھی سرانجام دیتی ہے، پاکستان کے قیام سے لے کر پاکستان کے ٹوٹنے تک اور پھر سقوط ڈھاکہ سے موجود سیاسی انتشار اور اقتصادی بحران تک ہماری صحافت نے قومی زندگی کے نشیب و فراز طے کرتے وقت مثبت انداز بھی اپنایا ہے اور بدقسمتی سے بعض کالی بھیڑوں نے بلیک میلنگ کا سہارا لے کر اپنے من کی غلاظت کو صحافت کے نام پر اچھالا بھی ہے، بہر حال صحافت اور سیاست کو عبادت کا درجہ دینے والے پرخلوص صحافی اور سیاستدان بھی موجود ہیں، گو ان کے نام انگلیوں پر شمار کیے جاسکتے ہیں، تحریک منہاج القرآن نے جب اپنے تحریکی سفر کا آغاز کیا تو اپنے نقطۂ آغاز ہی سے اس نے پرنٹ میڈیا ہی نہیں بلکہ الیکٹرانک میڈیا کو بھی خصوصی توجہ دی اور جدید سائنٹیفک بنیادوں پر تحریک کے مقاصد کو اجاگر کرنے کی سعی کی کیونکہ کسی تحریک کا نصف سے بھی زیادہ کام نشر و اشاعت کا ہوتا ہے، کتب کی پرنٹنگ سے لے کر آڈیو/ ویڈیو ریکارڈنگ تک اور پھر اخبار و رسائل کے اجرا تک ان گنت مراحل ایسے ہیں جو تحریک کے اکابرین کی فوری اور سنجیدہ توجہ کے متقاضی ہوتے ہیں، ریڈیو، ٹیلی ویژن اور اخبارات و جرائد سے روابط کو استوار کرنا بھی اسی زمرے میں آتا ہے۔ ماہنامہ ''منہاج القرآن'' تحریک منہاج

القرآن کا پہلا آرگن ہے اس کے بعد جب 25 مئی 1989ء کو پاکستان عوامی تحریک کا قیام عمل میں آیا اور سیاسی عمل کا آغاز ہوا تو ایک سیاسی جریدے کی اشاعت کے بارے میں سنجیدگی سے سوچا جانے لگا چنانچہ دسمبر 1989ء کے آخری ایام میں اور جنوری 1990ء کے اوائل میں پندرہ روزہ ''تحریک'' نے اپنے تحریکی اور تخلیقی سفر کا آغاز کیا۔ اس کے پہلے چیف ایڈیٹر نوجوان صحافی تنویر قیصر شاہد مقرر ہوئے جن کی ادارت میں ''تحریک'' کے چھ شمارے شائع ہوئے، جبکہ انوارالحسین علوی نے اس جریدے کے ایگزیکٹو ایڈیٹر کی ذمہ داریاں سنبھالیں، ممتاز نعت گو اور ادارہ منہاج القرآن سیالکوٹ کے سابق ضلعی ناظم ریاض حسین چودھری ان دنوں مرکز میں تشریف لا چکے تھے۔ آپ مرکزی ناظم نشر و اشاعت کی ذمہ داریاں سنبھالے ہوئے تھے اور ''تحریک'' کی مجلس مشاورت میں بھی شامل تھے۔ ''تحریک'' کے شمارہ نمبر۵ کے کریڈٹ پیج پر مجلس مشاورت میں یہ لوگ شامل تھے، پروفیسر ڈاکٹر شفیق جالندھری، اقبال محمود اعوان، خالد احمد، فیض الرحمٰن فیضی، ابو زین، ریاض حسین چودھری، طاہر جاوید مغل، قانونی مشیران خواجہ سعیدالظفر ایڈووکیٹ، چوہدری محمد بشریا ایڈووکیٹ، ایگزیکٹو ایڈیٹر اے ایچ اعوان (انوارالحسین علوی)، تنویر قیصر شاہد اپنی ادارتی ذمہ داریاں بوجوہ پوری نہ کر سے اور کراچی چلے گئے، ہنگامی طور پر قائد انقلاب پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہرالقادری نے پندرہ روزہ تحریک کی ادارتی ذمہ داریاں ریاض حسین چودھری کے سپرد کیں جنہوں نے ایک چیلنج سمجھ کر انہیں قبول کرلیا۔ ہمارے بہت کم تحریکی ساتھیوں کو بھی یہ معلوم نہیں کہ پاکستان عوامی تحریک اور پندرہ روزہ ''تحریک'' کا نام بھی ریاض حسین چودھری کا ہی تجویز کردہ ہے، ریاض حسین چودھری نے چیف ایڈیٹر سے لے کر چیف نائب قاصد تک ڈیوٹی سرانجام دی اور تن تنہا چھ سال تک یہ ذمہ داریاں احسن طریقے سے نبھائیں۔ ''تحریک ایک لمحہ کے لیے بھی تعطل کا شکار نہیں ہوا اور اس نے نامساعد حالات میں بھی اپنی اشاعت کا سلسلہ جاری رکھا۔ یکم جنوری 1994ء کو اس پرچہ کا انتظام و انصرام میجر انوارالحسین علوی نے تحریک منہاج القرآن کے سپرد کردیا چنانچہ قائد انقلاب نے ''تحریک'' نظامت نشر و اشاعت کے تحت جاری رکھنے کا حکم صادر فرمایا۔ ریاض

حسین چودھری بدستور اس کے چیف ایڈیٹر رہے آپ نظامت نشر و اشاعت کے بھی ڈائریکٹر تھے۔

ریاض حسین چودہری نے 1990ء میں ''تحریک'' کے آٹھویں شمارے سے اس کی ادارتی ذمہ داریاں سنبھالی تھیں اور ٹھیک چھ سال بعد 1996ء میں آٹھویں شمارے ہی سے ان ذمہ داریوں سے سبکدوش ہوئے، ان کے الوداعی اداریے سے چند اقتباسات شامل کیے جارہے ہیں جن سے ''تحریک'' کے تحریکی اور تخلیقی سفر پر روشنی پڑھتی ہے:

''تندیٔ بادِ مخالف میں بھی ''تحریک'' نے کبھی نیچی پرواز کرکے راہِ فرار اختیار نہیں کی، ''تحریک'' کے ادارتی صفحات گواہ ہیں کہ ہم نے مصلحت کو کبھی پاؤں کی زنجیر نہیں بننے دیا جسے حق سمجھا نتائج سے بے پروا ہوکر اسے حق لکھا، جسے باطل جانا اسے باطل کہنے میں زبان کبھی لکنت کا شکار نہیں ہوئی۔ کوتوال شہر کی جبین پر بل پڑے یا صاحبان اقتدار کی طبع نازک پر صداقتوں کا اظہار گراں گذرے ''تحریک'' ہر حال میں حرفِ حق کی تلاش میں سرگرمِ عمل رہا، ''تحریک'' نے ابتلا و آزمائش کے ہر دور میں کارکنوں کے حوصلوں کو بلند رکھا، آج ہمارے ضمیر پر کوئی بوجھ نہیں، قلم پر ایک لمحے کا بھی قرض نہیں... ''تحریک'' نے ہر محاذ پر اپنی تحریک اور اپنے قائد کے دفاع میں دادِ شجاعت دی ہے۔ قاتلانہ حملہ ہوا، کردار کشی کی شرمناک مہم چلی، اہلِ زر، رنجش باطن کا مظاہرہ کرتے رہے، اپنے عہد کی دانش کے خلاف جہلا نے کیا کیا افسانے تخلیق نہ کیے، اہل شر چاند پر تھوکنے کے شوق میں اپنا چہرہ داغدار کر بیٹھے، خارش زدہ اور مکروہ چہروں کے آئینہ خانہ میں اصلی عکس بھی اپنی پہچان کھو بیٹھے، ''تحریک'' نے گھپ اندھیروں کے اس سمندر میں بھی شمع حق جلائے رکھی اور اپنے کارکنوں کے اعتماد کو بحال رکھا''۔

پندرہ روزہ ''تحریک'' کی پالیسی کا ذکر کرتے ہوئے آپ نے لکھا ہے:

''تحریک منہاج القرآن کے لیے غیر جانبدار پرچوں کی ضرورت اور اہمیت سے انکار نہیں لیکن اس قسم کی خودساختہ مصنوعی اور دکھلاوے کی غیر جانبداریت کو ہم اپنے مشن سے غداری متصور کرتے ہیں، ''تحریک'' اپنی بساط کے مطابق تحریک منہاج القرآن کی ترجمانی کا فریضہ سرانجام دیتا رہا ہے، تحریک کی ایک ایک سطر نے تحریکی شعور کو اجاگر کیا ہے اور یہی اس کا سب سے بڑا اعزاز ہے، ''تحریک'' کی اسلام اور پاکستان کے ساتھ غیر مشروط اور غیر متزلزل کومٹ منٹ پر کبھی آنچ نہیں آنے پائی، ''تحریک'' کے چھ سالہ دورِ ادارت میں ہر سال ہم نے جشن عید میلاد النبیؐ کے موقع پر تحریک کے میلاد نمبر نکالنے کی سعادت حاصل کی ہے۔ محبت رسول ہی تو ہمارا زادِ سفر ہے، یہی تو ہمارا سرمایہ حیات ہے اور یہی تو ہمارا توشۂ آخرت ہے، ہمارے بس میں ہوتا تو ''تحریک'' کے ہر شمارے کو میلاد نمبر بنا دیتے''۔

آگے چل کر ریاض حسین چودھری نے لکھا ہے:

''تحریک'' نے جاگیرداری نظام کے خلاف زبردست محاذ قائم کرکے سرمایہ داروں، وڈیروں، سرداروں، رسہ گیروں، اسمگلروں، خائنوں اور سماج دشمن عناصر کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر انہیں للکارا، عریانی، فحاشی، بے غیرتی اور بےحمیتی کا زہر نئی نسل کے رگ و پے میں اتارنے والے آزاد خیال لوگوں کو روکا، بے لگام اور قومی خزانے کو ہڑپ کرنے والی کرپٹ بیوروکریسی کو بے نقاب کیا اور معاشرے کے کچلے ہوئے مقہور اور مجبور عوام کی سلطانی کا خواب دیکھا۔ ''تحریک'' نے کشمیر، بوسنیا، چیچنیا اور فلسطین میں شہیدوں کے خون سے روشن چراغوں کو سلامی دینے کا اعزاز حاصل کیا ہے اور اس کرب کو اپنے دامنِ دل میں سمیٹنے کی سعی کی ہے، جو کرب مسلم امہ کے ظاہر و باطن پر محیط ہے ''تحریک'' نے دشمنانانِ اسلام کا تعاقب جاری رکھا ہے۔''

''تحریک'' نے اپنے قائد کے اس فرمان کی ہر ممکن حد تک تشہیر کی اور اسے اپنے مضامینِ نظم و نثر کا عنوان بنایا کہ ہر سطح پر جذبۂ جہاد کو بیدار کرنے کی ضرورت ہے اور یہ کہ عالم اسلام کے حکمرانوں پر جہاد فرض ہو چکا ہے۔ ہم نے اپنے قائد کے اس فرمان کو مشعل راہ بنایا ہے کہ ایک مضبوط پاکستان ہماری ہی نہیں پورے عالمِ اسلام کی ضرورت ہے۔ پاکستان پورے عالم اسلام کی امانت ہے اور اس امانت میں خیانت کا تصور بھی مسلکِ وفا میں حرام ہے، عالمِ اسلام اس وقت بے توقیری کے جہنم میں جل رہا ہے، جدید ترین ٹیکنالوجی کے دروازے مسلمانوں پر بند کیے جا رہے ہیں اس بے توقیری کے جہنم سے نکلنے کے لیے پاکستان کو بھرپور ایٹمی صلاحیت حاصل کرنا ہوگی۔ ایٹم بم ہماری ہی نہیں پورے عالمِ اسلام کی ضرورت ہے، تحریک نے کبھی فرقہ وارانہ مسائل کو نہیں اچھالا، مسلک کی نہیں قرآن و سنت کی بالادستی کی بات کی ہے۔

ریاض حسین چودھری نے اپنے یادگار اور تاریخی اداریوں میں کالم نگاری اور اداریہ نویسی کے دونوں فنون کو ملا کر اہل ذوق کو ایک نئے ادبی ذائقے سے روشناس کرایا ہے۔

ریاض حسین چودھری نے اپنے مذکورہ اداریے میں لکھا ہے:

''پاکستان عوامی تحریک نے سرمائے اور غنڈہ گردی کے سیاسی کھیل سے کنارہ کشی اختیار کی تو ''تحریک'' بھی معروف معنوں میں غیر سیاسی ہوگیا، شہر سیاست جس میں اس بازار کا سارا گند بہہ رہا تھا اور بہہ رہا ہے سے اپنا دامن بچانا مشکل تھا۔ سیاست کو ہم نے اپنے لیے شجرِ ممنوعہ قرار نہیں دیا حسینی سیاست ہمیشہ ''تحریک'' کی سوچوں پر محیط رہی ہے۔ اس لیے کہ اہلِ وفا کے قافلے ہر لمحہ سوئے کربلا رواں دواں رہتے ہیں جب بھی اسلام اور پاکستان

کے مفاد پر زد پڑی ''تحریک'' نے شہر سیاست کے مکروہ، غلیظ اور خارش زدہ چہروں کو بے نقاب کرنے میں ایک لمحے کی تاخیر سے بھی کام نہیں لیا، ہم نے دونوں برسر پیکار دھڑوں سے بارہا اپیل کی کہ وہ محاذ آرائی کی سیاست کو ترک کر کے تحریک پاکستان کے حقیقی مقاصد کے حصول کی طرف اپنی سرگرمیوں کے رخ کو موڑیں لیکن جنگِ اقتدار کے فریقین نتائج سے بے پرواہ ہو کر وطن عزیز کے مستقبل سے کھیلتے رہے اور کھیل رہے ہیں اہلِ شر کو کئی بار تنبیہہ کی گئی کہ تم ملک و قوم کو اجتماعی خودکشی کی طرف لے جا رہے ہو لیکن قصر اقتدار کی غلام گردشوں میں تاریکی کچھ اور بھی گہری ہوتی رہی، اے مالکِ روز و شب یہ پاکستان تیرے اور تیرے محبوبؐ کے نام پر حاصل کیا گیا تھا اسے اپنے حفظ وامان میں رکھ، پروردگار! اس کے برہنہ سر پر اپنی رحمت کی چادر ڈال، اس کے دریچوں کے چراغ روشن رکھ اور اس کے آنگنوں میں پھول کھلا، اے اللہ تو گواہ ہے کہ ہم نے مشرقی پاکستان کے قاتلوں کو کبھی معاف نہیں کیا، ان سے یا ان کی معنوی اولادوں سے سمجھوتے کا تصور بھی محال ہے، ہمارا ایمان ہے کہ محبت کی خوشبو اور لازوال اسلامی اخوت کی حرارت سے ایک دن درِ دل پر پڑے قفل ضرور پگھل جائیں گے''۔

پندرہ روزہ ''تحریک'' کا شمارہ نمبر 8(1996ء) ریاض حسین چودھری کی ادارت میں چھپنے والا ''تحریک'' کا آخری شمارہ ہے۔ اس کے کریڈٹ پیج کے مطابق اس کے ایگزیکٹو ایڈیٹر الحاج محمد سلیم قادری ہیں جبکہ یورپ کے لیے ریزیڈنٹ ایڈیٹر شیخ محمد اشفاق ہیں۔ ادارۂ تحریر ان احباب پر مشتمل ہے۔ پروفیسر محمد رفیق، تنویر احمد قریشی، افتخار علی کلچہ، امانت علی چودھری، افتخار محمود، سمیع الظفر نوشاہی، اے ایم رضا، چوہدری محمد بشیر ایڈووکیٹ اور شبیر علی چوہان ایڈووکیٹ اس کے قانونی مشیر ہیں، سرورق سلام شاد، آرٹ ایڈیٹر سعید احمد سعید ہیں جبکہ محمد ظفر اقبال طاہر اس کے سرکولیشن منیجر ہیں، سرکولیشن منیجر کی

حیثیت سے محمد ظفر اقبال طاہر نے گرانقدر خدمات سرانجام دی ہیں۔ تحریک کے دیگر سرکولیشن منیجرز میں عظمت، اظہر اور راشد کے نام بھی قابل ذکر ہیں، ''تحریک'' کی کمپوزنگ کا کام نواز صاحب کے سپرد تھا جنھوں نے ترجیحی بنیادوں پر اپنی ذمہ داریوں کو نبھایا، اسلام شاد بڑے پیار سے اس کے سرورق کو دھنک کے سات رنگوں سے سجاتے رہے، سعید احمد سعید رات گئے تک تحریک کی آرائش و زیبائش میں مصروف رہتے، ریاض حسین چودھری کی خدمات ڈاکٹر فریدالدین ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کے سپرد کردی گئیں۔ ''تحریک'' عارضی تعطل کے بعد اپنے نئے دور کا آغاز کررہا ہے۔ ریاض حسین چودھری کی ''تحریک'' سے علیحدگی کو قارئین ''تحریک'' نے کس طرح محسوس کیا ہے، دبئی سے ممتاز صحافی شیخ محمد پرویز کا ایک خط درج کیا جارہا ہے۔ آپ لکھتے ہیں:

> ''قارئینِ تحریک خدا حافظ! یہ الفاظ پڑھتے ہی ایک دھچکا سا لگا، مگر تفصیلات پڑھ کر خدا کا شکر ادا کیا کہ قلمی دنیا کا یہ عظیم شہسوار ایک محاذ سے دوسرے محاذ پر سرگرم عمل ہورہا ہے۔ ریاض حسین چودھری صحافت کی دنیا میں اپنا ایک منفرد مقام رکھتے ہیں کہ آپ کے قلم میں تلوار کی سی کاٹ ہے۔ آپ جب لکھتے ہیں تو ہر ظالم و جابر کے سامنے ایسے سینہ سپر دکھائی دیتے ہیں کہ اقبال کا مردِ قلندر نظر آتا ہے لیکن جب محبت رسول ؐ کا ذکر چھیڑتے ہیں تو یہ صوفی منش قلمکار عقیدتوں کے سمندر سینے میں سمیٹے ہوئے نظر آتے ہیں۔''

تحریک منہاج القرآن کے لیے خصوصاً اور پندرہ روزہ ''تحریک'' کے لیے خاص طور پر چودھری صاحب کی خدمات بے حد وحساب ہیں کہ ہر شمارے میں آپ صحافی بھی ہوتے ہیں، ایڈیٹر بھی دکھائی دیتے ہیں، شاعر بھی نظر آتے ہیں، نمائندے بھی محسوس ہوتے ہیں، آپ نے اپنی صبحیں، اپنی شامیں، اپنی محبتیں، اپنی خلوتیں، اپنی جلوتیں سب تحریک کے لیے نچھاور کردیں، یقیناً آپ کو پندرہ روزہ ''تحریک'' سے عشق تھا، محبت تھی، عقیدت تھی، ریاض حسین چودھری ایک عظیم صحافی ادیب اور مدحت نگارِ رسول ہیں اور پاکستان

کے چند چوٹی کے صحافیوں میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ دعا گو ہوں کہ خداوند کریم آپ کے قلم میں مزید طاقت اور فن صحافت میں کمال عطا فرمائے۔ ان شاء اللہ آپ ڈاکٹر فریدالدین ریسرچ انسٹی ٹیوٹ میں ناقابلِ فراموش اور عظیم الشان خدمات سرانجام دیں گے اور ان شاء اللہ قائد انقلاب کی توقعات پر سو فی صد پورا اتریں گے۔ امید کرتا ہوں کہ اس ریسرچ کی جھلکیاں ہمیں پندرہ روزہ ''تحریک'' کے صفحات پر نظر آئیں گی۔

پروفیسر محمد اکرم رضا

زرِ معتبر

ہجر و فراق، عصری رجحانات، استغاثہ، اور حبِ نبی کی پہنائیوں کا مرقع

(جناب محمد اقبال نجمی نے اسے مفیض نعت تبصرہ نمبر میں شائع کیا)

''زرِ معتبر'' معروف نعت گو شاعر ریاض حسین چودھری کا خوبصورت نعتیہ مجموعہ کلام ہے۔ ریاض حسین چودھری کی نعت گوئی ایک عرصے پر محیط ہے۔ اس مجموعہ نعت کی ضخامت 288 صفحات ہے۔ سال اشاعت 1995ء ہے جبکہ اسے عمر پبلی کیشنز اردو بازار نے بڑے حسن اہتمام کے ساتھ شائع کیا ہے۔ ریاض حسین چودھری نعت کے حوالے سے ایک معتبر نام رکھتے ہیں۔ ان کی نعتیں فکری و فنی لوازم سے آراستہ ہونے کے ساتھ ساتھ عصر حاضر کے رجحانات کی نمائندہ بھی ہیں۔ یہ ان کا وصفِ خاص ہے جو ان کے کلام کا امتیاز بن کر ابھرتا ہے۔ ''پیشوائی'' کے عنوان سے حفیظ تائب دیباچہ میں ان کی شاعری پر اظہار خیال کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''ریاض حسین چودھری کی نعت میں اس قدر تسلسل، ایسی گہری وابستگی، اتنی تازگی و شگفتگی اور اس درجہ وسعت و ندرت ہے کہ اس کی خوبیوں کا احاطہ کرنا مشکل ہے۔ پھر اس کتاب میں شاعر کا اپنا مقدمہ ''تحدیث نعمت'' ایسا نثری شہ پارہ ہے جس میں نعت اور اس کتاب نعت کے بارے میں ایسا جامع بلیغ اور دلکش محاکمہ پیش کر دیا گیا ہے جو کسی اور کے کچھ کہنے کے لیے بہت کم گنجائش چھوڑتا ہے۔''

''تحدیث نعمت'' کے جس ادب پارے کی طرف حفیظ تائب نے اشارہ کیا ہے۔ اس کی آخری سطور ملاحظہ ہوں۔''

''ایک عجیب سی تمنا دل میں مچلتی رہتی ہے کہ مرنے کے بعد بھی سپاس گزاری کا یہ سلسلہ جاری رہے اور حشر کے دن جب ہجوم تشنہ لباں میں مَیں بھی گم صم کھڑا ہوں تو

حضورﷺ فرمائیں کہ آؤ ریاض، آج بھی کوئی نعت سناؤ اور مَیں بڑھ کر اپنے آقاﷺ کے قدموں کو تھام لوں''۔ شائد نعت کے نور میں گم ہوجانے ہی کی تمنا ہے جو ریاض سے کہلواتی ہے۔

میں ایک شاعرِ گمنام ہوں مرے آقاؐ
تری ثنا کی مرے ہاتھ میں بھی مالا ہے
مجھے خود اپنے تشخص کی کیا ضرورت ہے
ترا حوالہ ہی سب سے بڑا حوالہ ہے

ریاض حسین چودھری نعت گوئی کے حوالے کو اپنی پہچان اور اپنا اعزاز قرار دیتے ہیں اور اسی حوالے کے اعتبار سے زندگی سے لے کر قبر اور حشر تک دربارِ رسولﷺ میں اپنی پذیرائی کے تمنائی ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں اور بجا طور سمجھتے ہیں کہ مدحتِ سلطان مدینہﷺ ان کی ابدی سرخروئی کا ذریعہ بن سکتی ہے۔ یہی جذبہ، یہی لافانی تڑپ، یہی عشق و سرمستی کی کیفیات ان کی نعت گوئی کے فن سے انوار کی کہکشاں لٹاتی ہوئی ابھرتی ہیں۔احمد ندیم قاسمی نے اپنے فلیپ میں بجا طور پر لکھا ہے۔

''ریاض حسین چودھری کی نعتیہ شاعری پڑھتے ہوئے میں نے محسوس کیا ہے کہ وہ جب نعت کا آغاز کرتے ہیں تو ان پر وارفتگی اور سپردگی کی ایسی کیفیت چھا جاتی ہے جسے وہ ہر ممکن حد تک جاری رکھنا چاہتے ہیں اور نعت یا نعتیہ نظم یا نعتیہ قصیدے کے انجام تک پہنچانے کو ان کا جی نہیں چاہتا۔ یہ کیفیت حضورﷺ کی ذات گرامی کے ساتھ انتہائی محبت اور انتہائی عقیدت کی غماز ہے۔''

مندرجہ بالا اقتباس میں ریاض کے جس جذبہ وارفتگی اور احساس خود سپردگی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ یہ اشعار اس کی خوب ترجمانی کر رہے ہیں۔

میں ان کے نقشِ پا کو منزلِ جاں کیوں نہ ٹھہراؤں
سرِ افلاک بھی چرچے ہیں جن کی انتہاؤں کے
ریاضؔ اپنے لبوں پر ناز فرمانے کے دن آئے
کہ لہرائے گئے ہیں جام رحمت کی گھٹاؤں کے

''زرِ معتبر'' میں ریاض حسین چودھری نے عصر حاضر کے مسائل کی ترجمانی کی ہے۔ اپنے آقا و مولاﷺ کو امت اسلام پر وارد ہونے والے غموں کا فسانہ سنانے کی سعی کی ہے اور پُر درد لہجہ میں سرکارﷺ سے امت اسلام کی بدحالی کو دور کرنے کی دعا کی ہے۔ یہ استغاثہ ایک دو نعتوں تک محدود نہیں بلکہ درجنوں نعتوں میں اس استغاثۂ اسلام کا کرب محسوس کیا جاسکتا ہے۔

حضورؐ اپنے غلام زادوں کو اذن بخشیں گزارشوں کا
فصیلِ شہرِ دعا پہ میری صدا بھی آ کے ٹھہر گئی ہے

یا محمد ﷺ! اجازت اگر ہو مجھے تو رقم میں کروں ظلم کی داستاں
چشمِ تر میں جو محفوظ ہیں اب تلک آنسوؤں کے وہ موتی گراتا چلوں

ریاض حسین چودھری تصور مدینہ سے سرشار رہتے ہیں۔ ذکر مدینہ چھڑتا ہے تو آنکھوں سے آنسوؤں کے گہرہائے گرانمایہ ٹپکنے لگتے ہیں۔قلم کی نوک سے ہجر وفراق کی داستان جھڑنے لگتی ہے۔ مدینہ طیبہ کے ذرات کا ذکر کرتے ہیں۔وہاں کی فضاؤں ہواؤں کو آواز دیتے ہیں۔وہاں کے پرکیف ماحول میں جذب ہونے کی دعا کرتے ہیں۔ مدینہ طیبہ کی مٹی کی عظمتوں کو سلام نیاز پیش کرتے ہیں۔ عجیب کیفیت ہجر ہے جو ان کے افکار سے نعت و مدحت کے گلہائے سدا بہار سامنے لاتی ہے۔حضورﷺ کی محبت آپ کی

اطاعت، آپ کے نام پر مر مٹنے کا جذبہ آپ کے عشق اور ناموس پر فدا ہوجانے کی آرزو، سیرت سرور کونین کو آبروئے زندگی سمجھنا اور اسی سیرت کے گلشن سے زمانے کی تازگی اور روحانی شادابی کا اہتمام کرنا، یہ وہ امتیازات ہیں جو زیرِ معتبر کا حسن و جمال بن کر اپنا جلوہ دکھا رہے ہیں۔ چند مثالیں ملاحظہ کریں۔

رہتی ہے ہر گھڑی مجھے طیبہ کی جستجو
چنتا نہیں ہوں میں کبھی سود و زیاں کے پھول

تری سیرت کی خوشبو سے مشامِ آرزو مہکے
رہے انوار سے تیرے سبھی کا آشیاں روشن

یہی پہلا سبق ہے مکتب عشق و محبت کا
حضورِ حسن جا کر بے زبان و بے نشاں رہنا

حریمِ شعر میں تیرے سوا سجتا نہیں کوئی
حدیثِ عشق و مستی کا تو ہی عنوان ہے آقاؐ

غبارِ راہِ محبت سے دوستی کی ہے
تری ثنا کے لیے وقف زندگی کی ہے

پروفیسر محمد اکرم رضا

خلدِ سخن میں نعتِ ریاض

مرے قلم کا مقدر ہے وصفِ زیبائی

یہ میرا نہیں بلکہ بزمِ فطرت کا فیصلہ ہے کہ رحمتِ خداوندی جب کسی صاحبِ ایمان کے دل کے خلوت کدوں میں پوشیدہ عقیدتِ رسول ﷺ کی شدت کو اظہار کا متلاشی دیکھتی ہے تو اسے نعت گوئی کی توفیق عطا کر دیتی ہے۔ نعت فہمی سے نعت گوئی تک کے مراحل نعت گو پر یوں آشکارا ہوتے ہیں کہ اس کا وجدان حیرت و تحیر کے بحرِ بیکراں میں گم ہو جاتا ہے۔ وہ سوچتا ہے کہ کیا یہ میرا ہی قلم ہے جس کی نوک سے نعت کے لالہ و گل بہاروں کا تمام تر حسن سمیٹ کر پھوٹ رہے ہیں۔ نعت دل کے جبلِ نور سے اُبھرے یا افکار کے مطلعِ تاباں سے طلوع ہو، اس کے حسن کی ہمہ گیری اپنا اثاثۂ عشق آنے والی صدیوں تک پھیلا دیتی ہے۔ یہ بندۂ عاجز کے بس کی بات کہاں؟ یہ بشرِ کج مج بیان کی فکرِ عاجز کی آواز کہاں؟ یہ فقط اور فقط عطائے خداوندی ہے، عنایتِ مصطفوی ﷺ ہے۔ جب عنایتِ الٰہی اور لطفِ مصطفوی ﷺ ہم آہنگ ہو کر کسی کے فکر و نظر میں سما جاتے ہیں تو پھر وہ جو کچھ بھی کہتا یا لکھتا ہے تو وہ زمانے کی نگاہ میں مدحت و توصیفِ حضور ﷺ کی جامع ترین تعریف میں ڈھل جاتا ہے جبکہ شاعر اپنی عجز بیانی کے حصار سے باہر نکلنے کو بھی بے ادبی تصور کرتا ہے۔ اصحابِ نظر کے مطابق جب ایک طرف توصیفِ حضور ﷺ کے ستارے بکھر رہے ہوں اور دوسری جانب ستارے بکھیرنے والا ادب و احتیاط کے دامن میں پناہ لیے ہو تو یہی وہ لمحۂ مسعود ہوتا ہے جب نعت باطنی جذبات کو ظاہری اسلوب عطا کرتی ہے۔

جو قلب کو گرما دے جو روح کو تڑپا دے

ریاض حسین چودھری ایسے ہی خوش بخت ہیں جو ایک عرصہ سے نعت کہہ رہے ہیں۔ بعض اوقات تو ان کا اسلوب دیکھ کر بے اختیار احساس ہوتا ہے کہ یہ کہہ نہیں رہے ان سے کہلوایا جا رہا ہے، زہے قسمت، اگر ان لمحاتِ خوش بخت کا ادنیٰ سا حصہ بھی کسی کو دستیاب ہو جائے۔ ریاض حسین چودھری نعت میں کسی ریاض کے قائل نہیں بلکہ ممدوحِ نعت ﷺ کی عطائے بیکراں کے تمنائی ہیں۔ ریاض کی ضرورت تو انہیں ہوتی ہے جو نغمہ پیرائی کے لیے کسی ساز کی تلاش میں رہتے ہیں یہ تو ایسے رہ نوردِ شوق ہیں کہ عشق و نیاز و شوق کے سانچے میں ڈھل کر ہی سب کچھ حاصل کر لینا چاہتے ہیں۔ انہیں بجا طور پر احساس ہے کہ

عقیدت کی خموشی کو یہاں گفتار کہتے ہیں

یہ جذبہ ریاض حسین چودھری کے قلب و جاں میں مچلتا اور ان سے عقیدت کا بھرپور خراج لیتا نظر آتا ہے:

بفیضِ نعتِ رسولِ خدا ہے در آئی
بیان و نطق میں تخلیق کی توانائی
ہر ایک لفظ میں رکھتا ہوں آئنوں کا دماغ
مرے قلم کا مقدر ہے وصفِ زیبائی
حضورؐ، آپؐ کا شاعر غلام ابنِ غلام
ردائے ابرِ شفاعت کا ہے تمنائی

......

بیان و نطق کی رعنائیوں کے جھرمٹ میں
لبوں پہ پھول کھلیں خوشبوئے عقیدت دیں

ورق کا چاک ہے دامن، قلم ہے افسردہ
حضورؐ، اپنی ثنا کی مجھے اجازت دیں

یہ آپؐ کی عطا کا مسلسل کمال ہے
ورنہ لکھوں میں نعت، مری کیا مجال ہے!

نعت کا لفظ اور نعت کا مفہوم و مدعا ریاض حسین چودھری کی شاعری میں اس کثرت سے دکھائی دیتے ہیں کہ ہر چہار طرف خوشبوئے نعت دل و جاں کو معطر کرتی نظر آتی ہے ورنہ کئی شعرا کے ہاں دیکھا ہے کہ لفظِ نعت یا مفاہیم نعت تلاش کرنے کا ارادہ کریں تو دقّتِ نظری کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ بعض تو نعت میں جدت طرازی کے اس مقام پر آ گئے ہیں کہ نعت کا لفظ یا مفہوم ہی عنقا ہو گیا ہے۔ اس کے برعکس ریاض حسین چودھری اصحابِ نقد و نظر کے نزدیک نعت میں مسلسل مقصدیتِ فکر و نظر کا مظاہرہ کرنے والا غالباً واحد شاعر ہے جو نعت کے حسن کو کسی صورت بھی نگاہوں سے اوجھل نہیں ہونے دیتا۔ بلکہ نعت اُس وقت اپنے وجود کی عظمت کا ادارک بخشتی ہے جب نعت کے مفاہیم کو افکار کی زینت بنا کر صورت و سیرتِ حضور ﷺ سے روشنی لی جائے اور پھر اسے قرطاس و قلم کی زینت بنانے کا عزم کیا جائے۔ یہی عزم راہنمائے نعت بن جاتا ہے، نشانِ منزل کا روپ اختیار کر لیتا ہے اور خاک نشینوں کو مہر و ماہ کی طلعتوں سے جلوہ ہائے نور کشید کرنے کا اندازہ عطا کرتا ہے۔

ریاض حسین چودھری نے ''زرِ معتبر'' سے ''سلامٌ علیک'' تک نعت نگاری کا ایک طویل سفر طے کیا ہے۔ انہوں نے محض لفاظی کے لیے نعت نہیں کہی حالانکہ جو الفاظ نعت سے وابستہ ہو جائیں وہی زرِ معتبر ٹھہرتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ نعت ایک پیرایہ

اظہار ہے جس میں شاعر بارگاہِ رسول ﷺ میں زمانے بھر کی مسرتوں کے گلاب ہی نہیں بلکہ حالات کی کوکھ سے اُبھرنے والے رنج و آلام بھی پیش کر سکتا ہے۔ وہ تغزل کا سہارا لے کر جمالِ مصطفیٰ ﷺ کی لمعہ افشانیوں کی کہکشائیں بکھیر سکتا ہے۔ صورتِ مصطفیٰ ﷺ کے سدا بہار گلستانوں کی مہک سے زمانے کے مشامِ فکر کو معنبر کر سکتا ہے۔

ریاض حسین چودھری کا شمار اُن بلند ذکر شعرا میں ہوتا ہے جن کا آغاز غزل سے ہوا مگر جب نعت کے چمن زاروں میں پہنچے تو نعت کی صورت میں اپنے عہد کو معنبر کر گئے۔ تغزل ان کے ہاں بیان نہیں ہوتا بلکہ چٹکتی ہوئی کلیوں کی صورت میں پھوٹتا ہے، دلوں کے مطلع پر الہام کی صورت اپنے وجود کو ضو بخشتا ہے۔ تغزل تعریف کا محتاج نہیں بلکہ اشعار کی تاثیر انگیزی خود تغزل سے اپنی پہچان ڈھونڈتی ہے۔ ریاض حسین چودھری کے ہاں ایسی ہی بلند پروازی کا جائزہ لیجئے۔

طلوعِ مہر شفاعت سروں پہ چھائے گا
نہیں ہیں خوفزدہ ہمنوا قیامت سے
مشامِ جاں کو معطر کریں گے محشر تک
چنے ہیں پھول سمن زارِ شہرِ رحمت سے

......

دل میں خیالِ خلدِ مدینہ ہے اس لیے
دامن قلم کا چاند ستاروں سے بھر گیا
آداب حاضری کے تھے معلوم کب مگر
میں اپنے ساتھ لے کے یہی چشمِ تر گیا

......

سورج اُتر رہے ہیں فصیلِ شعور پر
نقشِ قدم کسی کا مری داستاں میں ہے
معراجِ آرزو ہے غبارِ رہِ حجاز
اوجِ خیال خاکِ درِ آستاں میں ہے

ریاض حسین چودھری کو بجا طور پر احساس ہے کہ وہ عصرِ حاضر میں جی رہے ہیں۔ زمانہ جوں جوں آگے بڑھتا ہے زبان و بیان کے تقاضے بھی نئی بلند پروازیوں کا تقاضا کرتے ہیں۔ خیالات کے لاہوتی پرندوں کی اڑان نئے آسمان تلاش کرتی ہے۔ گزشتہ ادوار کی تراکیب کے نطق سے نئی تراکیب اور نئے سے نئے استعارے، تشبیہات اپنے وجود کے شہود کے منتظر ہوتے ہیں۔ اگر شاعری کی حساسیت لفظ و آہنگ کی قید سے آگے نکل کر وقت کی تنگ نائیوں سے ماورا ہو چکی ہوتی ہے تو وہ احسن طریق سے ان تمام عصری جہتوں کو اپنے دامانِ نعت میں سمو لیتا ہے۔ وہ حالاتِ حاضرہ کے پرتو سے اُبھرنے والے واقعات و حوادث کا احاطہ کرتا ہے تو اس پر یہ حقیقت منکشف ہوتی ہے کہ یہ نئے تقاضے تو نئے مفاہیم و مطالب کو جنم دیتے ہیں یہ محض لفظیت کا شکوہ یا شعروں کا عصری بانکپن نہیں ہے کہ جن کی بنا پر شاعر اپنے ادبی قد و قامت میں اضافے کا متقاضی ہوتا ہے بلکہ زبان و بیان کی عصری لَے کی تاثر انگیزی کو سمجھتا اور اس سے متعلقہ اجزائے ترکیبی کو اپنے اشعار کی ترجمانی کا ذریعہ بناتا ہے تو دراصل یہ نعت کی عصرِ حاضر میں ہمہ گیریت، جامعیت اور بارگاہِ رسالت مآب ﷺ میں قبولیت و قربت کا تمنائی ہونے کا اہم ذریعہ ہے۔

بحمد للہ ریاض حسین چودھری کا شمار جدید فکر رکھنے والے اُن شعرائے نعت میں ہوتا ہے جنہوں نے عہدِ حاضر کے پیمانے میں خمستانِ حجاز کی مئے عقیدت ڈال کر اس کے

نشہء شوق کو مزید اثر انگیز بنا دیا ہے۔ ان کے ہاں جدید دور اپنی پوری والہانہ تب و تاب کے ساتھ بول رہا ہے۔ نعت فقط شاعری نہیں بلکہ یہ تو وارداتِ قلبی کا اظہار ہے اور جب اس وارداتِ قلبی کو عصرِ حاضر کی جدتوں کی شرح کمال کی پہچان ہو جاتی ہے تو شاعر تو ایک طرف، قاری کے قلب وفکر میں نئی ہمہ رنگی، نیا جوش، نیا خروش اور جدید لہجے کی حرارت کی بدولت سوز و گداز کی محبوب تر کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔

ریاض حسین چودھری کی کمندِ شوق سے نئی تراکیب وتشبیہات بمشکل ہی بچ کر نکلتی ہیں یہ جدید پیرایہ اظہار میں نعت کے قدیم حسن کو اس شان سے سموتے ہیں کہ افکار جھوم جھوم اُٹھتے ہیں۔

فصلِ یقیں اُگے جلی کشتِ خیال میں
امت کھڑی ہے قریہء شامِ وصال میں
جیسے شعورِ نو سے کوئی واسطہ نہیں
حیران چشم تر ہے رہِ پائمال میں
کب سے گرفتِ حَبْسِ مسلسل میں ہیں، حضورؐ!
آلودگی کا زہر ہے بادِ شمال میں

......

اسی در پر ادب سے بال و پر اپنے رکھے جائیں
اسی در پر ابد تک ہمسفر میرے، پڑا جائے
صبا سرگوشیاں کرتی رہی ہَے بوئے گلشن سے
سجی ہے نعت کی محفل، وضو کر کے، رکا جائے

خلدِ طیبہ کے اے موسمِ دلکشا میری اجڑی ہوئی کشتِ جاں میں اُتر
میرے ہونٹوں کی دہلیز پر پھول رکھ، چاند بن کر مرے آشیاں میں اُتر
وصل کی ساعتوں کی تمنا لئے، جی رہا ہے کوئی ہجر کے شہر میں
اے کرم کی گھٹا میرے آنگن میں آ، آنسوؤں سے لکھی داستاں میں اُتر

......

مرنے کے بعد بھی دے عشقِ نبیؐ کا موسم
میری لحد میں اُترے یہ روشنی کا موسم
لب پر جہالتوں کے کانٹے اُگے ہوئے ہیں
شاخِ ثنا پہ مہکے اب آگہی کا موسم

شاعرِ ''خلدِ سخن'' کو رب کریم نے جہاں محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ثنا گوئی کے لیے ہر دور میں ڈھل کر جدت طرازی کا سلیقہ وافر عطا کیا ہے وہاں یہ امر خاص طور پر قابلِ تحسین ہے کہ جدتِ ادا اور رفعتِ زبان و بیان کا کوئی سا پیرایہ اختیار کرتے ہوئے بھی انہوں نے ان مخصوص نظریاتی اور روحانی تقاضوں کو فراموش نہیں کیا جن سے نعت عبارت ہوتی ہے۔تشبیہات و استعارات اور تراکیب میں جدتِ بیان اپنی جگہ مگر ریاض حسین چودھری کے ہاں نعت کے حوالے سے وہی سوز و گداز، ادب و احتیاط، والہانہ پن، خودسپردگی، عجز و نیاز مندی اور نامِ رسول ﷺ پر مر مٹنے کے جذبات پوری شان کے ساتھ ملتے ہیں جو اوائلِ سفرِ نعت ہی سے ان کی نعت کا امتیاز رہے ہیں۔ان کے والہانہ پن کے انداز بے اختیار پڑھنے والوں کی آنکھوں کو عقیدت کا نم عطا کرتے ہیں۔ اس مقصد کی خاطر ان کے ہاں درود و سلام، ذوق وشوق،عقیدت و احترام کی بدولت تازگی،شگفتگی اور فکری تسلسل کے مظاہر اس کثرت سے ملتے ہیں کہ ان کی نعت گوئی اپنے کمال کو چھوتی

ہوئی محسوس ہوتی ہے۔ وہ لفظوں کے سوداگر نہیں بلکہ حسنِ عقیدت کے گہر ہائے گراں مایہ کے تمنائی ہیں۔ ان جواہر گراں بہا کو وہ اپنی خداداد جذباتیت سے حسنِ دوام عطا کرتے ہیں تا کہ گل و لالہ کے حسن سے رنگ و نور مستعار لینے کے بعد جب وہ انہیں بارگاہِ مصطفوی ﷺ میں نذر کرنے کی سعادت حاصل کریں تو پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی چشمِ رحمت انہیں مستقبل کے نعت گووں کے لیے نشانِ راہِ عقیدت بنا دے، ملاحظہ کیجئے:

آرزو کے گھروندے بناتے ہوئے شہرِ طیبہ کی گلیوں میں جائیں گے ہم
اور کسی کونے کھدرے میں اے ہمسفر! ایک چھوٹا سا گھر خود بنائیں گے ہم
ابرِ رحمت میں لپٹا ہوا ہے قلم، آبِ کوثر میں ڈوبی ہوئی ہے زباں
شہرِ حرف و بیاں کے مضافات میں پیڑ صلِّ علیٰ کے لگائیں گے ہم

......

ادب کا یہ تقاضا ہے بوقتِ حاضری، زائر
نگاہِ بے طلب سے لوحِ دل پر مدعا لکھے
میں ہر ساعت کے ہونٹوں پر گلابِ نعت رکھتا ہوں
بہارِ جاوداں میرے مقدر میں ثنا لکھے

......

کس وقت سر پہ، اُن کے کرم کا نہ تھا سحاب
کس وقت ہمرکاب شمیمِ سحر نہ تھی
ہر سانس کے تھا ہاتھ میں پرچم درود کا
مصروفِ نعت صرف مری چشمِ تر نہ تھی

ارضِ تمنا کی جذباتیت کس شاعرِ نعت کے پیشِ نظر نہیں رہی، نعت گو تو نعت کہتا ہی اس لیے ہے کہ رضائے رسول ﷺ کا منصب عطا ہو جائے مگر بات پیرایۂ سخن کی ہوتی ہے۔تمنائیں تو سب کے لب پر مچلتی ہیں اور بندہ نواز سب کو نوازتا ہے مگر ریاضؔ اُن خوش بختوں میں شامل ہیں جو عرضِ تمنا کرتے ہوئے عظمتِ حضور ﷺ کا تصور کرتے ہیں اور پھر اپنی بے سر و سامانی پر ایک نظر ڈالتے ہیں تو جذبے مچل مچل کر بھی سمٹ جاتے ہیں، احساسات اُبھر اُبھر کر بھی اپنی بے چارگی پر شرمندۂ سخن ہو جاتے ہیں مگر جب حضور ﷺ کی بیکراں رحمۃ اللعالمینی کا تصور ادراک کی زینت بنتا ہے تو وہ سب کچھ کہہ سنانے کا حوصلہ پیدا ہوتا ہے جسے انہوں نے قوتِ اظہار رکھتے ہوئے بھی ادب و احتیاط کے تقاضوں میں سلا رکھا ہوتا ہے یہ تو حضور ﷺ کی کرم نوازی ہے کہ حوصلۂ سخن گوئی بھی دیتے ہیں اور نویدِ قبولیت سے بھی نوازتے ہیں۔یہی وہ مقامِ شوق ہوتا ہے جب ریاض کے دل میں اپنی اور ملت کی پریشان حالیوں کے سرچشمے پھوٹنے لگتے ہیں کیونکہ وہ ایک زمانے سے بہتر جانتے ہیں کہ یہ وہ دربارِ کرم بار ہے جہاں بے نام جذبوں کو رعنائی قبولیت عطا ہوتی ہے اور یہاں ''نہیں'' کا تصور ہی نہیں ہے۔ ریاض کا دل ایک معصوم بچے کی طرح بلکتا ہے، ایک طائر بے پر کی طرح پھڑ پھڑا کر چشم حضور ﷺ کی عنایات میں کھو جاتا ہے۔لرزتے ہاتھ،خمیدہ و سرنہادہ افکار ان کی تمناؤں کی دنیا کا ہر گوشہ بارگاہِ رسالت مآب ﷺ میں پیش کر دیتے ہیں:

چھپا کر آپؐ کا اسمِ گرامی اپنے سینے میں
میں شہرِ ہجر میں ہوں اور رہتا ہوں مدینے میں
گناہوں کی دھری ہیں گٹھریاں کتنی مرے سر پر
ندامت ہی ندامت ہے ندامت کے پسینے میں

......

شجر اک بے ثمر ہے اور مَیں ہوں یا رسول اللہ
لہو میں تر سحر ہے اور مَیں ہوں یا رسول اللہ
سرِ مقتل ہوئی ہے قتل انسانوں کی بینائی
نوائے نوحہ گر ہے اور مَیں ہوں یا رسول اللہ

......

کوئی سکہ نہیں ہے جیب و داماں میں مگر پھر بھی
میں اَٹی سوت کی لے کر سرِ بازار رہتا ہوں
مری کشتی کو بھی اُمید کا ساحل نظر آئے
پسِ گرداب بہتا ہوں سرِ منجدھار رہتا ہوں

اپنا نوحۂ غم اور جذباتِ عقیدت بیان کرتے کرتے ریاض کو امتِ رسول ﷺ یاد آ جاتی ہے، وہ امت جس کے لیے حضور ﷺ ہمیشہ محو دعا رہا کرتے تھے جس کی بخشش کا ذکر وقتِ وصال بھی لبوں پر تھا اور قیامت کے روز آپ ﷺ کو جس کی بخشش کی فکر سب سے زیادہ دامن گیر ہو گی۔ ریاض امتِ حضور ﷺ کا فسانۂ الم بھی سناتے ہیں تو خود کو الگ نہیں سمجھتے بلکہ ان کا جذبہ یہاں بھی امت حضور ﷺ کی داستانِ رنج واَلم بیان کرتے ہوئے نمایاں ہے۔ ذرہ صحرا سے، قطرہ سمندر سے اور پھول گلشن سے کس طرح الگ ہو سکتا ہے۔ ریاض کی عرض گزاری کا انداز دیکھئے، تڑپ ہے، سوز و گداز بھی ہے، والہانہ پن بھی ہے، آنسوؤں کی چمک بھی ہے، جذبات کی شدت کی لپک بھی ہے، امت حضور ﷺ کی بے بسی پر ہر شعر میں پوشیدہ کسک بھی ہے لیکن حوصلہ ہے تو یہی کہ اُن ﷺ سے نہ کہوں تو کس سے کہوں؟

آقا حضورؐ، صرف ضعیفی کے جرم میں
سر پر ہمارے تاجِ فضیلت نہیں رہا

رسوائیوں کی گود میں لپٹے ہوئے بدن
قول و عمل میں نورِ مشیت نہیں رہا

......

جلیں گے اپنی ہتھیلی پہ کیا دیے آقاؐ؟
ہر ایک سمت سے طوفاں نے آن گھیرا ہے
ہر ایک سمت ہوا نے کماں اُٹھائی ہے
ہر ایک سمت تضادات کا اندھیرا ہے

......

ازل سے اپنے مفادات کے جو قیدی ہیں
وطن میں ان کی امامت سے خوف آتا ہے
منافقت ہے رقم جن کے دستِ قدرت پر
حضورؐ، ان کی عدالت سے خوف آتا ہے

......

اپنی تاریخ کے ہم ہی قاتل ہوئے
داستانوں میں اب داستاں بھی نہیں
خونِ مسلم کی ارزانیاں اس قدر
خوں میں تر حرف و نطق و بیاں بھی نہیں
مقتلِ شب میں ہے امتِ بے نوا
آج پہلی سی طرزِ فغاں بھی نہیں

ریاض حسین چودھری بھی کئی دوسرے شاعروں کی طرح غزل سے نعت کی دنیا میں آئے۔ میں نے یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح ضوفشاں دیکھی ہے کہ غزل سے نعت کی طرف آنے والے کا رنگ ہی جدا ہوتا ہے۔ لوگوں نے انہیں الگ تھلگ خانوں میں بانٹ رکھا ہے حالانکہ غزل تو پیرایۂ سخن ہے جس میں دیگر مضامینِ رنگ و بو کی طرح نعت کی لامحدود وسعتیں بھی سمٹ آتی ہیں۔ حقیقت تو یہی ہے کہ غزل جب باوضو ہو جاتی ہے تو جانِ نعت کہلاتی ہے۔ ''خلدِ سخن'' میں یہی جمالِ نعت شعر شعر میں جلوہ گر نظر آتا ہے۔ مترنم بحریں، حسنِ گویائی بخشتے ہوئے مصرعے، رعنائی تغزل لٹاتے ہوئے اشعار، حسیں تر قوافی، طویل اور مختصر بحروں کا انتخاب، کہیں ایجاز و اختصار، کہیں بلاغت کی جہاں افروزیاں، مضمون آفرینی کی رفعتیں، سمندر کو کوزے میں سمیٹتے ہوئے مضامین، ندرتِ خیال، جدتِ زبان و بیان، غرض انہوں نے ثابت کر دیا ہے کہ ان کی غزل گوئی نے گلستانِ نعت کی نکہتوں کا لبادہ اوڑھ کر دامانِ توصیفِ رسول ﷺ کو زر نگار بنانے کے لیے اپنے شب و روز کی تمام تجلیاتِ فکر نذر کر دی ہیں۔ طوالت کے خوف سے فقط دو اشعار نذر ہیں:

میری جبینِ شوق میں بھی جاگتے رہے
دہلیزِ مصطفیٰ کے مناظر تمام شب
گرتے رہے ہیں خیمۂ افلاک سے ریاضؔ
کشکولِ آرزو میں جواہر تمام شب

وہ گھمبیر حالات اور بے ثمر موسموں میں امتِ مسلمہ کے لیے سایۂ رحمتِ مصطفیٰ ﷺ تلاش کر لیتے ہیں۔ ان کی زندگی کا مرکز و محور ثنائے رسول ﷺ ہے اور یہی ثنا گوئی ان کے نطق و بیان کے قفل کھولتی اور ایوانِ نعت میں بہت سے پوشیدہ حسن اظہار کے منتظر شہ پارے منصۂ شہود پر لاتی ہے۔

ریاض نے ۱۹۹۵ء میں شائع ہونے والے اپنے اوّلین نعتیہ مجموعہ ’’زرِمعتبر‘‘ میں تحدیثِ نعت کے عنوان سے ایک خوبصورت تحریر رقم کی تھی جس کا اختتام ان فقرات پر ہوتا ہے:

’’ایک عجیب سی تمنا دل میں مچلتی رہتی ہے کہ مرنے کے بعد بھی جب سپاس گزاری کا یہ سلسلہ جاری رہے اور حشر کے دن جب ہجومِ تشنہ لباں میں مَیں بھی گم صم کھڑا ہوں تو حضور ﷺ فرمائیں کہ آؤ ریاض آج بھی کوئی نعت سناؤ اور میں بڑھ کر اپنے آقا ﷺ کے قدموں کو تھام لوں۔‘‘

شاید یہی آرزو ہے جس نے ریاض حسین چودھری سے نعت کے عنوان و موضوع اور مفہوم کے حوالے سے سینکڑوں اشعار کہلوائے ہیں۔ طویل ومختصر نعتیں اپنی جگہ مگر انہوں نے بطورِ خاص نعت کی لفظی معنویت کے حوالے سے اتنا کچھ لکھا ہے کہ اگر ایسے اشعار کا انتخاب کیا جائے تو لفظ نعت کے حوالے سے یہی ایک خوبصورت اور معنوی طور پر دلآویز مجموعہ نعت مرتب ہوسکتا ہے۔ دراصل نعت ریاض حسین چودھری کے خمیر میں رچ بس گئی ہے۔ ان کی صبحوں کا گداز اور شاموں کا نیاز فکرِ نعت سے ہی عبارت ہو کر رہ گیا ہے۔ نعت کے حسنِ معنویت کا عنوان رکھ کر وہ ایک دو اشعار میں بھی وہ سب کچھ کہہ جاتے ہیں جو انہوں نے ایک نعت میں کہنا ہوتا ہے ورنہ ہم نے تنقیداتِ نعت پر خامہ فرسائی کرتے ہوئے اکثر دیکھا ہے کہ لفظِ نعت پر نعت کی فکری ونظریاتی معنویت پر شاعر کے پورے نعتیہ مجموعے سے ایک دو اشعار بھی بمشکل دستیاب ہوتے ہیں۔ (الا ما شاء اللہ) ریاض خوش بخت ہیں کہ انہوں نے انداز بدل بدل کر نعت کے مقصد کو پورا اُجاگر کیا ہے کہ ان کا پورا مجموعہ نعت ایک لفظ ’’نعت‘‘ کے گرد گھومتا نظر آتا ہے۔ اس سے اندازہ کر لیجئے کہ عصرِ حاضر کے اس حکیمِ فرزانہ نے نعت سے توصیفِ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کتنے گلشن سجائے ہوں گے اور ان گلزاروں کے پھولوں اور پتیوں کو کس کس انداز سے

گلرنگ کیا ہو گا۔ ہم تصورات و خیالات کی بات نہیں کر رہے۔ زیرِ نظر مجموعۂ نعت اس حقیقتِ ازلی و ابدی کی گواہی خود دے رہا ہے۔

وقفِ ثنائے احمد مختارؐ ہے قلم
خیر البشرؐ کے عشق میں سرشار ہے قلم

اس نعت کا ہر شعر پیرایۂ اظہار تبدیل کر کے نعت کے نام پر وہ سب کچھ کہہ رہا ہے جو نعت گوئی کے بے شمار مضامین کا مدعا ہے:

محشر کے دن بھی دیکھنا میدانِ حشر میں
توصیفِ مصطفٰے کا علم دار ہے قلم

ریاض صرف حسین تر الفاظ ڈھونڈتے ہی نہیں ہیں بلکہ ان سے کام لینے کا انداز بھی جانتے ہیں انہیں بجا طور پر احساس ہے کہ تمام زبانیں اور ان زبانوں کے تمام الفاظ اور تمام تراکیب و استعارات کا بہترین مصرف ہی یہی ہے کہ یہ توصیفِ حضور ﷺ میں استعمال ہوسکیں۔ ریاض فقط لفظوں کا ذخیرہ دکھا کر اپنی جادوبیانی کی دھاک بٹھانے کے تمنائی نہیں بلکہ وہ تو الفاظ کو نعتِ مصطفٰے ﷺ میں اس طرح سجاتے ہیں کہ بجا طور پر احساس ہونے لگتا ہے جیسے یہ لفظ فقط اسی مقام پر استعمال ہونے کے لیے وجود میں آیا تھا۔

جہاں تک محبتِ رسول ﷺ کا تقاضا ہے تو ریاض حسین چودھری وفورِ شوق میں اس قدر آگے بڑھ جاتے ہیں جہاں یہ خواہش جنم لیتی ہے کہ ان کی یہ محبت لاشریک ہو۔ ایسا ہونا ممکن تو نہیں مگر ان کی آرزوؤں کی تپش، ان کے جذبوں کی دل افروزگی، ان کے اشعار میں لفظ لفظ سے پھوٹتی ہوئی دیدِ حضور ﷺ کی آرزو، تاریخ ادب کی بہترین تشبیہات و تراکیب کو اسمِ محمدی ﷺ کی تابانیوں کی نذر کرنا، عشقِ حضور ﷺ میں بہتے ہوئے آنسوؤں کو

زمانے بھر کے عشاق کی ترجمانی کا حسن عطا کرنا، خیالات و احساسات کی بلند پروازی کا مرکز و محور فقط ذاتِ حضور ﷺ ہی کو قرار دینا، فرسودہ و پامال تراکیب، حسنِ عالمگیری سے مرصع کرنا، اپنے نالہء شوریدہ کو دورِ حاضر کی صدائے دردناک کی لے عطا کرنا، صورتِ سیّدِ کائنات ﷺ کے چاند تارے روشن کر کے ظلماتِ وقت کو اُجال دینے کا اہتمام کرنا، سیرت و کردار محمد ﷺ سے خوشہ چینی کر کے بھٹکے ہوئے آہو کو سوئے حرم روانہ ہونے کا حوصلہ بخشنا، دلِ تنہا کی ہوک کو خزاں رسیدہ گلشنوں میں پر جلے شوریدہ سر بلبلوں کو جہاں آفریں کوک عطا کرنا، یہ سب محض الفاظ کی سحر کاری نہیں بلکہ عشق و عقیدتِ مصطفیٰ ﷺ کے کوچہ دلآویز کی گرم بازاری ہے جہاں جانے کے لیے تو تمناؤں کے ساحل اپنا دامن پھیلا دیتے ہیں مگر واپسی کے لیے اپنے ماحول کی نگاہوں سے اوجھل ہونے کی دعا کرنا پڑتی ہے۔ یہاں ریاض کا قلم نعت رقم کرتے کرتے جلوۂ صد رنگ میں سرمست ہو جاتا ہے اور یوں محسوس ہوتا ہے کہ مدینہ طیبہ سے واپسی کا سفر ہے، کون کون سی آرزوؤں کے چراغ روشن کیے بیٹھے ہیں، دل واپسی کو چاہتا بھی ہے مگر غیر محسوس جذبے مختلف آرزوؤں کے حوالے انہیں واپسی سے روکتے ہوئے محسوس ہوتے ہیں:

لکھا ہے اسمِ حضورؐ جس پر قلم وہ ایسا خرید کر لوں
میں اُنؐ کے دامن سے آج بھی کچھ حسین موسم کشید کر لوں
حروف طاقِ دل و نظر میں چراغ بن کر جلیں سحر تک
یہ چاہتا ہوں مَیں اپنے جذبوں کی آنچ اتنی شدید کر لوں
چراغ پلکوں پہ رکھ رہا ہوں مری شریک سفر، ہواؤ
اگرچہ دامن تہی ہے لیکن میں کچھ تو سامانِ دید کر لوں

مرے بھی ہونٹوں پہ قافلے خوشبوؤں کے جشنِ طرب منائیں
خیالِ شہرِ نبیؐ سے تھوڑی سی مَیں بھی گفت و شنید کر لوں
میں دل کے سادہ ورق پہ توصیفِ مصطفیؐ کی سجا دوں کلیاں
شریکِ حرف ثنا چمن کو اے میرے ذہنِ جدید کر لوں
ازل سے اشکوں کے آئنوں میں نقوشِ پا کا ہے عکس روشن
میں دیدۂ تر میں تیز عشقِ نبیؐ کی لَو کو مزید کر لوں

ریاض کی زیرِنظر جدید نعت میں پابند نعتوں کے پہلو بہ پہلو آزاد بحروں میں کہی ہوئی نعتیں بھی ہیں جن سے ان کی نعت کے میدان میں مزید جامعیت کا احساس ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ انہوں نے کچھ نعتوں کے عنوانات بھی قائم کیے ہیں مثلاً ''گنبدِ خضرا ہے میرے سامنے لاہور میں'' السلام اے کاشف سرِ نہاں، التجائے امت، اکیسویں صدی کی پہلی دعائیہ نظم، صدی آشوب، منظر نامہ (نعتیہ سانیٹ) التماس، درود پڑھنا، سلام کہنا، غبارِ شب کی گرفتِ ناروا سے رہائی، فقط، حسنِ طلب وغیرہ دراصل ان منظومات، قطعات، سانیٹ اور آزاد نظموں کے ذریعہ ریاض حسین چودھری کا مقصد نعت کو نئے تجربات کی نذر کرنا نہیں بلکہ اس کی بدولت وہ سب کچھ کہہ دینا چاہتے ہیں جو قافیہ ردیف کی پابندیوں کی بدولت ممکن نہیں ہے۔ بہرحال نعتِ حضور ﷺ کی بہار جاں فزا اِدھر سے چلے یا اُدھر سے، بات تو ایک ہی ہے:

مت الجھنا ہم غلامانِ پیمبرؐ سے ریاضؔ
تاجِ شاہی ہے ہماری ٹھوکروں میں آج بھی

بلاشبہ ''خلدِ سخن'' دورِ حاضر کی بھرپور ترجمانی کے لحاظ سے نعت کی دنیا میں انتہائی قیمتی اثاثہ ہے، ریاض حسین چودھری کی ذات اور نعت گوئی اپنے مخصوص اسلوبِ نعت کی بدولت نہ پہلے محتاجِ تعارف تھی اور نہ اب ہے۔ میری دعا ہے کہ اُن کے خامہء نور سے یوں ہی ستارے طلوع ہوتے رہیں اور ان کی نعتیہ تگ و تاز اِسی شان سے تاریخِ نعت کا اعزاز بنتی رہے۔

سلطان ناصر - دربار حضرت سلطان باھوؒ

ریاض کی نعت کے رموزِ عشق کی پڑتال

وحی الٰہی کا آغاز کلمہ ''اقرأ'' سے ہونا کوئی اتفاقی امر نہیں بلکہ رب حکیم کی حکمتوں کا غماز ہے۔ نبی امی ﷺ کے قدمَین مبارک سے علم و حکمت کے جو سوتے پھوٹے انہوں نے جہاں بھر کے بنجر سینوں کو سیراب کیا۔ قرآن کریم نے تفکر، تدبر اور سیر فی الارض کا جابجا درس دیا۔ حدیث مبارکہ میں کہیں طلب علم کو مسلمانوں کے لیے لازم فرمایا گیا تو کہیں مہد سے لحد تک حصولِ علم کا درس دیا گیا۔ کہیں علم کے لیے چین تک کے دشوار گزار سفر کی ترغیب دی گئی تو کہیں پڑھنا لکھنا سکھانے پر جنگی قیدیوں کو بھی آزاد کرنے کا حکم دیا گیا۔ نتیجتاً امت مسلمہ کے روشن ستارے علوم وفنون کے افلاک پر کئی صدیوں تک جگمگاتے رہے۔ مسلمانوں نے نہ صرف موجودہ علوم وفنون کو قابلِ قدر ترقی بخشی بلکہ کئی نئے علوم متعارف بھی کرائے۔

علوم دوطرح کے ہیں۔ ایک وہ جو کسی تہذیب سے مخصوص نہیں بلکہ ہر قوم نے ان سے استفادہ کیا ہے، جبکہ دوسرے وہ جن پر کوئی ایک قوم یا تہذیب خاص دسترس رکھتی ہے۔ چنانچہ مسلمانوں نے اپنے عہدِ زرّیں میں نہ صرف عمومی علوم مثلاً فلسفہ اور سائنس وغیرہ میں قابلِ قدر خدمات سرانجام دیں بلکہ بعض نئے علوم کی طرح بھی ڈالی۔ ان مخصوص علوم میں علمِ اسماء الرجال، خطاطی اور نعت گوئی وغیرہ شامل ہیں (خطاطی کی روایت اگرچہ دیگر تہذیبوں میں بھی ملتی ہے مگر جس اہتمام سے اسے ملتِ بیضا نے اختیار کیا ہے اُس نے گویا اِسے مخصوص علوم کی صف میں شامل کردیا ہے)۔ نعت نگاری بھی امت مسلمہ کا عالمی علم و ادب کے لیے ایک بیش بہا تحفہ ہے۔ نعت بیک وقت علم بھی ہے، فن بھی اور جمالیاتی خزینہ بھی۔ زیرِ نظر سطور میں نعت کی اِن تینوں جہات پر جناب ریاض حسین چودھری مرحوم (1941ء۔ 2017ء) کی نعت نگاری کے حوالے سے اجمالی کلام کرنے کی

کوشش کی جائے گی مگر اس سے قبل مرحوم کے ساتھ اپنی پہلی ملاقات اور قلبی تعلق کا ذکر کرنا چاہوں گا۔

یہ 8 نومبر 2014ء کی ایک سہانی شام کا واقعہ ہے۔ سیالکوٹ کے انوار کلب میں ضلعی انتظامیہ کی جانب سے تقریباتِ یوم اقبالؒ کے سلسلہ میں مشاعرہ انعقاد پذیر تھا۔ ملک بھر سے سینئر شعرا اسٹیج پر موجود تھے اور آصف بھلی صاحب نقیب محفل تھے۔ تلاوتِ کلام مجید کے بعد ریاض حسین چوہدری مرحوم کو دعوت دی گئی کہ وہ شہرِ اقبال (سیالکوٹ) کی نمائندگی کرتے ہوئے ہدیہ نعت پیش کریں۔ اُن کی شخصیت میں متانت اور وقار ایک ایسی جمالیات میں گُندھا ہوا تھا جو عشاق کا خاصہ ہے۔ مجھے سیالکوٹ میں تعینات ہوئے ایک سال گزر چکا تھا اور اس روز مرحوم سے میری پہلی ملاقات ہوئی۔ انھوں نے یوم اقبال کی مناسبت سے جو دو اشعار سنائے وہ اس لطیف رشتہ کے غماز تھے جو ہر محبّ کے دل کو محبوب کی چوکھٹ سے جوڑے رکھتا ہے۔ ہر محبت کرنے والا اپنے ہی نرالے انداز میں محبوب سے کوئی رشتہ جوڑ لیتا ہے۔ شہرِ اقبال کے اس عاشقِ صادق کی زبانی عرضِ حال سنیئے:

اقبال کی زمیں سے حرم کی زمین تک
اشکوں نے جو کیا ہے چراغاں قبول ہو
جھوم کے اُٹھے گھٹا ارضِ محمد سے ریاضؔ
شہرِ اقبال کی مٹی کا مقدر جاگے

اِن دو اشعار کے بعد انھوں نے اپنی معروف طویل غزلیہ نعت کے چند اشعار سنائے جس کا مطلع یوں ہے:

برستی رہتی ہیں ساون کے بادلوں کی طرح
حضورؐ، میری بھی آنکھیں مرے بڑوں کی طرح

اِس مطلع میں ایک خاص درد ہے جسے وہ لوگ خوب محسوس کرتے ہیں جنھیں نسل

درنسل دولتِ عشقِ مصطفیٰ ﷺ حاصل رہی ہو۔ چند ماہ بعد برادرم محمد افضل بٹ (چیئرمین زاویہ فورم سیالکوٹ) میرے پاس آئے اور مجھے ریاض حسین چوہدری مرحوم کے مشفقانہ دستخط کے ساتھ اُن کا نعتیہ مجموعہ ''غزل کاسہ بکف'' تحفہ پہنچایا۔ اس مجموعہ کے سرورق پر اُسی نعت کے اشعار درج تھے جو مشاعرہ میں سنے گئے تھے۔ انہی دنوں مجھے پہلی بار بیت اللہ عزوجل و بیت الرسول ﷺ کی حاضری کا شرف نصیب ہوا۔ میں نے اپنے بڑوں سے سن رکھا تھا کہ مسجدِ نبوی ﷺ میں اصحابِ صفہ کے چبوترے سے پرے صحن میں ایک مقام ہے جہاں ہمارے گھرانے کے اکابر بیٹھا کرتے تھے۔ اس مقام پر بیٹھنے میں کئی رمزیں ہیں۔ پہلی رمز یہ کہ یہاں سے حجرہ اقدس نظر کے سامنے ہونے کے باوجود قدرے فاصلے پر ہے، بمصداق

دور بیٹھا غبارِ میرؔ اُس سے
عشق بن یہ ادب نہیں آتا

دوسری رمز یہ کہ یہاں بیٹھ کر تلاوتِ کلام مجید یا وردِ درودِ پاک کرتے ہوئے جونہی نگاہوں کو طلب نظارہ ہو سامنے دیکھئے اور سنہری جالیوں کے منظر سے روح کو سیراب کیجئے۔ پھر نظر کو ذرا اور اٹھایئے اور سبز گنبد کی ہریالی سے من کی پیاس بجھایئے۔ آنکھوں کی بنجر زمینوں میں فوراً جل تھل ہوجائے گا۔ اب چاہیں تو تلاوتِ کلام مجید سے دانش کو تیز کریں یا درودِ پاک سے محبت کو مہمیز کریں۔ تیسری رمز یہ کہ یہاں سے بیٹھے ہوؤں کے لیے سمتِ کعبہ اور سمتِ کعبہ ٔ کعبہ ایک ہی ہے لہٰذا عشاق کو دربانوں کے تُند و تیز جملوں سے بچنے کا حیلہ مل جاتا ہے۔ خیر، مجھے اس مقام پر قیام کی سعادت ملی تو کئی بار یوں ہوتا کہ درودوں کے پھولوں کو آنسوؤں کے دھاگوں میں پروکر، گجرے بنا بنا کر آپ ﷺ کی بارگاہ میں پیش کرتا اور عرض کرتا کہ حضور ﷺ اپنے غلام ابنِ غلام ابنِ غلام کا نیاز قبول ہو۔ ان مواقع پر مجھے ریاض حسین چودھری مرحوم کا وہی شعر یاد آتا اور اسے بارگاہِ اقدس میں پیش کیا کرتا۔

برستی رہتی ہیں ساون کے بادلوں کی طرح
حضورؐ، میری بھی آنکھیں مرے بڑوں کی طرح

اوپر مَیں نے کہا تھا کہ نعت بیک وقت علم بھی ہے، فن بھی اور جمالیاتی خزینہ بھی۔ آیئے اب ریاض حسین چوہدری مرحوم کی نعت گوئی میں اِن امور پر بات کرتے ہیں۔

ریاض حسین چوہدری مرحوم کی نعت میں استغاثہ، بیانِ شمائل، اظہارِ محبت اور تمنائے حاضری وحضوری تو ہے ہی مگر ساتھ ساتھ قاری کو اچھا خاصا علمی مواد بھی مل جاتا ہے۔ عقائد و اعمال کے مسائل کا نقلی وعقلی استدلال نہایت دلنشین پیرائے میں کیا گیا ہے۔ اس ضمن میں خاص طور پر طویل نظم ''طلوعِ فجر'' قابل ذکر ہے جس میں پانچ سو بند ہیں اور ہر بند 12 مصرعوں پر مشتمل ہے۔ 12 کے عدد کا تعلق ظاہر ہے کہ 12 ربیع النور سے ہے اس طویل نظم کا ہر بند اس مصرع سے کھلتا ہے۔

افلاک پر ہے دھوم کہ آتے ہیں وہ رسولؐ

یہ نظم کیا ہے گویا جشنِ ولادت حبیبﷺ کا ایک ترانہ ہے جس میں جابجا عقائد و اعمال کی وضاحتیں دلائل و براہین کے ساتھ نظم کی گئی ہیں۔ اُن کی عقیدت و محبت گویا علمیت میں گُندھی ہوئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اُن کی نعت کمالِ مودّت میں بھی حزم و احتیاط کا دامن نہیں چھوڑتی۔

ہمارے ممدوح ریاضِ نعت میں اپنے عجز کے ساتھ فنی طمطراق لیے داخل ہوئے۔ وہ اوزان و بحور پر گرفت رکھنے والے غزل کے ایک پختہ کار شاعر تھے۔ اُن کا فلسفۂ نعت گوئی ہی ایسا تھا۔ ''پاک شو اول و پس دیدہ برآں پاک انداز'' کے تحت بزرگوں نے جس طرح بارگاہِ اقدس میں حاضری سے قبل خود کو پاک کرنے کی شرط رکھی ہے اسی طرح ریاض حسین چوہدری مرحوم کے نزدیک ریاض نعت میں داخل ہونے سے قبل خود کو

خوشبوئے فنِ شعر سے معطر کر لینا لازم ہے۔ ''غزل کاسہ بکف'' کے پیش لفظ میں کچھ یوں رقمطراز ہوتے ہیں:

''حریمِ غزل تو نعت گو کا تربیتی کیمپ ہے جہاں اس کی تخلیقی صلاحیتوں کو جلا ملتی ہے کہ جب شاعر بارگاہِ حضورﷺ میں دل کے آبگینوں کا نذرانہ پیش کرنے کی سعادت حاصل کرے تو اس کا تخلیقی وجود بھی ادب و احترام اور شعری وژن کے احرامِ مقدسہ میں لپٹا ہوا ہو۔ چمن زارِ غزل میں جذبات و احساسات کی حنا بندی کے بغیر منصبِ نعت سنبھالنا بہت بڑی ادبی جسارت ہے۔ اس بے ادبی کے قریب بھی نہیں پھٹکنا چاہیے۔''

اُن کے ہاں فنی طمطراق تو ہے مگر آوُرد کا کہیں گمان نہیں ہوتا۔ ملمع کاری کا کوئی شائبہ نہیں۔ یہ ایک دشوار مقام ہے کہ فن کے تقاضے بھی پورے ہوں اور مصنوعی پن بھی نہ ہو۔ یہ اسی صورت میں ممکن ہے جب نعت گو بطورِ شاعر فن کی بھٹی میں پک کر نکلے اور بطور امتی اپنے آقاﷺ سے والہانہ محبت رکھتا ہو۔ اشعار از دل خیزد و بر دل ریزد کی مثال ہیں۔ قلم میں ایک عجیب روانی ہے۔ اُن کی طویل نعتیہ نظمیں اور صنفِ غزل میں دو نعتیہ، سہ نعتیہ، چہار نعتیہ اور ہشت نعتیہ اس دعویٰ کی دلیل ہیں۔

ایں سعادت بزورِ بازو نیست

اس روانی کے متعلق خود کہہ گئے ہیں۔

فضائے نعت میں اڑتے ہوئے نہیں تھکتا
مرا قلم بھی ہے جبریلؑ کے پروں کی طرح

ریاض حسین چوہدری مرحوم کی نعت میں علمیت اور کمالِ فن ہی نہیں بلکہ جمالیاتی تاثر کا بھی کمال وفور ہے۔ عالمانہ دانش اور فنکارانہ مہارت کی خاک جب جمالیاتی پانی میں گُندھی جاتی ہے، تب کہیں جا کر یہ کوزہ گری مکمل ہوتی ہے۔ اللہ جمیل ویحب الجمال۔ اور

پھر جسے صاحب الجمالﷺ کی محبت نصیب ہوجائے اس پر حسن و جمال کے خزانے کیوں نہ کھل جائیں۔ ذیل میں ایک بند پیش کیا جاتا ہے جس میں ہمارے ممدوح اپنا فلسفۂ نعت پیش کرتے ہیں۔ اِس کا جمالیاتی تاثر بھی ملاحظہ ہو۔

نعت کیا ہے، لب بہ لب طیبہ کے میخانے کا نام
نعت کیا ہے، آنسوؤں کے رقص میں آنے کا نام
نعت کیا ہے، لوحِ دل پر پھول بکھرانے کا نام
نعت کیا ہے، اُن کی چوکھٹ پر مچل جانے کا نام
نعت کہنے کے لیے دل پاک ہونا چاہیے
غرقِ الفت دیدۂ نمناک ہونا چاہیے
نعت کیا ہے، وادیء شعر و سخن کا افتخار
نعت کیا ہے، خوشبوؤں کا صحنِ گلشن میں نکھار
نعت کیا ہے، رات کے پچھلے پہر کا انکسار
نعت کیا ہے، اک عطائے رحمتِ پروردگار
دل کی ہر دھڑکن کہے یا مصطفیٰ تو نعت ہو
حکم دے میرے قلم کو جب خدا تو نعت ہو

دعا ہے کہ رب العالمین عزوجل بطفیلِ رحمۃ للعالمینﷺ ریاضِ نعت کے اس گلِ رعنا کی قبر کوخوشبوئے مدینہ سے معطر رکھے۔ آمین

راجا نیر روزنامہ الشرق

جدید تخلیقی طرزِ احساس کا شاعر

میری زباں پر بھی شبنم درود کی ہے
مرا قلم انہیؐ کا، نطق و بیاں انہیؐ کا

نعتیہ شاعری کا آغاز نبی اکرمﷺ کی حیات مبارکہ ہی میں ہوگیا تھا۔نعتیہ ادب اول و آخر عشق رسالت مآبﷺ کے باعث لمس تخلیق سے آشنا ہوتا ہے۔آپ کے عہد میں حضرت حسان بن ثابتؓ وکئی صحابہ کرامؓ نے آپ کی ذات مبارکہ کے عشق کی بدولت نعتیں کہیں اور آپﷺ خود ان کی نعتیں ذوق وشوق سے سماعت فرمایا کرتے تھے۔نعت نگاری کی یہ حسین روایت اردو شاعری کی ابتدا ہی سے اردو شاعری کرنے والے شعرا کے ذہنِ رسا سے پھوٹنے لگی اور تاحال نعت نگاری کا سلسلہ جاری و ساری ہے۔عہد حاضر میں ریاض حسین چودھری کا نام چند اہم نعت گوشعرا کے ساتھ سرِ فہرست لیا جاتا ہے۔اب تک ریاض حسین ہیں اور انہیں جدید نعت گو شاعروں میں نمایاں مقام حاصل ہے۔ریاض حسین چودھری شہر اقبال سیالکوٹ میں رہائش پذیر ہیں۔

ریاض حسین چودھری کی نعتیہ شاعری کے حوالے سے جناب حفیظ تائب نے ان کے نعتیہ مجموعے ''رزق ثناء'' کے حوالے سے بات کرتے ہوئے لکھا تھا کہ

> ''جدید اردو نعت کا کوئی مختصر سے مختصر تذکرہ بھی ریاض حسین چودھری کی نعتیہ شاعری کا بھرپور حوالہ دیئے بغیر مکمل نہیں ہوسکتا۔ان کا شمار عہد جدید کے صفِ اول کے نعت نگاروں میں ہوتا ہے۔ریاض حسین چودھری نے نہ صرف جدید نعت میں افکار تازہ کی نمود کے مقفل دروازوں کو کھولنے کا اعزاز حاصل کیا ہے بلکہ مضامینِ نعت کو شعورِ عصر کے ساتھ ہم آہنگ کرکے ایک

ایسا اجتہادی کارنامہ بھی سرانجام دیا ہے جو لمحہ موجود میں ہی نہیں دَورِ آئندہ میں بھی تشکیک و ابہام کی گرد آلود فضا میں مینارہ نور ثابت ہوگا۔''

حفیظ تائبؒ کے ان خوبصورت اعترافی جملوں کے بعد ریاض حسین چودھری کی نعتیہ شاعری سے والہانہ وابستگی اور ان کی نعتوں میں شامل ہنر دری، جدیدحسیت اپنا آپ منوانے کے لیے کافی ہے۔معروف شاعر و محقق جناب ڈاکٹر خورشید رضوی نے ریاض حسین چودھری کی نعتیہ شاعری کے حوالے سے یوں اظہار کیا ہے

''ریاض حسین چودھری کی نعت بنیادی طور پر اس والہانہ جذبے سے عبارت ہے جو ان کے لیے زادِ سفر اور وسیلہ بخشش جامیؒ و بوصیریؒ و رضاؒ کے قبیلے سے مربوط کرتا ہے۔ تاہم اس جذبے میں عصری مسائل کے شعور اور آشوبِ ملت کے احساس کا وہ موثر امتزاج بھی شامل ہے جو انہیں آج کے ایوان نعت میں نمائندہ حیثیت عطا کرتا ہے۔''

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جدید طرز احساس اور طرز بیاں کس طرح واضح ہوتا ہے، تو اس پر تھوڑی سی توجہ دینے سے یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ نعت خوانی کے تمام تر معاشی ثمرات اپنی جگہ، تاہم ان میں شامل اشعار بھی کسی حد تک عام آدمی کے جذبات و احساسات کو ماسوا گرمانے کے تخلیقی سطح پر کچھ بہتر عملی صورت سے بہرہ ور نہیں ہوتے۔ جبکہ عشق رسول ﷺ میں ڈھلے بے لوث غلام نعت گو شاعر اپنے نعتیہ اشعار میں نبی کریمؐ کی حیات طیبہ، سیرت مبارکہ، احادیث کے حوالے اور قرآن کریم میں بیان کیا گیا سرکارِ دو عالم ﷺ کا اسوۂ حسنہ بیان کرکے جس مقام سرفرازی و سرشاری سے گزرتے ہیں وہ دنیا داروں کو کبھی نصیب نہیں ہوتا۔ ریاض حسین چودھری بھی ایسے کمٹڈ شاعر ہیں کہ جنہیں دنیا سے کوئی سروکار نہیں۔ وہ تو اللہ کے فرمان کی بجا آوری کے لیے اپنے آقاؐ کی تعریف کرنے اور ان کی امت کے مسائل اور دکھ درد کے حل کے لیے ملتجانہ انداز میں ان تک نعتیہ اشعار کے ذریعے عرض گزارتے رہتے ہیں۔

چراغ نعت جلتے ہیں مرے چھوٹے سے کمرے میں
مرے آنگن کی چڑیاں بھی درود پاک پڑھتی ہیں

یہ ہے وہ جدید تخلیقی طرز احساس جو عہد حاضر میں نعتیہ اشعار میں ریاض حسین چودھری یوں اپنے احساسات و جذبات بیان کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ قطعہ

قلم ازل سے مقرر مرا ثنا پر ہے
کرم، رسول مکرمؐ کا بے نوا پر ہے
در حضور کو چوما ہے میں نے پلکوں سے
مرا نصیب بلندی کی انتہا پر ہے

سوائے نعت کے میرا حوالہ اور کیا ہوگا
مری پہچان بس حرف ثنا ہے یارسول اللہ

میرے آنگن میں بسیرا کیا کرے گی تیرگی
میں اٹھا لایا ہوں طیبہ سے شریعت کے چراغ
عمر طویل اس لیے مانگی ہے اے خدا!
اشعار نعت لاکھوں کروڑوں رقم کروں

اڑتی رہتی ہیں درودوں کی سنہری تتلیاں
بادلوں کو حکم دے جنگل پہ برسیں ٹوٹ کر

اے خدا! رکھنا غریبوں کی سلامت جھگیاں

مجھے محسوس ہوتا ہے ابھی تک ہوں مدینے میں

حروفِ التجا کا ذائقہ میری زباں میں ہے

مرے آقاؐ کی عظمت کا تصور ہی نہیں ممکن

خدا کے ساتھ اسم مصطفیؐ حرف اذاں میں ہے

ریاض حسین چودھری کے درج بالا اشعار میں ان کی درد مندی، حضور سے والہانہ محبت، عاجزی، وارفتگی اور عصری شعور کی بے پناہ بصیرت کو دیکھتے ہوئے ان کے لیے بے اختیار زبانِ دل سے دعائیں نکلتی ہیں۔ بحیثیت شاعر جب ہم ان کا نعتیہ کلام پڑھتے ہیں تو حقیقتاً انگشت بدنداں رہ جاتے ہیں۔ ایسے ایسے منفرد مضامین خیال کی نویکلتا، زبان و بیان کی تازگی، لب و لہجے کی ندرت کیا کچھ ہے جو نعتیہ شاعری کے باب میں نوواردوں کے لیے رہنمائی اور شرف توقیر کا باعث ٹھہرتا ہے۔

میں برادرمحترم زاہد بخاری کا ممنون ہوں کہ ان کی وساطت سے زم زمِ عشق کا نسخہ میسر آیا اور میں نے بھی ریاض حسین چودھری کے تازہ مجموعے سے پھوٹنے والی روشنی کے سبب روحانی وقلبی حرارت پالی۔

ریاض حسین چودھری کے اس مجموعہ ''زم زم عشق'' پر ایک طویل مضمون لکھنے کی سعادت حاصل کرنے کے وعدے کے ساتھ آپ کی نذر ریاض حسین چودھری کی ایک نعت:

کتابِ مدحتِ سرکارؐ پر ابرِ کرم برسے
ورق کا چوم کر ماتھا محبت کا قلم برسے

کرم کے پھول مہکیں دیدہ و دل کے گلستاں میں
مطافِ کعبۂ دل پر چمن زارِ حرم برسے

ظہورِ عظمتِ ماضی کے دن پھر لوٹ کر آئیں
پیمبرؐ کے غلاموں پر وہی جاہ و حشم برسے

کئی بوجہل پیدا ہورہے ہیں اس زمانے میں
عدوئے سرورِ کونینؐ پر خاکِ عدم برسے

خدا کے فضل و رحمت کی گھٹائیں جھوم کر اٹھیں
نبیؐ کے جاں نثاروں پر شجاعت کے علَم برسے

سوا نیزے پہ خورشیدِ قیامت ہو تو ہونٹوں پر
درودوں کی لیے رم جھم فضائے کیف و کم برسے

مدینے کے سفر کا ایک اک لمحہ خوشی کا ہے
کسی ویران صحرا پر گھٹائے رنج و غم برسے

بفیضِ نعتِ ختم المرسلینؐ اے خالق و مالک
حصارِ خشک سالی میں مرے کھیتوں پہ نم برسے

جہالت کے اندھیرے جب مسلط معبدوں پر تھے
جنابِ سیدِ ساداتؐ کے نقشِ قدم برسے
بہت افسردہ تھا شاعر، بہت بے تاب تھا شاعر
یکایک پھر تخیّل پر حروفِ محتشم برسے

طلب تجھ سے کیا جب آمنہؓ کے لالؐ کا صدقہ
کئی فضل و کرم کے پھول مجھ پر دم بہ دم برسے

ریاضؔ بے نوا اک لفظ بھی کہنے سے قاصر ہے
خدایا! اس کے ہونٹوں پر کلامِ محتشم برسے

سید سلطان عارف

زرِ معتبر، ایک منفرد اسلوبِ نعت

ریاض حسین چودھری کا نام شاعرِ نعت کے حوالے سے کسی تعارف کا محتاج نہیں ہے۔ حب رسول اور حضرت محمدﷺ سے بے پناہ عقیدت نے ان کو خیالوں کی وہ رفعت اور الفاظ و معانی پر وہ قدرت عطا کردی ہے کہ ثنائے رسولﷺ کے لیے اظہار کے ذرائع خود راستہ بناتے چلے گئے ہیں۔ یہ محبت وعقیدت کی انتہا کا اعجاز ہے کہ وہ جب نعت کہنے پر آتے ہیں تو بقول غالب

آتے ہیں غیب سے یہ ضامین خیال میں

ایک چڑھی ہوئی ندی کی طرح کوئی رکاوٹ ان کے سد راہ نہیں ہوتی۔ وہ نعت گوئی کی تمام روائتی اقسام سے ہٹ کر شعر کہتے ہیں اور اکثر جگہوں پر وفور محبت میں خود حضورﷺ سے بڑے بے تابانہ انداز میں محو کلام نظر آتے ہیں۔ وہ ایک عرصے سے نعت کہہ رہے تھے اور ان کی ہر نعت اور نعت کا ہر شعر انفرادیت لیے ہوتا تھا اور صاف گواہی دے رہا ہوتا کہ نعت کا یہ بے ساختہ پن، یہ اوجِ خیال اور خوبصورت الفاظ و معانی کی یہ بندشیں دوسرے تمام شعرا سے ہٹ کر ہیں۔

انہوں نے پابند شاعری کے ساتھ ساتھ نظم معریٰ میں بھی بڑے کامیاب تجربے کیے ہیں۔ دوسرے نعت گو حضرات کو ایک نیا انداز اور نیا لب و لہجہ اپنا کر دکھایا ہے کہ جذب صادق ہو تو اپنے محبوب کے لیے ایسے بھی نعت کہی جاسکتی ہے۔ میرے خیال میں ان کی سطح پر آکر نعت کے شعر کہنا غالباً کسی دوسرے کے بس میں نہیں، یہی وجہ ہے کہ آج تک کوئی ان کی پیروی کرنے میں کامیاب نہ ہوسکا۔ ایک مدت تک اردو کے شعرا و قارئین کو محو حیرت رکھنے والے اس خوبصورت نعتوں کے شاعر نے بالآخر اپنی نعتوں اور حب رسولﷺ سے متعلق نظموں کا یہ مجموعہ شائع کرہی دیا۔ عمیر پبلشرز اب اس مجموعے ''زر

معتبر'' کے بعد ان کی نعتوں کے دوسرے مجموعے کشکول آرزو اور تیسرے مجموعے ''غبار جاں میں آفتاب'' بھی شائع کررہے ہیں۔ یقیناً یہ اردو کے نعتیہ ادب میں بیش قیمت اضافے ثابت ہوں گے۔ زیرِنظر پہلا مجموعہ ریاض حسین چودھری کے ابتدائی دور کی نعتیں ہیں۔ ان کی نعتوں کی تازگی و شگفتگی، محبوب خدا سے اپنی انتہائی دلی وابستگی اور اپنی عقیدت کے اظہار کے لیے ان کی ندرت خیال اور وسعت بیان ابتدا سے لے کر انتہا تک بے کراں ہے۔ ان کے نعتیہ اشعار رفعت خیال کے ساتھ ساتھ مترنم بھی ہیں اور یہ اسی والہانہ عقیدت کا اعجاز ہے جس سے ان کی طبیعت سرشار رہتی ہے اور ان کے ہر ذریعہ اظہار کو الفاظ کی موسیقیت بھی بخشتی ہے۔

ورق کو ذوق جمال دے گا قلم کو حسن مقال دے گا
اسی کا ذکر جمیل شہر غزل کی گلیاں اجال دے گا

زنجیر سرہانے رکھ کر میں اس سوچ میں ڈوبا رہتا ہوں
جب شہر مدینہ آئے گا دیوانے کا عالم کیا ہوگا!

حضور اپنے غلام زادوں کو اذن بخشیں گزارشوں کا
فصیل شہر دعا یہ میری صدا بھی آکر ٹھہر گئی ہے

پروفیسر ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی

نقشِ حسّان

شاعرِ رسولؐ! ''اَیّدَکَ اللہ بِرُوحِ القُدُس''

نعت اساسی طور پر مدحت ہے، مدح کی روایت دنیا کے ہر ادب میں قدیم ہے کہ یہ احساسِ ممنونیت کا اظہار ہے۔ انسان فطرتاً طالبِ خیر ہے اس لیے جہاں بھی اسے خیر کی نمود نظر آتی ہے وہ مائل بر ثنا ہو جاتا ہے۔ مظاہرِ فطرت کے حسّی حوالے ہوں یا آثارِ کائنات کے اخلاقی و باطنی پہلو، انسان رطب اللسانی کے جوہر دکھاتا ہے، یہ روّیہ مقصودِ فطرت بھی ہے اور انسانی شعور کا مطلوب بھی، خوش قسمتی سے اس کی ابتداء اُس شعورِ اوّل سے ہوئی جبکہ انسانِ اوّل نے بصیرت کے ساتھ بصارت سے راہ یابی کا سلیقہ پایا، جنت کے آباد و شاداں ماحول میں حسنِ نظر بہتر سے بہترین کی تلاش میں تھا کہ اچانک ہر حُسن ایک ہی عنوان سے رقصاں پایا، حوروں کا حُسنِ بے مثال ہو جو ہر قسم کے لمس سے محفوظ تھا کہ باغات کے اثمار ہوں جو ہر نظیر سے ماوراء تھے، محلات کی دلآویزی ہو یا روشن قندیلوں کی نظر نوازی، متجسس نگاہیں جب ان سرشار کیفیات میں گم تھیں اور ہر جانب نور و نکہت کی مہکار میں شرابور تھیں تو ایسا محسوس ہوا سب جلوے ایک مرکزِ حُسن کے کیف میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ ''محمد'' (ﷺ) کا اسم ہر طرف نظر نواز ہے، ہر کلی کا سینہ اسی اسمِ گرامی کا مرقع ہے اور ہر شادابی حُسن اسی اسمِ مبارک سے فیض بار ہے، بس کیا تھا انسان کی نظر کو معراجِ حُسن سے شادابی ملی اور یہ حُسنِ تمام کسی نہ کسی صورت نظروں میں سما گیا، نعت کا بروز اسی نقش اول کا پرتو ہے جو گلی گلی، محلّہ محلّہ اور سمت سمت آشکار ہو رہا ہے۔ آدم علیہ السلام نے خاتم انبیاء علیہ الصلوۃ والسلام کو روزِ اوّل ہی پہچان لیا تھا، نسلِ آدم اسی شناخت کا ہر صدی میں اعادہ کر رہی ہے۔ خوش قسمت ہیں وہ نظریں جو اس حُسنِ تمام کے انوار سے بہرہ ور ہیں اور لائقِ احترام ہیں وہ وجود جو اولادِ آدم ہونے کا

حق ادا کرتے رہتے ہیں۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ اس شناخت کی سعادت سے کوئی دَور خالی نہیں ہے، ہاں یہ ضرور ہوا کہ جو انسانیت کے جوہر سے بے توفیق ہوا وہ صرفِ نظر کرتا رہا، اسی پر یہ روایت شاہد ہے کہ ایک مرتبہ عناد پرست اور بغض بدوش کافر آفتابِ نبوت کے سامنے آ گیا، غور سے دیکھنے لگا مگر کچھ حاصل نہ ہوا اور اپنی بصیرت کی ناکامی کا یوں اظہار کرنے لگا کہ حُسنِ ناتمام ہے۔ ارشاد ہوا کہ تو سچ کہتا ہے۔ یہ الفاظ اہلِ ایمان کو لرزا گئے مگر پاسِ ادب کی خاطر اپنے جذبوں کو قابو میں رکھا۔ وہ بدباطن چلا گیا تو ایک بالغ نظر حاضرِ دربار ہوا۔ چہرۂ والضحیٰ پر نظر ڈالی اور عقیدت و محبت سے پکار اٹھا کہ یارسول اللہﷺ آپ سے حسیں تر چہرہ میں نے کبھی نہ دیکھا، ان دونوں جملوں پر سرکارِ ابد قرارﷺ نے صرف اتنا فرمایا کہ تُو سچ کہہ رہا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے صبر کا پیمانہ لبریز ہوگیا، عرض کیا وہ بدباطن جو کہہ گیا آپﷺ نے اُس پر یہی فرمایا کہ سچ کہتا ہے اور اس جاں نثار کے جواب میں بھی یہی فرمایا کہ تُو سچ کہتا ہے، اس میں حکمت کیا ہے۔ فرمایا سنو: میں تو ایک آئینہ ہوں، ہر دیکھنے والا اپنا چہرہ دیکھتا ہے۔ یہ فیصلہ اس وقت بھی حتمی تھا اور آج بھی اُسی طرح آ کری ہے۔ نعت گو وصف شمار ہی نہیں کر رہا ہوتا اپنی فطرتِ سلیم کا اظہار بھی کر رہا ہوتا ہے۔ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ نعت گوئی صلاحیت نہیں ایک شرف ہے ایک عطا ہے اور ایک محبت ہے۔

نعت اگر وزن و قافیہ کی درستگی کا ہی نام ہوتا تو وہ شاعر جنہیں شعر گوئی پر کمال حاصل رہا ہے اور جو وزن و ارکان کے پیمانوں سے پوری طرح آشنا رہے ہیں بلکہ اُنہیں شعر گوئی پر استادانہ دسترس حاصل رہی ہے، نعت گوئی سے محروم کیوں رہتے، تاریخِ ادب گواہ ہے کہ شعر کی دنیا کے امام ایسے بھی ہوئے ہیں جو کئی کئی دیوان مرتب کرتے چلے گئے مگر نعت کا ایک شعر کہنے کی انہیں توفیق حاصل نہ ہوئی، اس کلیہ سے کوئی زبان مستثنیٰ نہیں، عربی، جسے دین کی زبان ہونے کا شرف حاصل ہوا ہے، میں بھی متعدد ایسے نامور شاعر موجود ہیں جو قصیدوں پر قصیدے لکھتے رہے مگر نعت لکھنے سے محروم رہے۔ اس کے برعکس کئی ایسے اصحابِ سخن بھی ہیں جو شعر کی دنیا میں معروف نہ ہوئے مگر نعت کے وسیلے سے زندہ شاعروں میں

شمار ہوگئے۔ ثابت ہوا کہ نعت کہنا ایک توفیق ہے، یہ کسی کی صلاحیتِ شعر کا عکس نہیں عطائے ربّانی ہے۔ تاریخِ شعر کا مطالعہ واضح کرتا ہے کہ نعت نے نعت کہنے والوں کو رفعتیں عطا کی ہیں۔ اور کسی کی بات نہیں خود شاعر اوّل شاعر رسولﷺ، عکاز کے میلے میں ایک بدّ و یہ شاعرہ خنساء سے ہار گئے تھے مگر پھر کیا ہوا ، درِ رسالت پر آئے تو ''ایدک الله بروح القدس'' کے انعام کے مستحق ٹھہرے اور آج تک ہر نعت گو کے امام ہیں، حضرت امام بوصیری علیہ الرحمۃ اپنے دور کے ایک شاعر تھے، آپ کا دیوان آج بھی موجود ہے کہ لوگوں کی توجہ کا مرکز نہیں، مگر ''قصیدہ بردہ'' نعت کا ایسا حوالہ بنا کہ ہر نعت گو کے لیے اُسوہ قرار پایا، توفیق الٰہی کی انتہا یہ ہوئی کہ اس قدر طویل قصیدہ کا ہر شعر بیت الغزل کہلایا اور ایک ایک شعر دنیائے ادب کا مرکزِ اعتکاف رہا۔

عرض یہ کرنا ہے کہ نعت ایک توفیق ہے جس کو بھی مل گئی محترم قرار پایا، ہاں یہ ضرور ہوا کہ کسی کو یہ توفیق جزواً حاصل ہوئی کہ وہ دیگر اصناف کے ساتھ ساتھ نعت کا حق بھی ادا کرتا رہا تو کسی کو اس توفیق نے کلیۃً اپنے دامنِ کرم میں لے لیا اور وہ سراپا مداحِ رسولﷺ بن گیا۔ ایسے خوش قسمت شاعر ہر لمحہ نعت کے ذوق سے مسرور رہتے ہیں، اُن کے افکار پر نعت یوں چھا جاتی ہے کہ اُن کے شعور کا ہر گوشہ نعت گزار ہوجاتا ہے، کس قدر خوش قسمت ہے وہ انسان جو ہر وقت حسنِ تمام کے حصار میں رہے، ایسے شاعر تقدیس کا نشان اور خرد افروزی کا حوالہ ہوتے ہیں، مقامِ مسرت ہے کہ ہمارا ممدوح شاعر جسے لوگ ریاض حسین چودھری کہتے ہیں مگر میں تو اُنہیں ''نقشِ حسّان'' کہنا پسند کرتا ہوں، ہر لمحہ حاضرِ دربار رہتا ہے۔ ہئیت کوئی بھی ہو، بحر کیسی بھی ہو، ردیف و قافیہ کسی قدر مختلف بھی ہو ہمارا شاعر ایک ہی خیال کا اسیر رہتا ہے کہ اُس کے کلمات، تراکیب اور نظمِ شعر کا ہر رُخ غلامی کی سند پائے۔ یہ خواہش صرف ذات کی حد تک نہیں ہے، ذات کے ہر حوالے کے بارے میں بھی ہے۔

؎ صد شکر میرا سارا قبیلہ غلام ہے　　میری ہے اُن ﷺ کی سایۂ رحمت میں سلطنت

یہ سایۂ رحمت جو سحرِ نور بن کر شاعر کے موجِ خیال پر محیط ہے، ایک دو برس کی

بات نہیں اور نہ ہی یہ شعورِ زندگی کے ساتھ پروان چڑھا ہے بلکہ یہ تو شاعر کے وجود کا جزوِ لازم ہے جو ان کے فکر و خیال کو حصار میں لیے ہوئے ہے۔

؎ تاریخِ کائنات کی روشن تریں سحر کب سے محیط ہے مری موجِ خیال پر

یہ یقین اس قدر پختہ ہے کہ ہر شعوری کاوش جو اس حقیقت سے مستنیر نہیں ہے حرفِ غلط ہے۔ شاعر کا یہ شعور اس قدر وجد آفریں ہے کہ کسی اور دانش و عقل کا وہاں گزر نہیں اس لیے شاعر پوری شعوری قوتوں کے ساتھ اعلان کرتا ہے۔

ہر فلسفہ غلط ہے جہانِ شعور کا اِک معتبر فقط ہے حوالہ حضور ﷺ کا

یہی وجہ ہے کہ ریاض حسین چودھری بہر رنگ اپنی غلامی پر نازاں ہے اور اُس نے اپنی زندگی کے ہر رُخ کو وصفِ رسالت کے گداز میں ڈھال لیا ہے، اُس کا یقین بھی یہی ہے، اُس کا ارادہ بھی یہی ہے اور اُس کی خواہش بھی یہی ہے کہ زندگی کا کوئی لمحہ مدحت سے خالی نہ ہو، ہاں یہ تمنا بھی قوی ہے کہ اُس کی مدحت سرائی قبولیت کا شرف پالے، تمنا اور یقین کا یہ حسین ربط ریاض چودھری کی نعت نگاری کا وہ حسین سنگم ہے جو ایک باوفا مدح نگار کی خواہش کی معراج ہے۔

؎ آقاؐ مرے قلم کی سلامی کریں قبول لوحِ ادب پہ حرفِ غلامی کریں قبول

کبھی یہی یقین استغاثہ کا روپ دھارتا ہے تو شاعر خواہش گزار ہوتا ہے۔

؎ میرا سلام ہو کہ غریب الدیار ہوں آقائے کائنات کا مدحت نگار ہوں

یہ مدحت نگاری صرف شعری مشغلہ نہیں بلکہ زندگی کا کامیاب ترین وسیلہ بھی ہے اس لیے شاعر دعوتِ شرکت دیتا ہے کہ

؎ آؤ اُسی رسولؐ کے قدموں کی خاک سے تعمیر زندگی کا کریں قصرِ دلکشا

اسی لیے وہ اس کی تبلیغ بھی کرتا ہے اور دعوتِ خیر بھی دیتا ہے۔

کشتِ ادب میں پھول اُگایا کرو ریاضؔ شب بھر چراغِ نعت جلایا کرو ریاضؔ

شاعر کا یہ ذوق اسی اعتماد کا مظہر ہے کہ نعت کا ہر شعر اِک چمنِ دلنواز ہے جس کی روش روش پر بہاروں کا رقص اور گل ونسترن کی مہکار ہے اس لیے اعتراف کیا گیا کہ

؎ اسمِ حضورؐ لب پہ سجایا ہی تھا ابھی کشکولِ آرزو مرا پھولوں سے بھر گیا

یہ اندازِ مدح بڑا ادب شناس ہے کہ یہ اُسی ذات کا فیضان ہے۔

؎ میری لغت کے سر پہ عمامہ ادب کا ہے یہ احترام آپؐ کے نام و نسب کا ہے

یہ مدحت آشنا روّیہ شاعر کے عقیدت مندانہ مزاج کا حصہ ہے، اسی سے اُس کی سرشاری ہے اور اسی سے اُس کی سانس کی آمد و رفت ہے۔

؎ جنؐ کے درِ نجات کو بوسہ دیئے بغیر میرے لیے تو سانس بھی لینا محال ہے

یقین اس حد تک پختہ ہے کہ توانائی کی ہر لرزش اُسی جانِ کائناتﷺ کے صدقے سے ہے۔ کیا تاریخ اس مہکتی زندگی کی مثالیں لیے ہوئے نہیں؟ حنانہ کا ستون ایک بے جان تنا ہی تو تھا! یہ زندگی کس کے لمس کا صدقہ تھی کہ ہجرِ رسولﷺ میں وہ بھی شعوری آہ و بکا کرنے لگ گیا۔ یہ تاریخی حقیقت شاعر کو تحریک دیتی ہے کہ وہ تمنا کرنے لگ جائے کہ

؎ میں کاش اُسی کھجور کا ہوتا تنا ریاضؔ مسجد میں جس سے ٹیک لگاتے تھے مصطفیٰؐ

طلوعِ فجر ایک مسلسل نظم ہے جو پانچ سو بندوں پر مشتمل ہے۔ ہر بند میں بارہ مصرعے ہیں، اس طرح یہ طویل نظم چھ ہزار مصرعوں پر محیط ہے۔ ہر بند کا سرنامہ ایک خبریہ مصرع ہے کہ

افلاک پر ہے دھوم کہ آتے ہیں وہ رسول (ﷺ)

اس خبر کی تعبیر اور اس کی اثر آفرینی کو خصائص و شمائل کے ساتھ ساتھ بالفعل واقع ہونے والی برکات اور رحمتوں سے مربوط کیا گیا ہے۔ یوں یہ طویل نظم ایک مستقیم انداز میں سیرتِ رسولﷺ کا فیض بار حوالہ بن گئی ہے۔ ایک بحر میں اتنے فکر انگیز اور

طربناک مصرعے نکالنا شاعر کے شعور کی پختگی اورمہارت کی شہادت ہے۔ یوں تو ہر بند ایک خیال کا پیکر ہے مگر خیالات کی بوقلمونی عقیدت کی یکسوئی کا عمدہ اظہار بھی ہے۔اگر ساری نظم کو ایک عنوان دیا جائے تو 'طلوعِ فجر' کا منتخب عنوان برمحل لگتا ہے کہ ہر ہر مصرعے سے ایک نور پھوٹتا دکھائی دیتا ہے، نظم کیا ہے فشارِ نور کی ایک دلآویز حکایت ہے۔ انسانیت کی اصلاح و فلاح کے لیے ایک نور آسا راہنمائی ہے، شاعر نے بھٹکے ہوئے انسان کے لیے اُمید کی ایک فجر کا حوالہ دیا ہے کہ تاریکیوں سے چھٹکارا پانا ہے تو اس 'طلوعِ فجر' کی طرف توجہ دو کہ ہر ظلمت میں یہی نور کا حوالہ راہنما ہے۔ شاعر کو حضور اکرم ﷺ کی نورانیت پر اس قدر اعتماد ہے کہ وہ ہر کہیں اسی نور کی نور سامانیاں دیکھتا ہے۔ اُس کا کہنا ہے کہ:

افلاک پر ہے دھوم کہ آتے ہیں وہ رسول ﷺ

؎ جنؐ کا وجودِ پاک ہے بنیادِ آگہی جنؐ کا وجودِ پاک ہے ہر چیز کا جواز
جنؐ کے وجودِ پاک کا صدقہ ہے زندگی جنؐ کے وجودِ پاک کی اُترن ہے روشنی

شاعر کو یقین ہے کہ خیال وعمل کی ہر روشنی اُسی وجودِ مبارک کا صدقہ ہے۔

؎ ساری بصیرتوں کا وہی نقطۂ کمال ساری بصارتوں کا وہی حسنِ دلنشیں
ہر آگہی کا مرکز و محور حضورؐ ہیں ہر معرفت کے علم کا مصدر حضورؐ ہیں

یہ اس لیے ہوا کہ

؎ اُمّی لقب رسولؐ سرِ بزمِ علم و فن لائے تمدنوں کے لیے آخری نصاب

یہ اسی آخری نصاب کا صدقہ ہے کہ

؎ اُنؐ کے طفیل آدمی ہے خیر کا سفیر اُنؐ کے طفیل زندہ ہے انسان کا ضمیر

اس لیے شاعر جب اپنے ارگرد تاریکیوں کے اُترتے قافلے دیکھتا ہے تو پکار اٹھتا ہے:

؎ آقاؐ غریبِ شہر کو خیرات دیجئے تیرہ شبی میں نور کی برسات دیجئے

طلوعِ فجر تلاشِ نور میں سرگرداں انسان کی روداد بھی ہے، وہ انسان جو اپنی عظمت کی تلاش میں ہے، درماندہ ہے، مرکز سے بھٹکا ہوا ہے، کراہ رہا ہے اور دہائیاں دے رہا ہے۔ یہ التجا کا ہنگام ہے مگر اُس کی خوش بختی کہ محیط اندھیروں میں طلوعِ فجر کا یقین اُسے سہارا دے رہا ہے۔ کس قدر خروش آجاتا ہے اُن ارادوں میں جو اُبھرتی بپھرتی ہوئی تیز لہروں میں بھی ساحلِ مراد کے یقین سے فیض یاب ہوتے ہیں، لگن کی پختگی جدوجہد کو توانائی بخشتی ہے اور کامرانی کی لَو ٹوٹتے ہوئے عزائم کے لیے مہمیز بنتی ہے۔ ایسے میں انسان کو راستی کی نوید مل جائے تو قرار ملتا ہے، شاعر کا عزم ہر ہر مصرعے میں اسی نور کے طلوع کا پیغام بنتا ہے۔ وہ لاچار سہی مگر اُمید کی کرن اُسے بے کیف نہیں ہونے دیتی، ہاں یہ خیال اُسے کچھ عرصہ مضطرب رکھتا ہے کہ راہ یابی کے لیے کون سہارا بنے، وہ کس ادا سے طلبِ رحمت کرے اور کیونکر درِ نجات تک پہنچے۔ توفیقِ ربّانی اُس کی چارہ سازی کرتی ہے اور فاتحۃ الکتاب اُس کے لیے بند راستوں کو کشادہ کر دیتی ہے۔ طلوعِ فجر میں شاعر نے استغاثہ کے لیے اسی اوّلین سورت سے مدد لی ہے۔ اس کے مطالعہ سے اُسے طلبِ دُعا کا سلیقہ بھی آیا ہے اور پیشِ دربار ہونے کا قرینہ بھی ملا ہے۔ اُس نے تمناؤں کو مؤخر کر رکھا ہے اور عظمتِ دربار کو پیشکش کا عنوان بنایا ہے۔ مدح سرائی، خصائل شماری کے بعد سجدہ ریزی اور صفات کا تذکار، پھر سراپا عجز کے ساتھ طلبِ رحمت، آخر میں اُن معاند قوتوں سے لاتعلقی کا اعلان اور برسرِ پیکار دشمنوں سے پناہ کی درخواست۔

''طلوعِ فجر'' ان تمام مراحل سے بخیر و خوبی گزر جانے کی روداد ہے، مدحیہ انداز دیکھئے:

خیرالبشر حضورؐ ہیں خیرالوریٰ حضورؐ رہبر ہیں رہنما ہیں شہِ انبیاء حضورؐ

اور یہ بھی تاریخی حقیقت ہے جس کا شاعر اعتراف کر رہا ہے:

آدم کی نسل کا قدو قامت حضورؐ ہیں اور امنِ دائمی کی ضمانت حضورؐ ہیں

پھر مدح سرائی کا ایک طویل سلسلہ وقفے وقفے سے عطر بار ہوتا ہے، چند شعر

مقصودِ مدعا کے لیے کفایت کریں گے:

آمد ہے جن کی مکتبِ تہذیب کا عروج　آمد ہے جن کی لوح و قلم کی گلاب رُت
مبعوث جب حضورؐ ہوئے تو زمین پر　لپٹا ہوا تھا دھند میں اسلوبِ زندگی
دیں گے تمدنوں کو نئے دن کی روشنی　تاریخ ارتقاء کی کرے گی اُنہیںؐ سلام
ہر ہر اُفق پہ روزِ ازل سے ہے یہ رقم　ہر عہد ہے جنابِ رسالت مآبؐ کا
عہدِ حضورؐ سارے زمانوں کی آبرو　وہ عہدِ پاک روزِ ابد پر بھی ہے محیط
انسانیت کو زندہ مسائل کی دھوپ میں　آداب زندگی کے سکھائے حضورؐ نے

پھر درخشندہ حوالے:

میثاق ایک محفلِ میلاد ہی تو ہے　سرکارؐ کے ظہور کا مژدہ لیے ہوئے
غارِ حرا میں ہاتھ تھے اُٹھے حضورؐ کے　سامان ہوگیا تھا ہماری نجات کا

مدح سرائی کے بعد داستانِ غم، یہ داستان جو صرف شاعر ہی کی نہیں پوری امت کی ہے۔ داستان سرائی صرف حکایتِ واقعہ نہیں، طلبِ رحمت کا ابتدائیہ بھی ہے۔

صدیوں سے مبتلا ہے بدن کے عذاب میں　گروی رکھے ہوئے ہے اثاثے شعور کے
امت کھڑی ہے مقتلِ شب میں برہنہ سر　تاریخ کے کٹہرے میں سر ہے جھکا ہوا
نیلام گھر میں لائے ہیں اجداد کے کفن　بکھرے ہوئے ہیں قریۂ ناشاد میں بدن
طعنے برس رہے ہیں ابھی آسمان سے　پتھر نکل رہے ہیں رعونت کی کان سے
کب سے غبارِ مرگِ مسلسل فضا میں ہے　کب سے کھڑی ہے شامِ غریباں فرات پر
انسان آج قریۂ جبرِ انا میں ہے　زندہ تو ہے ضرور، پہ دستِ قضا میں ہے

شاعر اُمت کی حالتِ زار کے تذکرے سے بے خود ہوکر درِ رحمت پر دہائی دینے لگتا ہے اور یہ دہائی بھی انفرادی نہیں اجتماعی ہے، شاعر ناقوسِ اُمت بن کر ملتجی ہے۔

آقاؐ حضور، وقت کی ہم کربلا میں ہیں اُمت ہوئی ہے جرمِ ضعیفی میں مبتلا
اُمت حضورؐ، قعرِ مذلّت کا رزق ہے اُمت نے بانٹ رکھا ہے خانوں میں اپنا جسم
روحِ زماں، قفس کے اندھیروں میں کھوگئی اُمّت، حضورؐ آپ کی مقتل میں سوگئی
آنسو بنے ہیں اُمتِ مرحوم کا نصیب غیروں کی ٹھوکروں میں ہے دستار یا نبیؐ
تلوار خوف کی مرے سر پر ہے آج بھی تحویل میں کسی کے مرا رزق ہے حضورؐ
آقا حضورؐ آج بھی میری زمین پر غیروں کی دسترس میں ثقافت کا نور ہے
سر پر حضورؐ جبر کے کانٹوں کی شال ہے امن و امان میری صدی کا سوال ہے

شاعر آخر کار پناہ کا سوال کرتا ہے۔

سورج اُفق اُفق پہ ہے شر کی سیاہ کا سایہ کرو تلاش رسالت پناہؐ کا

شاعر کا اپنا حال یہ ہے کہ وہ اعتراف کرتا ہے۔

آقاؐ حضور، آج بھی شاعر یہ آپؐ کا اربابِ زر کی محفلِ شب میں ہے اشکبار

اور حاصلِ التجا ایک خواہش :

میری زمیں پہ نور کی چادر بچھی رہے میری زمیں پہ عدل کا نافذ نظام ہو
میری زمیں پہ دخترِ حوّا بھی سانس لے میری زمیں پہ جل اُٹھے قندیلِ عافیت

''طلوعِ فجر'' کا شاعر حاضریٔ دربار کا متمنی بھی ہے اور مستقل قیام کا خواہش مند بھی، اس لیے کہ مدینہ منورہ وہ شہرِ دلنواز ہے جہاں دھڑکنیں سکون پاتی ہیں اور درد مند دل آسودہ ہوتے ہیں۔

ہر شاعرِ نعت، شہرِ دلربا کے فضائل شمار کرتا ہے اور اپنی آشفتگی کا اُسی کے جوار میں حل تلاش کرتا ہے، طلوعِ فجر کا شاعر بھی اس لازمی حوالے سے بے خبر نہیں، اُسے بھی اسی امن کدے کی جستجو ہے، اسی لیے وہ لہجہ بدل بدل کر مدینہ منورہ کی حاضری کی دعائیں مانگتا ہے۔

شہرِ حضورؐ، شہروں کا سرتاج ہے ریاضؔ اس کی فضیلتوں کو ملیں ان گنت جہات
جس کی زمین پھول اگلتی ہے اس لیے چومے تھے اس نے سیّدِ ساداتؐ کے قدم
جنت جوارِ گنبد خضرا میں پاؤ گے آنکھوں میں حیرتوں کے سمندر چھپاؤ گے
طیبہ کے راستوں میں مہک ہے حضورؐ کی رستے بھی نور کے ہیں تو گلیاں بھی نور کی

اس شہرِ بے مثال کی بلائیں لینا بھی شاعر کے نیک ارادوں کا حصہ ہے:

بختِ رسا کی اپنے بلائیں لیا کریں شہرِ نبیؐ کی ٹھنڈی ہوائیں لیا کریں

کیونکہ یہ شہر نور و رحمت کی صداؤں کا مرکز ہے، اس لیے سلام کا مستحق ہے:

سانسیں درود پڑھتی ہیں جس شہرِ نور میں اُس شہرِ بے مثال پہ لاکھوں سلام ہوں

شاعر کی یہ تمنائیں اسی نقطۂ انتہا پر پہنچ کر سکون پاتی ہیں کہ اُس کا مسکن شہرِ رسولﷺ بن جائے جو ہر صاحبِ ایمان کے دل کی دھڑکن ہے۔

موجِ خیال وادیٔ بطحا میں چاہیے چھوٹا سا ایک گھر، مجھے طیبہ میں چاہیے

اس گھر کا سوال تمنا بن کر دربار میں پیش ہوا کہ:

طیبہ نگر میں سایۂ دیوار چاہیے چھوٹا سا ایک گھر مجھے سرکارؐ چاہیے

کیونکہ یہ قریۂ رحمت، سراپا تقدس ہے:

ارض و سما کے سر پہ کرم کا سحاب ہے یہ شہرِ دلنواز تقدس مآب ہے

الغرض 'طلوعِ فجر' ایک دردمند دل کی پکار ہے۔ وہ دل جو محبتِ رسولﷺ سے آباد ہے، خوش قسمت ہے وہ شاعر جس کی سوچ کا مرکز مدحتِ رسالت ہو، جس کے قلبی میلان کا محور اطاعت کیشی کا جذبہ ہو، جس کی زندگی کا لمحہ لمحہ نعت گزار ہو اور جس کا ہر روّیہ عقیدت مندانہ ہو۔ ریاض حسین چودھری ایک کہنہ مشق شاعر ہیں، متعدد مجموعے اُن کی نعت شناسی کا ثبوت ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ریاض حسین چودھری کے شب و روز کا جائزہ

اُن کی یک رنگی کی شہادت ہے۔ یہ طویل نظم جو نعتیہ ادب میں نمایاں مقام لے گی، شاعرِ حق نما کے فطری میلان کا نتیجہ ہے۔ مختصر یہ کہ طلوعِ فجر کو پڑھنے کے بعد شاعرِ نعت پر یہ شعر صادق آتا ہے:

؎ حاصلِ عمر نثارِ رہِ یارے کردم　　شادم از زندگیِ خویش کہ کارے کردم

اللھم صل وسلم دائماً ابداً، علیٰ حبیبک خیر الخلق کلھم

ڈاکٹر خورشید رضوی

آبروئے ما

نعت میں جدید اسالیب کی دھنک اور
سیاسی، ثقافتی، معاشی اور معاشرتی آشوب کا درد وسوز

''نعت'' عربی زبان کا لفظ ہے اور عربی میں توصیف و ستایش کے عمومی معنیٰ میں مستعمل ہے۔ چنانچہ نحوی مباحث میں ''صفت'' اور ''موصوف'' کو ''نعت'' اور ''منعوت'' بھی کہا جاتا ہے۔ تاہم اُردو کو یہ افتخار حاصل ہے کہ اس میں ''نعت'' کا لفظ مدح النبیﷺ کے لئے مخصوص ہے۔ اردو کا مزاج اس لفظ میں کسی اور مفہوم کا شرک گوارا نہیں کرتا۔

غور کیا جائے تو فنِ نعت ارشادِ ربّانی ''صلوا علیه وسلموا تسلیما'' کی تعمیل کی ایک صورت ہے جس میں دو سو کے قریب صحابہ وصحابیات رضوان اللہ علیھم اجمعین نے حصّہ لیا۔ پھر یہ نورانی تسلسل اشاعتِ اسلام کے ساتھ مختلف سرزمینوں اور زبانوں میں پھیل گیا اور اردو زبان نے بھی اس سے بہرۂ وافر پایا۔ اردو کا کوئی بھی مسلمان شاعر ایسا نہ ہوگا جس کا کلام نعت سے خالی رہا ہو۔ بلکہ بعض غیر مسلم شعراء نے بھی فنِ مدحت نگاری میں ذوق وشوق سے حصّہ لیا۔ اُردو نعت گوئی کی اس کہکشاں میں محسن کاکوروی؛ امیر مینائی اور مولانا ظفر علی خاں جیسے بعض نام خاص طور پر تابندہ ہیں۔ علامہ اقبالؒ نے اگرچہ ''نعت'' کے عنوان سے تو شاید کچھ نہیں لکھا تاہم نعت کی رُوح اُن کے کلام میں جا بجا جاری وساری دکھائی دیتی ہے۔

ہمارے زمانے میں جن رفتگان نے نعت گوئی کا بھرپور احیا کیا اُن

میں حافظ مظہر الدین، حافظ لدھیانوی، حفیظ تائب، مظفر وارثی اور عبد العزیز خالد جیسے شعراء اہم حیثیت رکھتے ہیں۔ آج اِس قبیلے کے ایک علم بردار جناب ریاض حسین چودھری کا تازہ نعتیہ مجموعہ ''آبروئے ما'' ہمارے ہاتھ میں ہے۔ یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ یہ سرنامہ علاّمہ اقبالؒ کی شخصیت اور فن سے چودھری صاحب کی گہری وابستگی کا آئینہ دار ہے اور باندازِ تلمیح، ''اسرارِ خودی'' کے اس مشہور شعر سے ماخوذ ہے۔

در دلِ مسلم مقامِ مصطفیٰؐ است
آبروئے ما زنامِ مصطفیٰؐ است

''مسلمان کا دل اپنے اندر محمد مصطفیٰ ﷺ کا ایک لازوال اور بیمثال مقام رکھتا ہے اور آپ ہی کے نامِ نامی سے ہماری عزت و ناموس قائم ہے۔''

ریاض حسین چودھری ابتداء ہی سے اپنی فنّی توجہ نعت گوئی پر مرتکز رکھے ہوئے ہیں اور اس میدان میں اُن کی خدمات کا اعتراف قومی سطح پر کیا جا چکا ہے چنانچہ اُن کے دو نعتیہ مجموعے ''رزقِ ثنا'' اور ''خُلدِ سخن'' صدارتی ایوارڈ حاصل کر چکے ہیں۔اس کے علاوہ حکومتِ پنجاب کی طرف سے سیرت ایوارڈ بھی اُن کے حصّے میں آیا۔

جادۂ نعت پر چودھری صاحب کا بے تکان سفر وفاداری واستواری کا ایک اعلیٰ نمونہ ہے چنانچہ یہ مجموعۂ 'آبروئے ما' اُن کا دسواں نعتیہ دیوان ہے اور ان شاء اللہ،

ابھی اِس بحر میں باقی ہیں لاکھوں لولوئے لالا

نعت گوئی کا یہ وفُور صرف مشقِ سخن سے میسر نہیں آ سکتا۔ اس کے پس منظر میں جذبے کی وہ تڑپ لازم ہے جو فقط زورِ بازو سے ہاتھ نہیں آتی بلکہ خدائے بخشندہ کی

بخششِ خاص پر منحصر ہے۔ اس تڑپ کا والہانہ اظہار ریاض حسین چودھری کی نعت میں جا بجا دل کا دامن کھینچتا ہے۔

مری سوچوں کے گنبد میں ثنا کے لفظ گونجے ہیں
جوارِ دیدہ و دل میں دھنک کے رنگ برسے ہیں
ثنائے مصطفیٰؐ کی کہکشاں اُتری ہے سانسوں میں
مرے بھی خون میں شامل ستارے ہوتے رہتے ہیں
چراغاں ہو رہا ہے میری پلکوں کے شبستاں میں
درِ سرکارؐ کے منظر مری آنکھوں میں بستے ہیں
مَیں اپنی خوش نصیبی پر بڑا ہی ناز کرتا ہوں
فضائے نعت میں دل کش پرندے اُڑتے رہتے ہیں
مرے خوابوں کی رعنائی کا اندازہ کرے کوئی
مناظر شہرِ طیبہ کے تسلسل سے گزرتے ہیں

اس خداداد والہانہ پن کی اساس پر ریاض حسین چودھری جو نعت کہتے ہیں اُس میں جذبے کے وفُور کے علاوہ فکری عنصر اور معاصر دنیا کے آلام ومسائل پر درد مندی کا وہ احساس بھی شامل ہے جسے جدید نعت کا ایک امتیازی وصف کہا جا سکتا ہے۔ نعت میں استغاثے کی روایت اگرچہ قدیم سے چلی آ رہی ہے، مثلاً قصیدہ برُدہ کی آخری فصل کے ابتدائی اشعار، تاہم اِس دور میں اس کیفیت کا حوالہ بیشتر ذاتی نظر آتا ہے۔ قومی وملّی آشوب کی نسبت سے استغاثے کی روایت میں مولانا حالی کا ''عرضِ حال'' ایک سنگِ میل کی حیثیت رکھتا ہے اور پھر یہ کیفیت اردو نعت کے سفر میں جا بجا ظہور کرتی رہی ہے۔ اسی کا تسلسل ریاض حسین چودھری کے ہاں بھی، بکمال اخلاص، نظر آتا ہے اور اُن کی نعت میں

ہمارے دور کے سیاسی، ثقافتی، معاشی اور معاشرتی آشوب کا درد وسوز رَچ بس گیا ہے۔

کسی نادیدہ قوت نے چرالی قوتِ بازو
حضورؐ! امّت کے روز و شب سے کتنے خوف لپٹے ہیں
ہماری عقل پر پتھر پڑے ہیں یا رسولؐ اللہ
ہم اپنے گھر کی بنیادوں میں پانی بھرنے والے ہیں
کہاں تک دُکھ بتاؤں یا رسول اللہ اُمت کے
بہت سے اشک آنکھوں میں زبردستی بھی روکے ہیں
مٹا رکھا ہے ہم نے یا نبیؐ زندہ ثقافت کو
ادب سے ہم نے قبروں پر بہت سے پھول ڈالے ہیں
زمیں پر خونِ ناحق کے بہت چھینٹے نظر آئے
فضائے پاک میں یا مصطفیؐ زخمی پرندے ہیں
بھُلا بیٹھے ہیں ہم ارشادِ اقدس کا ہر اک پہلو
بہت سے لوگ کوڑے میں سے اپنا رزق چنتے ہیں
حضورؐ اُمت مقیّد ہو رہی ہے بند گلیوں میں
قیامت کے مناظر میری آنکھوں نے بھی دیکھے ہیں

یہ مضمون کہ حضورؐ ختمی مرتبت کی تشریف آوری نے دنیا کو یکسر بدل ڈالا اور ظلمت کو نور میں منقلب کر دیا، نعت کا ایک پُرانا مضمون ہے لیکن اپنی اصل میں اتنا توانا ہے کہ ہر نعت گو کے ہاں احساس کی حِدّت اس مضمون میں جدّت کا احساس بھر دیتی ہے ریاض حسین چودھری کے ہاں بھی اس انقلابِ عظیم کی کیفیت کا اظہار بڑی تازگی کے

ساتھ کیا گیا ہے۔

چراغاں کب ہوا تھا آمدِ سرکارؐ سے پہلے
اندھیرا تھا جہاں میں آپؐ کے انوار سے پہلے
زمیں جھوٹے خداؤں کی عملداری میں شامل تھی
بشر آسودہ کب تھا سیّدِؐ ابرار سے پہلے
تصوُّر چاند راتوں کا کہاں تھا ذہنِ انساں میں
ستارے مضطرب تھے احمدِؐ مختار سے پہلے

اور پھر حضورؐ کی ذاتِ پرُنور سے پھیل جانے والی تابندگی کا بیان دیکھئے جس کا فیضان تاقیامت جاری رہے گا۔

ایک اُمّیؐ نے اتارے علم کے سورج ہزار
آج بھی روشن ہیں انسانوں کے اندر کے چراغ
یہ ثنائے سیّدِ ساداتؐ کا فیضان ہے
میری کٹیا میں ملیں گے عُود و عنبر کے چراغ
آؤ دکھلاؤں تمھیں غارِ حرا کی تابشیں
تم نے دیکھے ہیں کبھی دنیا میں پتھر کے چراغ
آپؐ کے نقشِ قدم کو حشر تک چوما کریں
آسماں کی وسعتوں میں ماہ و اختر کے چراغ
سرُخ آندھی کی کروڑوں سازشوں کے باوجود
جل رہے ہیں ہر طرف میرے پیمبرؐ کے چراغ

ریاض صاحب کی نعتیہ شاعری میں جو دردمندانہ مضامین ضمنی طور پر جابجا اُبھر آتے ہیں ان میں سے ایک وطنِ عزیز پاکستان کے حالیہ احوال کا غم اور اس کے تابندہ مستقبل کی تمنّا کا مضمون ہے۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

بھیڑیے ہیں ارضِ پاکستان پر ٹوٹے ہوئے
تا ابد روشن رہیں اس کے مقدّر کے چراغ

☆

جاں نثاروں کے وطن پر ہو نگاہِ التفات
مُلتجی ہے ذرّہ ذرّۂ یا نبیؐ، روتا ہوا

☆

مہاجن پی گئے پانی مرے کھیتوں کے حصّے کا
مدینے کے افق پر جھومتی کالی گھٹا مانگو
ہوئے ہیں خود کشی پر آج آمادہ مرے بچّے
وطن کی سر زمیں سے تیرگی کا انخلا مانگو

☆

نبیؐ جیؐ بڑھ رہی ہے سر کشی امواجِ برہم کی
ڈبو دے گا سفینے ناخدا، چوکھٹ پہ آیا ہوں
مری بستی کے پیڑوں پر انا لاوا اگلتی ہے
اُٹھے اب امن کی کالی گھٹا، چوکھٹ پہ آیا ہوں

☆

حضورؐ بردہ فروشوں کے خوف سے مَیں نے
تمام بچّوں کو کمرے میں بند رکھا ہے

''آبروئے ما'' کے قارئین کو اور بھی بہت سے مضامین کے جواہر پارے ریاض صاحب کے کلام میں بکھرے ہوئے ملیں گے۔ ان سب کا حصر ان مختصر سے تمہیدی کلمات میں ممکن نہیں اور ضروری بھی نہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ریاض صاحب کے تسلسلِ فن کو اب کسی تمہید یا تعارف کی ضرورت ہی نہیں۔ یہ چند حروف تو محض حصولِ سعادت کی غرض سے لکھے گئے ہیں اور ان کا اختتام مَیں اُن کے دو دعائیہ اشعار پر آمین کہتے ہوئے کرنا چاہوں گا:

دل کے ورق پہ جھکتا چلا جائے حشر تک
میرے قلم کو ایسی عبادت نصیب ہو
دونوں جہاں میں میرا تعارف ہو نعت سے
دونوں جہاں میں بزمِ رسالت نصیب ہو

ڈاکٹر عزیز احسن

5 ستمبر 2013

زم زمِ عشق...... حدیثِ دلِ مہجوراں

ریاض کے شاعرانہ اسلوب کی تفہیم

اردو شاعری بالخصوص غزل میں لگے بندھے مضامین کی بھرمار اور یکساں خیالات کی یلغار نے ایک دن ایسی صورت بھی پیدا کردی تھی کہ غزل گو شاعر بھی اس شعری سرمائے کو بُرا جاننے لگے تھے، حالؔی نے لکھا۔

> ''اب جو پچھلوں نے اگلوں کی تقلید کرنی شروع کی تو نہ صرف مضامین میں بلکہ خیالات میں، الفاظ میں، تراکیب میں، اسالیب میں، تشبیہات میں، استعارات میں، بحر میں، قافیہ میں اور ردیف میں، غرضیکہ ہر ایک بات اور ہر ایک چیز میں ان کے قدم بقدم چلنا اختیار کیا، پھر جب ایک ہی لکیر پیٹتے پیٹتے زندگی اجیرن ہوگئی تو نہایت بھونڈے اختراع ہونے لگے۔''
>
> (مقدمۂ شعر و شاعری، ص: 31)

ادب میں لکھاریوں کی یہی روش بعد کے ادوار میں Cliche, Doxa, Stereotype یعنی خیال، نظریئے، شعری بنت قافیہ چمکانے اور ردیف نباہنے کی بھونڈی صورت اور اظہاری ڈھانچوں کی تکرار، توارد اور یکسانیت کے حوالے سے اکتاہٹ کی طرف اشارہ کرنے والے الفاظ نے وجود پایا۔ اس طرح ہر ایسا ادب بدنام ہوا جو صدیوں کی روایت کے چنگل سے نہ نکل سکا تھا۔

ہمارے ہاں روایت سے بغاوت کی مثال غالب کی ہے جس نے کسی ہم تخلص

شاعر کی مماثلت سے بیزار ہوکر اپنا تخلص اسد سے غالب کرلیا تھا۔ قاضی عبد الجلیل جنون کے نام خط میں غالب نے لکھا:

''اکثر ایسا ہوتا ہے کہ اور کی غزل میرے نام پر لوگ پڑھ دیتے ہیں۔ چنانچہ انہیں دنوں میں ایک صاحب (منشی شیونرائن آرام) نے مجھے آگرے سے لکھا کہ یہ غزل بھیج دیجئے۔

اسد اور لینے کے دینے پڑے ہیں

مَیں نے کہا لا حول ولا قوۃ۔ اگر یہ کلام میرا ہو تو مجھ پر لعنت۔ اسی طرح زمانۂ سابق میں ایک صاحب نے میرے سامنے یہ مطلع پڑھا

اسد اس جفا پر بتوں سے وفا کی
مرے شیر، شاباش رحمت خدا کی

مَیں نے سن کر عرض کیا کہ صاحب، جس بزرگ کا یہ مطلع ہے اس پر بقول اس کے رحمت خدا کی اور اگر میرا ہو تو مجھ پر لعنت، اسد اور ''شیر'' اور ''بت'' اور ''خدا'' اور ''جفا'' اور ''وفا'' میری طرزِ گفتار نہیں ہے''

(خطوطِ غالب، غلام رسول مہر ص: 438)

عام شاعری کی بہ نسبت نعتیہ شاعری میں دہرائے جانے والے مضامین، اسالیب کی یکسانیت، خیال کی تکرار، ہم آہنگی، جذبے کی سطحیت اور بیان کی عمومیت نے وہ فضا پیدا کردی تھی کہ ادب کے سنجیدہ لکھاری اس طرف متوجہ ہی نہ ہو سکے، بس تبرکاً ایک آدھ نعت کہہ لی اور اسی کو زادِ آخرت سمجھ کر اپنے دواوین کا حصہ بنالیا۔ چنانچہ معیاری کلام کی

مقداری کمی اور غیر معیاری کلام کی بہتات نے ''نعت'' کو ادبی سطح پر صنفِ سخن کے طور پر ابھرنے کا موقع نہیں دیا۔ الحمد للہ! اب یہ فضا بدل چکی ہے حالانکہ ''نعت'' ہر عہد کی ''روحِ عصر'' ہَے لیکن ہمارے ادبی افق پر ''نعت'' ایک طویل عرصے بعد ادب کی ''روحِ عصر'' بن کر ابھری ہے۔

> ریاض حسین چودھری کی شعری اقدار میں جدت کا عنصر اس بات کا غماز ہَے کہ وہ شعوری طور پر نعت کو صنفِ ادب میں نمایاں صنف کے طور پر ابھرتا دیکھنے کے متمنی ہیں، مجھے ان کا وہ انٹرویو یاد آ گیا جو شہید آفتاب احمد نقوی نے ''اوج'' کے نعت نمبر کے لئے 1992ء میں کیا تھا۔ ان سے سوال کیا گیا کہ ''نعت کے سلسلے میں جدید و قدیم کی اصطلاحات سے آپ کہاں تک اتفاق کرتے ہیں آپ کے نزدیک جدید نعت کیا ہَے؟ اس کے جواب میں انہوں نے کہا تھا:
>
> ''نعت کے سلسلے میں جدید و قدیم کی اصطلاحات سے اتفاق نہ کرنے کی کوئی وجہ میری سمجھ میں نہیں آتی۔ نعت نگاری ایک صنفِ سخن ہے اور دیگر اصنافِ سخن کی طرح اس میں بھی فنی ارتقا ممکن ہے بلکہ ہوتا ہے، جدید نعت قدیم نعت سے کئی حوالوں سے مختلف ہے، جدید نعت میں سوچ اور اظہار کے بھی نئے آفاق مسخر ہو رہے ہیں۔''
>
> (''اوج'' نمبر 1 ص 644)

تخلیقی سطح پر اگر کسی نعت گو شاعر کو اس بات کا احساس رہتا ہے کہ ''جدید نعت میں سوچ اور اظہار کے بھی نئے آفاق مسخر ہو رہے ہیں'' تو یہ اس بات کا اشاریہ ہَے کہ وہ نعت گو بحیثیت مجموعی ''ادب'' کی قدیم وجدید تخلیقی تحریروں سے نہ صرف واقف ہَے بلکہ اچھے اور کم اچھے اور اچھے یا بُرے ادب میں امتیاز بھی کرسکتا ہَے۔ ایسے ہی شعراء اپنی

تخلیقات میں کسی صنفِ ادب کو کچھ نئی آواز، نیا انداز، نئے محاورے، نئے لہجے، نئے اسالیب اور نئے مزاج کا ''متن'' (text) دے سکتے ہیں ایسے ہی شعرا ادب کو مکمل فرسودگی آمیز تخیل اور گھسے پٹے یا مسترد شدہ اندازِ فکر و تخیل

(Cliche ridden imagery and obsolete thought)

کے پنجے سے چھڑا سکتے ہیں اور ایسے ہی لکھاری ادب کو تازہ ہوا فراہم کرنے والے تخلیق کار ہوتے ہیں۔

ریاض حسین چودھری نے اپنی تخلیقات کی شکل میں نعتیہ ادب میں اب تک جو اضافے کئے ہیں ان میں سے بیشتر پر جدید اسالیب کی دھنک کے اثرات محسوس ہوتے ہیں۔ انہوں نے خاصی حد تک اپنا ایک اسلوب بنالیا ہے اور اسی لئے ان کی تحریریں نعت کائنات میں فنی آب و تاب کے حوالے سے کسی نو دریافت شدہ سیّارے کی طرح مرکزِ نگاہ بن جاتی ہیں۔ ریاض حسین چودھری کی نعتیہ شاعری کو ان کے جذبے کی پاکیزگی اور پیش کش کے سلیقے نے وہ شاعرانہ اسلوب عطا کیا ہے جس کی تفہیم کے لئے میؔر کے اس مصرعے سے مدد لینی پڑتی ہے۔

عشق بن یہ ادب نہیں آتا

میرے پیشِ نظر ریاض حسین چودھری صاحب کے تازہ مجموعۂ نعت ''زم زمِ عشق'' کا مسودہ ہے جس میں شامل غزل طور لکھی ہوئی بہت سی نعتیہ تخلیقات سے فن کی روشنی اور جذبے کی خوشبو پھیل رہی ہے۔ اس شعری مرقع میں خیال کے مختلف رنگ، اظہار کے نئے زاویے، جذبے کی سچائی کے مناظر بھی دیکھے جاسکتے ہیں اور ایسے تلمیحاتی اشارے بھی جو حوالہ جاتی اسلوب سے الگ ہیں۔

یہاں مَیں ریاض حسین چودھری کے چند اشعار کی قرات سے پیدا ہونے والی معنیاتی چکا چوند کی ایک جھلک دکھانے کی کوشش کرتا ہوں۔ میرے خیال میں یہ اندازِ تفہیم، نعتیہ ادب میں بڑی حد تک غیر متعارف ہے۔

لازمی ہَے آفتابِ نور سے وابستگی
تیرگی دے گی فقط ''روشن خیالی'' ہاتھ میں

ہمارے عہد کی ظلمت یہی ہَے کہ بعض لوگ دین سے دوری ہی کو ''روشن خیالی'' کا طرۂ امتیاز سمجھنے لگے ہیں، شاعر نے اس خیال کی تردید کی ہَے اور حضور نبی اکرم ﷺ سے وابستگی کو لازمی قرار دیتے ہوئے آپ ﷺ کی ذات کے لئے استعارۃً ''آفتابِ نور'' کی ترکیب استعمال کی ہے۔ یہاں استعارے کی تازگی کے ساتھ ساتھ قرآنی تلمیح ''سِرَاجًا مُّنیرا'' کو بھی ذہن میں رکھیئے، اس طرح مفہوم کی بلندی، مقصد کی نشاندہی اور عقیدے کی سچائی شعر کی صورت میں ایک اکائی میں ڈھل گئی ہَے۔ مزید برآں شعر میں ''روشن خیالی'' عصری معاشرے میں رائج گمراہ کن اصطلاح کے حوالے سے مذکور ہوئی ہَے لیکن ذرا غور کریں تو شعر کے معنوی پرت اس طرح بھی کھلتے ہیں کہ ''روشن خیالی'' چونکہ ایک خیالی چیز ہَے اس لئے اس کے توسط سے صرف اندھیرا مل سکتا ہَے جبکہ نور کے حصول کے لئے عالمِ آب وگل آفتاب کا محتاج ہَے۔ درج بالا شعر میں شاعر نے ''روشنی'' کے حصول کے لئے نورِ رسالت مآب ﷺ کی جانب توجہ مبذول کروائی تھی۔ درج ذیل شعر میں کسی استعارے یا تشبیہہ اور امیجری کی مدد کے بغیر ''برہنہ گفتاری'' کے انداز میں ایک کھلی ہوئی حقیقت کی طرف اشارہ کردیا۔

یہ تو فیضانِ پیمبرؐ ہَے ازل سے تا ابد
ہاتھ کب آتی ہَے عمرِ مختصر میں روشنی

حضور اکرم ﷺ کا فیضان ہَے کہ انسان کو اس کی مختصر زندگی میں ''روشنی'' میسر آ گئی ...... یہ روشنی زندگی کی صورت میں بھی ہوسکتی ہَے کیونکہ عالمِ انسانی کی تخلیق اور انسانوں کو حیات بخشی کا عمل حضور ﷺ ہی کے صدقے میں شروع ہوا ہَے۔ آپ ﷺ ہی وجہ تخلیقِ کائنات ہیں یہ روشنی، حقیقت آشنائی کی بھی ہوسکتی ہَے، ایمان کی بھی اور دینِ اسلام کے مکمل نظام کی بھی ہوسکتی ہَے۔ یہاں روشنی کے مفاہیم میں جو وسعت ہَے اس کا اندازہ کرنا اور معانی کا تعین کرنا شعر کو محدود کرنے کے مترادف ہوگا...... پھر شاعر نے کُھلی حقیقت کے اظہار سے عمر کے اختصار کا ذکر کر کے ایک پیغام بھی دیا ہَے کہ روشنی کے حصول کی کوشش میں جلدی کرو...... دوڑو زمانہ چال قیامت کی چل گیا اس نعتیہ غزل میں یہ مصرع بھی ''روشنی'' کے مفاہیم کو واضح کرتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔

روشنی دے دی گئی ہَے ہر سوالی ہاتھ میں

اس لئے ایک مرحلے پر شاعر برملا کہتا ہے۔

آدم کی نَسلِ نو کو شبِ انحراف میں
محسوس ہو رہی ہَے ضرورت حضورؐ کی

اور اب اسی تناظر میں ایک شعری مرقع ملاحظہ ہو جو حضور اکرم ﷺ کی عظمت، یکتائی اور رسالت کی لازمانیت کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔

آسمانِ ہدایت پہ لکھّا گیا، حشر تک اب قیادت ہَے سرکارؐ کی
گمرہی کے وثیقے جو لکھتی ہے شب دیکھنا سب کے سب رائیگاں جائیں گے

ایک اور شعری پیکر میں معنیاتی وسعتوں کا ادراک کیجئے

روز جاتی ہَے ہوا شہرِ پیمبرؐ کی طرف
روز کھڑکی میں چراغِ چشمِ تر رکھا کرو

اس شعر کی امیجری پر ذرا غور فرمایئے، شاعر کہنا یہ چاہتا ہَے کہ مَیں ہجرِ طیبہ میں روتا ہی رہتا ہوں۔ لیکن وہ شعری زبان میں اس طرح بات کرتا ہَے کہ منظر visualize ہوجائے۔ محاکاتی تناظر میں دیکھئے! کھڑکی میں شاعر کسی پیغام کے انتظار میں بیٹھا ہَے لیکن جب کوئی پیغام نہیں ملتا تو اس کے آنسو نکل پڑتے ہیں۔ اب وہ خود ترغیبی کے انداز میں یہ کہتا ہَے کہ کوئی بلاوا آئے نہ آئے لیکن تم روزانہ اپنی آنکھوں سے اشکوں کو دھو لیا کرو کیونکہ یہی اشک چراغ بن کر روشنی کریں گے اور طیبہ کی طرف جانے والی ہوا یہ روشنی اپنے ساتھ لے جائے گی (کیونکہ یہ چراغ ہوا سے بجھائے نہ جاسکیں گے)...... اِس طرح تمہارے ہجر زدہ دل کی کیفیات بھی حضور اکرم ﷺ تک پہنچ جائیں گی اور تمہارے فراق کا مداوا بھی ہوجائے گا

ایک اور زاویے سے اس شعر پر غور کریں تو اس کا بہت بڑا نعتیہ حوالہ بنتا ہے، حضرت زین العابدین ؓ نے جو نعت کہی اس کا مطلع ہے۔

ان نلت یا روح الصبا یوما الیٰ ارض الحرم
بلغ سلامی روضۃ فیھا النبی المحترم

''اے بادِ صبا! اگر تیرا گذر سرزمین حرم تک ہوتو میرا سلام اس روضہ کو پہنچا جس میں نبیِ محترم تشریف فرما ہیں۔''

یہاں بھی صبا سے پیغام رسانی کے لئے کہا جا رہا ہے اور ظاہر ہَے ہجر کا شکوہ یہاں بھی شعری پیکر میں پوشیدہ ہے...... کھڑکی اور شاعر کی بیچارگی کے حوالے سے ایک اور

شعری روایت کی طرف دھیان جاتا ہے۔ سودا نے کہا تھا

اے ساکنانِ کنجِ قفس! صبح کو صبا
سنتی ہی جائے گی سوئے گلزار کچھ کہو!

اس طرح شعری روایت میں ریاض حسین چودھری کے خیال کا سفر، فکر اور اسلوب کے حوالے سے ایک لامتناہی سفر بن جاتا ہے سودا کنجِ قفس میں قیدیوں سے ہمکلام ہے تو ریاض حسین چودھری خود ہی اپنے آپ کو گھر کی چار دیواری میں قید پاکر اسے زنداں سمجھ رہے ہیں اور کھڑکی کھول کر کسی قاصد کا انتظار کر رہے ہیں جو یہ پیغام لائے کہ نبی ﷺ نے انہیں یاد فرمایا ہے۔ یہ معنیاتی منظر نامہ امتِ محمدیہ کے اجتماعی لاشعور کی عکاسی کر رہا ہے۔ اس طرح شاعر کی ندا ''حدیثِ دلِ مہجوراں'' کی علامت بن گئی ہے۔

رجائیت سودا کے شعر سے بھی مترشح ہے اور ریاض حسین چودھری کے شعر سے بھی ''کربِ ہجر'' کے باوجود قنوطیت ظاہر نہیں ہوتی۔

بیاضِ نعت کے اوراق الٹو خوشبوؤ آکر
رقم اسوہ پیمبرؐ کا کتابِ جاوداں میں ہے

اس شعر میں کتابِ جاوداں ''قرآنِ کریم'' میں حضور نبی اکرم ﷺ کے اسوۂ حسنہ کی موجودگی کا تذکرہ ہے جو ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ ؓ کے قولِ مبارک کی یاد دلاتا ہے۔

اِنَّ خَلَقَ نَبیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ الْقُرانُ

''بے شک نبی ﷺ کے اخلاق قرآن کے مطابق تھے۔''

شعورِ بندگی سرکارؐ کی چوکھٹ سے ملتا ہے
رضا اللہ کی عشقِ امامِ مرسلاں ﷺ میں ہے

یہاں "عشق" سے مراد حُبِّ رسول ﷺ کا وہ معیار ہَے جس میں امتی کے ہرعمل سے "اتباعِ رسول ﷺ" کے اظہار کے ساتھ ساتھ "عشق" کی پاکیزہ خوشبو بھی محسوس کی جاسکے۔

اس جہانِ رنگ و بو میں ہم نے دیکھا ہَے ریاضؔ
ایک ہی موسم ثنا کا ہَے ازل سے تا ابد

صفتِ تلمیح کے حامل وہ اشعار ہوتے ہیں جن میں کسی قرآنی آیت، حدیثِ مبارک، تاریخی واقعے یا روایت کے خدو خال واضح ہوں لیکن جب یہ اشارے نہ ہوں اور شعر میں ایسا قرینہ ہو کہ قاری کا ذہن از خود کسی تلمیح تک پہنچ جائے تو بھی وہ شعر تلمیحاتی حوالے سے سمجھا جاسکتا ہے لیکن اس قسم کے شعر کی خوبی یہ ہوتی ہَے کہ اس شعر کا مفہوم سمجھنے میں اس قاری کو بھی دقت نہیں ہوتی جو کسی خاص روایت سے آگاہ نہیں ہوتا۔ ذرا دیکھئے درج بالا شعر کی قرات سے سورۂ احزاب کی آیت نمبر 56 کی طرف دھیان جاتا ہَے جس میں کہا گیا ہَے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں کے ساتھ حضور اکرم ﷺ پر درود بھیج رہا ہَے ...... ساتھ ہی مؤمنوں کو بھی حکم دیا گیا ہَے کہ آپ ﷺ کی جناب میں درود وسلام کے نذرانے پیش کریں ......لیکن اس شعر میں شاعر نے قرآنی حوالہ نہیں دیا ہے اس لئے "متن" کھلا ہوا ہے اور قاری اپنی دانست میں اس شعر کے مفاہیم تک جس زاویے سے چاہے پہنچ سکتا ہے۔

دین بھی دنیا بھی ہَے سائل کے خالی ہاتھ میں
روشنی دے دی گئی ہے ہر سوالی ہاتھ میں

یہ شعر پڑھ کر اقبال کے متن کی تجدید کا خیال آتا ہے۔ اقبال نے کہا تھا

از کلیدِ دیں درِ دنیا کشاد
ہمچو او بطنِ امِ گیتی نژاد

''آپ ﷺ نے دین کی کنجی سے دنیا کا دروازہ کھولا (اور امت کو بھی یہی ہنر سکھایا) دنیا میں کسی ماں نے آپ ﷺ جیسے کامل انسان کو جنم نہیں دیا۔''

چند اشعار کے مفاہیم تک پہنچنے کی کوشش کرنے کے بعد مجھے یہ عرض کرنا ہے کہ تشریحی یا توضیحی انداز کی ان جھلکیوں کی روشنی میں ریاض حسین چودھری کی نعتیہ تخلیقات کا مطالعہ کیا جائے تو ان کے بُنے ہوئے ''متن'' (Text) کی معنیاتی ثروت مندی کا صحیح اندازہ ہوسکتا ہے۔

دیباچہ، کسی کتاب کے تفصیلی مطالعے اور اس کے نتائج سے مفصل آ گاہی دینے کا عمل نہیں ہوسکتا۔ اس لئے چند ایک نکات کی طرف توجہ مبذول کروا کے مَیں کتاب کے قاری سے رخصت چاہوں گا تاکہ وہ اصل ''متن'' پڑھ کر روحانی بالیدگی اور جذبۂ عشق نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں اِز دیاد کی کیفیتوں کو خود محسوس کر سکے۔

ریاض حسین چودھری کو اس بات پر بجا طور پر فخر ہے کہ وہ مسلسل نعت کہتے ہیں اور چونکہ ان کا جذبہ بے کنار ہے اس لئے اس جذبۂ صادقہ کے اظہار میں کسی قسم کے اختصار کی بھی ان کے مسلک میں کوئی گنجائش نہیں ہے۔

یہ سرے سے میرے مسلک میں نہیں شامل ریاضؔ
باب ہو نعتِ نبیؐ کا اور حرفِ اختصار

اختصار کی گنجایش نہ ہونے کا جواز یہ ہَے کہ شاعر کے گھر میں یہی ایک سامان ہے جس سے علاجِ قلبِ مضطر ہوتا ہَے نیز شاعر کے پاس ایسا قلم دان بھی ہَے جسے سرکارؐ کی مدحت نگاری سے فرصت نہیں ملتی۔

بیاضِ نعت کے اوراق پر کرنوں کی رم جھم ہے
سکونِ قلبِ مضطر کا بھی ساماں ہَے مرے گھر میں
جسے فرصت نہیں سرکارؐ کی مدحت نگاری سے
خدا کا شکر ہَے ایسا قلم داں ہے مرے گھر میں

امتِ مسلمہ جس اِدبار، جس زوال اور جس ذلت آمیز تاریخی دور سے گزر رہی ہے اس کا ذکر اکثر شعرا اپنی نعتوں میں کرتے ہیں، کیونکہ کوئی بھی شاعر عصری زندگی سے آنکھیں نہیں چرا سکتا۔ ریاض حسین چودھری کے ہاں بھی غمِ زمانہ کے کرب انگیز لمحات لفظوں میں قید ہیں۔

کسی اخبار کے کالم میں پڑھ کر حال امت کا
ورق پر آج بھی میرے قلم سے خون ٹپکا ہے

ہجر زدہ عاشق کو ہمیشہ انتظار رہتا ہَے کہ اُسے پیغامِ ''طیبہ رسی'' ملے ...... ریاض حسین چودھری نے ذرا تعلّی کے انداز میں اپنی رجائیت اور ''مژدۂ طیبہ رسی'' پانے کا انوکھے انداز سے اظہار کیا ہے۔

ہوائے خلدِ طیبہ نے کہا اے خوشنوا شاعر
مقدر میں ترے اب کے برس بھی چاند لکھے ہیں

چاند لمحے کی ترکیب، نعتیہ ادب میں ایک خوبصورت اضافہ ہے

اسلوب کی دلکشی، بیان کی ندرت اور جذبے کی سچائی کے انعکاس نے ''زم زمِ عشق'' کی شاعری کو وہ خوبی عطا کردی ہے کہ جب شاعر تعلّی آمیز انداز میں اپنے لہجے کو ''منفرد'' قرار دیتا ہے تو اس پر قاری کو ''صاد'' کہنا ہی پڑتا ہے۔

ثنا گوئی میں میرا منفرد سا ایک لہجہ ہے
درِ سرکارؐ سے رزقِ ثنا ہر روز ملتا ہے

کچھ اور اشعار ملاحظہ فرمایئے۔

کہہ رہی ہے آج بھی شہرِ نبیؐ کی روشنی
تم تلاشِ عظمتِ رفتہ میں بھی نکلا کرو

☆

قرآں میں درج سیرتِ سرکارؐ ہے ریاضؔ
قرآں سے مستند تو حوالہ نہیں کوئی

☆

سن لیں، غبارِ شب میں اندھیروں کے قافلے
سب عزتوں سے بڑھ کے ہے عزت حضورؐ کی

ریاض حسین چودھری کا ایک شعر تو ایسا ہے جسے ہر قاری کی لوحِ دل پر نقش ہوجانا چاہیئے تاکہ ہر مسلمان کی نسل میں عشقِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی وراثت دست بدست ''تا حشر'' تقسیم ہوتی رہے

مَیں نے سامانِ وراثت میں ادب سے بچّو!
اپنی دستارِ غلامی کو سجا کر رکھّا

میرا خیال ہَے کہ مَیں نے شاعر کے بیان کی جمالیاتی اور معنیاتی خوبیاں ظاہر کرنے کے لئے اس کے شعری نگار خانے سے چند مرقعوں کی طرف اشارے کر کے اپنے اس دعوے کی دلیل فراہم کردی ہَے کہ ریاض حسین چودھری کا جو کچھ تنقیدی نظریہ پیش کیا تھا اس کے اثرات ان کے کلام میں بھی مصّور ہیں یعنی

''جدید نعت قدیم نعت سے کئی حوالوں سے مختلف ہے۔ جدید نعت میں سوچ اور اظہار کے بھی نئے آفاق مسخر ہو رہے ہیں۔''

مَیں نے شاعر کے کلام کی کلیت (wholeness) کو پیشِ نظر رکھا ہَے اس لئے واضح کرتا چلوں کہ زود نویسی اور بسیار نگاری کے تحت کلام میں مضامین کی تکرار کا جو عنصر در آتا ہَے، اس کے نشانات ریاض حسین چودھری صاحب کے کلام میں بھی محسوس کئے جا سکتے ہیں لیکن Gestalt psychology کی اصطلاح holism کے تحت مجموعی تاثر ہی کو کلام کا طرۂ امتیاز قرار دیا جائے گا...... اور ان کا کلام بڑا متاثر کن ہَے بلکہ اپنے لہجے کی انفرادیت کے حوالے سے ''ایک پھول کا مضمون سو رنگ سے باندھنے'' کا جواز بھی پیش کر رہا ہَے ...... پھر یہ بھی ہَے کہ شعوری طور پر کسی صنفِ سخن کی ادبی پہچان قائم کرنے کے لئے جو شاعری کی جاتی ہَے اس میں بیان کے زیادہ سے زیادہ نمونے پیش کرنے کا جذبہ بھی کارفرما ہوتا ہے۔ اس زاویے سے دیکھیں تو کلام میں تکرار و توارد کا عمل بھی بھلا لگتا ہَے۔

''زم زمِ عشق'' کی اشاعت پر مَیں ریاض حسین چودھری کو دلی مبارک باد پیش کرتا ہوں۔

ڈاکٹر طاہر حمید تنولی
ایوانِ اقبال، لاہور
14 اگست، 2015ء

مدحت نگارِ رسول ﷺ کا ارمغانِ عجز و نیاز

''نعت گوئی کے نئے اُسلوب کا بانی ہوں میں''

شعورِ انسان کی فعالیت اپنی بوقلمونی کے باعث متنوع انداز یعنی کبھی تو صرف تصوُّر و خیال اور کبھی عمل کے طور پر سامنے آتی ہے۔ جب تصوُّر و خیال اور عمل باہم مل جائیں تو یہ حال میں ڈھل جاتے ہیں۔ اظہار کے تمام پیرائے چاہے وہ کسی بھی صنف وفن سے تعلق رکھتے ہوں انہی دائروں میں رہتے ہوئے ابلاغ پاتے ہیں۔ مگر ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ کوئی پیرایۂ اظہار صاحبِ فن کے حال کا نتیجہ ہو اور اس کی من کی دنیا کی بھی خبر دے رہا ہو۔

نعت احساساتِ قلب و روح، عشق و محبت اور اطاعت وعقیدت کے اِظہار کا وہ پیرایہ ہے جو قال سے زیادہ حال کا متقاضی ہے۔اگرچہ نعت گو صاحبِ فن کبھی بھی عقیدت اور عشق و محبت سے خالی ہوکر نعت نہیں لکھتا مگر یہ بات کہ جو کچھ لکھا جارہا ہے وہ لکھنے والے کا ظاہر و باطن، اس کے قلب و روح کا ماحول اور اس کے احساسات و افکار کی کائنات بھی ہو جس سے الگ ہو کر اس کی ہستی کا وجود نہ رہ سکے ایک استثنا ہے۔ یہ ادا نعت کو وہ تازگی اور واقعیت دیتی ہے کہ نعت اپنے لکھنے والے کے حال و مقام کا پتہ معلوم ہونے لگتی ہے۔ ریاض حسین چودھری صاحب کی 'تحدیثِ نعمت' نعت کا ایسا ہی مجموعہ ہے جس کے اشعار، افکار، اُسلوب اور لفظیات ان کے حال کے غماز ہیں۔ نعت گوئی میں محویت نے ان کے

شعور کو یوں اپنے رنگ میں رنگ لیا ہے کہ ان کی ساری پہچان یہیں سے کشید ہو رہی ہے:

ہم ریاضِ قلم کے چمن زار میں
تتلیوں میں رہے جگنوؤں میں رہے

ریاض حسین چودھری کا نعت کی فضا میں زندگی کرنے کا ہی ثمر ہے کہ وہ اپنے دینی، تہذیبی اور ادبی پس منظر اور سرمائے کو بھی نعت کے روزن سے ہی دیکھتے ہیں:

عافیت سر تا قدم حرفِ دعا ہے آقاؐ
دائمی امن ترےؐ در کی عطا ہے آقاؐ

یہ شعر ہمیں قرآنِ حکیم کی آیت ﴿وَمَنْ دَخَلَهُ كَانَ اٰمِنًا﴾ کی یاد دلاتا ہے۔

خدائے سخن میرؔ نے کہا تھا:

لے سانس بھی آہستہ کہ نازک ہے بہت کام
آفاق کی اس کارگہِ شیشہ گری کا

'تحدیثِ نعمت' میں اس احساس کو نعت کے رنگ میں یوں بیان کیا گیا:

آہستہ سانس لینے کا مجھ کو ہنر ملے
حرفِ ادب ہو میری صداؤں کا پیرہن

یہاں ادب کے لیے صداؤں کو پیرہن میں رکھنے کا قرینہ شاعر کے رموزِ محبت سے آشنائی کی خبر دیتا ہے۔ 'تحدیثِ نعمت' میں قلب و روح کے ادب کے ساتھ ساتھ محاسنِ ادب کو برتنا بھی نظر انداز نہیں کیا گیا:

مدحت کے پھول شاخِ قلم پر کھلے رہیں
پلکوں پہ آنسوؤں کے ستارے سجے رہیں

ایک اک لمحہ شبِ اسریٰ کا روشن آفتاب
عکس کی معراج گویا آئینہ خانے میں ہے

پھر مرے قصرِ تخیّل کا دریچہ ہے کُھلا
اک چراغِ آرزو ہے دیدۂ تر میں جلا

'تحدیثِ نعمت' میں شاعر کی لفظیات ان کے نعتیہ حال کی گواہ بن کر سامنے آتی ہے۔ نقشِ قدم، نقشِ کفِ پا، اسمِ محمدؐ، اسمِ مصطفیٰؐ، روشنی، ہوائے مدینہ، چراغ، گنبدِ خضریٰ، پھول، گلاب، خوشبو، رتجگا وہ الفاظ ہیں جن کی تکرار ہر دوسرے صفحے پر موجود ہے اور صرف انہی الفاظ کو مرتّب کر کے شاعر کی زندگی کا اجمالی خاکہ بیان کیا جا سکتا ہے یعنی: صاحبِ گنبدِ خضریٰؐ کے نقشِ پا و نقشِ قدم کی روشنی، ہوائے مدینہ کی خوشبو اور اسمِ مصطفیٰؐ کے گلاب نے میرے رتجگوں میں چراغ روشن کر دیئے! ریاض حسین چودھری کی زندگی میں جہاں عشقِ رسولؐ کی تپش ہے وہاں بارگاہِ رسالت کے ادب نے عجز کا رنگ بھی پیدا کر دیا ہے۔ اطاعتِ نبوی کے جذبے نے شاعر کو جو اجالا دیا وہ اس کے چہرے کا نور بن گیا:

عمر بھر نقشِ قدم انؐ کے رہے جاں سے عزیز
چاندنی عجزِ مسلسل کی مرے چہرے میں ہے

چونکہ مقصودِ نعت کو حال بنانے میں انسان کی انا ہی حائل رہتی ہے، شاعر نے

اس مشکل کا حل بھی سراپا عجز بننے میں ہی پایا ہے:

ایک عالم تری دہلیز پہ ہے کاسہ بکف
عجز کے پانی میں میری بھی اَنا ہے آقاؐ

اسے بھی عجز کی چادر ملے گی یہ یقیں رکھنا
بہت شرمندہ ہے میری اَنا آقاؐ کی چوکھٹ پر
ریاض اپنا قلم ٹوٹا ہوا بھی ساتھ لے جاؤں
بڑے ہی عجز سے ہو گا فدا آقاؐ کی چوکھٹ پر

جھوٹی اَنا ہو قریۂ انفاس سے پرے
کشتِ ادب میں عجز کے بوٹے ہرے رہیں

شاعر نے اپنی انا کو عجز کے پانی یعنی آنسوؤں میں فنا اس لیے کیا کہ اس نے عظمت کا یہ راز پا لیا ہے کہ:

مرا بھی نام شامل ہے نبیؐ کے جاں نثاروں میں
حروفِ عجز کی مَیں شان و شوکت دیکھ آیا ہوں

آپؐ کی نسبت سے بس پہچان ہے اس کی حضورؐ
ورنہ اک گمنام عاجز ہے ریاضِ بے نوا

’تحدیثِ نعمت‘ اُمّت کے درد وغم کے بیان سے بھی خالی نہیں:

آج بھی اُمّت نبیؐ کی، سازشوں کا ہے ہدف
فتنہ و شر کے بدن پر آج بھی اتریں عذاب
اپنے اندر جھانکنے کی بھول بیٹھی ہے ادا
ہو عطا اُمّت کو آقاؐ پھر شعورِ احتساب

الغرض ''تحدیثِ نعمت'' بیانِ عشق ومستی بھی ہے، اظہارِ فدائیت وخودسپردگی بھی، اُمّت کے درد وغم کا بیانیہ بھی ہے اور بارگاہِ رسالت مآب ﷺ سے امت کے لیے ایک تابناک مستقبل کی طلب کا سوال بھی اور پھر اس سب کچھ کو ادب و عجز سے بیان کرنے نے چودھری صاحب کو نئے اُسلوب کی بنیاد رکھنے والوں میں شامل کر دیا ہے:

انتہائی عجز سے تحریر کرتا ہوں ریاضؔ
نعت گوئی کے نئے اُسلوب کا بانی ہوں میں

ڈاکٹر ریاض مجید

ریاض حسین چودھری کی معرّیٰ حمد و نعت

ریاض حسین چودھری نعتیہ شاعری کے معاصر منظر نامے کی وہ معروف شخصیت ہیں جنہوں نے گزشتہ (کم و بیش) تین دہائیوں سے اپنے آپ کو کلی طور پرنعتِ رسول اکرم ﷺ کے لئے وقف کیا ہوا ہے۔ نعت کی تخلیق اور اشاعت کے ساتھ ان کا شغف جز وقتی نہیں ہمہ وقتی ہے۔ اس اعتبار سے یہ وابستگی مبارک ہے بقول علامہ اقبال:

بر آور ہر چہ اندر سینہ داری

نعت کے باب میں جو خیال، احساس، مشاہدہ، جذبہ یا واردات اُن کو متاثر کرتی ہے، اُسے نہ صرف اظہار میں لاتے ہیں بلکہ شائستگی کے ساتھ اسے زمانے کے سپرد بھی کرتے چلے جاتے ہیں۔ اب تک ان کے بارہ نعتیہ مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔ ''دبستانِ نو'' اُن کا تازہ مجموعہ ہے جو معرّیٰ حمد و نعت پر مشتمل ہے۔

ریاض صاحب کی اب تک کی نعتیہ کوششوں کے مطالعے سے اُبھرنے والا نمایاں تأثر نعت کے حوالے سے اُن کا وفور ہے۔ اُن کی نعتیہ شاعری کے تسلسل میں یہ وفور اِس شدّت سے کارفرما ہے کہ وہ نعت کے باب میں انہیں ہمیشہ آمادۂ اظہار بلکہ تخلیق کے نت نئے پیرائے تلاش کرنے پر راغب رکھتا ہے۔ نعت کے حوالے سے انہیں یہ ترغیب اُس شیفتگی سے ملتی ہے جو ان کی محبت آمیز طبیعت میں قدرت نے فطری طور پر ودیعت کی ہوئی ہے۔ علامہ اقبالؒ کے مصرعے میں ایک لفظ کے تصرّف

کے ساتھ کہا جاسکتا ہے:

مجھے فطرت ''ثنا'' پر پے بہ پے مجبور کرتی ہے

ریاض کی شاعرانہ فطرت میں شیفتگی وہ بنیادی جذبہ ہے جو ایک محرک کے طور پر کار فرما ہے۔ یہ اُن کی نعتِ حضورِ اکرم ﷺ سے محبت ہے۔ وہ ایک مکتوب میں اس طویل عقیدت پارے کے بارے میں لکھتے ہیں:

> ''نظم معرّیٰ میں مَیں نے معمولی سی تبدیلی کی ہے وہ یہ کہ حمدیہ/نعتیہ نظم کے آخری دو مصرعے ہم قافیہ اور ہم ردیف ہیں۔ کوشش کی ہے کہ نظم کا سنٹرل (مرکزی) آئیڈیا اس آخری شعر میں سمٹ آئے ......''

چودھری صاحب کا معرّیٰ نظم کے بندوں کے لئے آخر میں غزل (یا قصیدہ) کے مطلع کا پیوند اردو شاعری کی ایک اہم روایت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ دراصل اردو شاعری میں غزل کی صنف اپنے داخلی مزاج کے سبب اتنی محبوب اور مؤثر رہی ہے کہ نظم کے شاعروں کے تخلیقی تجربوں میں بھی اُس کی جھلک نمایاں نظر آتی ہے۔ جیسا کہ ہم جانتے ہیں، مطلع غزل کے دومصرعوں میں ایک جہانِ معنیٰ کو اس طرح سمو جاتا ہے کہ وہ دونوں مصرعے ہم قافیہ اور ہم ردیف ہونے کی پابندی کے باوجود جہاں مفاہیم کی دنیا کو سمیٹے نظر آتے ہیں وہاں تاثیر میں بھی دلآویزی پیدا کرتے ہیں۔

نظم کا داخلی مزاج غزل سے مختلف ہے۔ اگر اسے (Introjective) اور (Projective) کی اصطلاحوں میں بیان کرنے کی کوشش کی جائے تو یوں کہا جاسکتا

ہے کہ غزل خیالات کو ایک مرکز کی طرف لاتی اور محسوسات کو ایک وحدت میں سمیٹنے کا پیرایہ رکھتی ہے جب کہ نظم ایک مرکز سے خارج میں مشاہدے کو پھیلانے کا عمل ہے۔ دونوں طرزوں کا اپنا اپنا حسن اور جواز ہے اور اظہار کے مرحلے میں یہ دونوں طرزیں ضروری ہیں۔ مطلع (یا دونوں مصرعوں کا ہم قافیہ اور ردیف ہونا) غزل کے دوسرے اشعار سے بھی آگے کی چیز ہے 'آگے کی چیز' سے میری مراد طرزیں، خیالات کی جاذبیت، سمٹاؤ اور تأثر آفرینی ہے۔

اردو کے کم و بیش تمام کلاسیکی شاعروں نے نظم میں غزل کا بھی کہیں نہ کہیں التزام یا اہتمام ملحوظ رکھا ہے ایسا کسی خارجی تحریک یا دباؤ سے نہیں ہوا بلکہ اس اعتبار سے کہ جب تک کسی مطلع نما انداز میں نظم سمیٹی نہ جائے لگتا ہے جیسے اظہار میں کوئی خلارہ گیا ہے یا اسی بات کو ذرا واضح انداز میں یوں کہا جاسکتا ہے کہ شاعروں کے جذبۂ اظہار کی تسلی اور تشفی اسی طرح ہوتی ہے کہ ان کی وہ نظمیں جو غزل کے پیرایہ میں لکھی گئی ہیں خاتمے پر اپنے آپ کو غزل کے مطلع کی صورت میں سمیٹتی نظر آئیں۔ علامہ اقبال کو یہ پیرایۂ اظہار اتنا عزیز ہے کہ انہوں نے ایک غزل میں بھی اس کا التزام روا رکھا ہے، اُن کی وہ غزل جس کا مطلع ہے:

کیا عشق ایک زندگی مستعار کا
کیا عشق پائیدار سے ناپائیدار کا

شعروں کے بعد پھر ایک اور مطلع پر ختم ہوتی ہے جو درج ذیل ہے۔

کانٹا وہ دے کہ جس کی کھٹک لازوال ہو
یا رب وہ درد جس کی کسک لازوال ہو

(غزل کی روایت میں یہ بہت بڑا اجتہاد یا تصرف ہے۔ مجھے علامہ اقبالؒ کی نظموں کی ڈرافٹنگ پر گفتگو کرتے ہوئے ہمیشہ 'بالِ جبریل' کی یہ غزل یاد آتی ہے۔ علامہ اقبالؒ کی اس غزل کے مسوّدہ کا عکس میرے پاس ہے۔ علامہ نے کہیں اس اجتہاد کی صراحت نہیں کی۔ غزل کی ہزار سالہ روایت میں یہ ایک منفرد مثال ہے کہ ایک جداگانہ مطلع غزل کو کسی ایسی غزل میں شامل کر دیا جائے جس کے قوافی اور ردیف مختلف ہوں)

بہر حال غزل میں تصرّفات کے ذیل میں اس وضاحت طلب مسئلہ کی تفصیل کا یہ مقام نہیں۔ پہلے ہی بات غیر ضروری حد تک لمبی ہو چکی ہے جس کے لئے میں قارئین سے معذرت خواہ ہوں۔ صرف اس بات کی طرف توجہ دلانا مقصود تھا کہ غزل میں مطلع کا اپنا ایک مقام اور اہمیت ہے۔ اگر اسے نظم کے ساتھ استعمال میں لایا جائے تو اس سے نظم دو اعتبار سے ثروت مند ہو جاتی ہے۔ ایک یہ کہ نظم کا مرکزی خیال یا خلاصہ توازن اور جامعیت سے صورت پذیر یعنی Sizeable ہو جاتا ہے دوسرے نظم کے اختتام پر خارجی آہنگ، موسیقیت اور تأثر میں خوبصورتی پیدا ہو جاتی ہے۔

ریاض حسین چودھری صاحب کے زیرِ نظر موجود ثنا پارے جو معرّیٰ نظم پر مشتمل ہیں بھی ایسی مطلعی تاثیر رکھتے ہیں۔ ان کے اس عقیدت پارے کے ہر بند کے اختتام میں غزل کے مطلع جیسے شعر کا التزام انہی دو خوبیوں Sizeability اور تاثیر کو اُبھارتا ہے۔

اردو نعت میں ہئیت کی متفرق شکلیں ملتی ہیں۔ اگرچہ ہماری نعتیہ شاعری کا بڑا حصہ غزل ہی کی صنف میں ہے لیکن اس مبارک موضوع کے اِظہار کے لئے

دوہے، ہائیکو، قطعہ، رباعی، مسدّس سے لے کر پابند نظم، آزاد نظم، معرّا نظم اور نثم (نثری نظم) تک میں نعتیہ شاعری کے نمونے ملتے ہیں۔ اردو نعت کی تاریخ میں بیسیوں نعتیں طویل یک کتابی نظموں پر مشتمل ملتی ہیں۔ بعض ایسی بھی ہیں جن میں مختلف ہیئتوں کو ملا جلا کر طویل نظم کی صورت مربوط کیا گیا ہے۔ پہلی قسم کی نظموں میں عبد العزیز خالد صاحب کی 'منحمنا'، 'فارقلیط'، عبدہٗ، احسان دانش کی 'دارَین' محشر رسول نگری کی فخر کونین، پروین سجل کی 'آپ ﷺ' اور دوسری قسم کی یک کتابی نعتوں میں عمیق حنفی کی 'صلصلۃ الجرس' مثال کے طور پر پیش کی جاسکتی ہیں۔

ریاض حسین چودھری کی ''دبستانِ نو'' اردو نعتیہ نظموں کی روایت میں ایک اور طرح کی انفرادیت رکھتی ہے۔ یہ انفرادیت نظم کے ہر بند کے آخر میں مطلع کی ہیئت کی شمولیت ہے۔ (یہی تکنیک ریاض حسین چودھری نے اپنی یک کتابی طویل نعتیہ نظم ''طلوعِ فجر'' میں بھی استعمال کی ہے۔)

ریاض حسین چودھری نے 'دبستان نو' کی ترتیب میں جن عوامل کو پیش نظر رکھا ہے وہ کچھ یوں ہیں۔

۱۔ عقیدت نگاری (Devotional Poetry) کا یہ مجموعہ معرّیٰ نظم پر مشتمل ہے۔

۲۔ یہ حمد و نعت کے مضامین پر جداگانہ بندوں کے نمونے لئے ہوئے ہے۔

۳۔ یہ مجموعہ اپنی معرّیٰ نظموں کا اختتام غزل کے مطلع کے انداز میں (ہم قافیہ و ہم ردیف مصرعوں پر) کرتا ہے۔

۴۔ حمد اور نعت کے یہ ثناپارے مختلف بحروں میں ہیں۔

۵۔ ان کے عنوانات انہی نظموں کے مصرعوں سے اخذ کئے گئے ہیں۔

٦۔ ہر حمد اور نعت کے مصرعوں کی تعداد یکساں نہیں۔ ہر عقیدت نامے کی بحر کی طرح اس کی جسامت کم و بیش مصرعوں پر مشتمل ہے۔

اس حوالے سے یہ مجموعۂ ثنا ایک شاندار انفرادیت لئے ہوئے ہے۔ اردو نعت کے عقیدتی اثاثے میں اس اعتبار سے یہ مجموعہ جداگانہ مفصّل مطالعے کا متقاضی ہے۔ جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا ہے، شیفتگی اور جذبے کا وفور 'دبستانِ نو' کا تخصّص ہے۔ اردو عقیدت نگاری کی تاریخ میں اس مجموعے کو ہمیشہ ایک یادگار حیثیت حاصل رہے گی۔ چودھری صاحب کی نعت گوئی کا بڑا حصہ ہم سب نعت کے شاعروں کی طرح غزل کی صنف میں کہی گئی نعتوں پر مشتمل ہے۔ غزل کی ترتیب اور مقبولیت کے سبب ہر دورِ نعت میں اس صنف کا اتنی محبت، شدّت اور کثرت سے استعمال ہوا ہے کہ کسی دوسری صنف شاعری میں اس کا دسواں حصہ بلکہ عشر عشیر بھی نہیں برتا گیا۔ غزل کے علاوہ خصوصاً معرّا نظم میں ایسا ضخیم مجموعہ معاصر نعتیہ شاعری میں پہلی بار شائع ہو رہا ہے۔ اس سے اردو نعت کے ہیئتی اور صنفی آفاق وسیع ہوئے ہیں۔

معرّیٰ نظم کی ہیئت میں لکھی گئی نعتیہ کتاب 'دبستان نو' کا اگر بہ نظرِ غائر مطالعہ کریں تو اندازہ ہوگا کہ یہ نظمیں ایک باطنی سلسلے میں مؤثر وحدت کی طرح آپس میں جڑی ہوئی ہیں۔ انگریزی میں طویل نظموں کے مختلف کینٹوز (Cantos) کی طرح یہ سب نظمیں ایک نظم لگتی ہیں۔ ایک بڑی ذاتی عقیدت اور عصری آشوب میں مرتب وحدت اور Mozaic سٹائل میں اس کی ہر نظم ایک بند/ ستانزے یا جز کی طرح ہے (ستانزے کا لفظ میں نے جیلانی کامران کی پہلی کتاب 'استانزے' سے لیا

ہے جس میں کئی نظمیں مل کر ایک نظم بنتی ہیں۔ ان کے جداگانہ عنوانات کی جگہ جیلانی صاحب نے انہیں ایک دو اور تین نمبر دیئے ہیں)۔ شناخت اور علیحدہ پہچان کے لئے 'دبستانِ نو' کے حمدیہ اور نعتیہ حصے معنوی طور پر ایک وحدت میں پروئے ہوئے ہیں۔ اگر ان کے الگ الگ عنوانات نہ ہوں تو حمد اور نعت کے حصہ کو الگ الگ طویل نظموں کے طور پر بھی پڑھا جاسکتا ہے جیسا کہ پہلے نشاندہی کی گئی ہے کہ طویل یا یک کتابی نظموں کا ایک بحر میں ہونا ضروری نہیں۔ عمیق حنفی کی طویل نعتیہ نظم 'صلصلۃ اطبرس' کئی بحروں اور آہنگوں میں ہے، اس کے کئی اجزا ہیں۔ چودھری صاحب کی 'دبستانِ نو' کی عقیدت نگاری بھی مختلف بحروں میں ہے۔ طویل نظموں میں آہنگ کا تنوع تأثر کو بڑھاتا ہے اور قاری آہنگوں کی رنگارنگی سے محظوظ ہوتا ہے۔

'دبستانِ نو' میں شامل حمدوں اور نعتوں کے عنوانات جداگانہ شناخت کے لئے ہیں۔ یہ عنوانات نظموں کے اجزا کا مصنوعی خلاصہ نہیں جیسا کہ عام نظموں میں ہوتا ہے۔ 'دبستانِ نو' کی شاعری کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس کا آہنگ **End Stop** ہے، مسلسل **run-on line** نہیں۔ یوں ان معرّیٰ نظموں کے مصرعوں پر غزل کے مصرعوں کا گمان ہوتا ہے۔ 'دبستانِ نو' کا موضوع تو عقیدت نگاری یا حمد و نعت ہے مگر صنفی طور پر ان معرّیٰ نظموں کے مزاج میں غزلیہ نعت کا آہنگ لوَ دے رہا ہے۔ غزل کے علائم و رموز، الفاظ اور تراکیب، 'تشبیہ'، 'استعارہ'، علامات وتلازمات، سب محاسن کے پیچھے غزل کی طویل ریاضت اور مطالعہ جھلک رہا ہے۔ بیچ بیچ میں اندرونی قوافی و ردیف کے سبب کئی شعر مطلعوں کی طرح ہم قافیہ اور ہم ردیف بھی ہوگئے ہیں۔ ریاض حسین چودھری کے 'دبستانِ نو' کی عقیدتی شاعری میں صفحہ صفحہ پر خوبصورت تراکیب اور محاکات ہی نہیں ملتے بلکہ 'دبستانِ نو' کا نعتیہ منظر

نامہ اردو شاعری کے معروف محاسن سے قابلِ ذکر اور لائقِ ستایش حد تک مزّین ہے...... تشبیہ واستعارہ، محاکات، تمثالیں، جذبات نگاری، خطابیہ لب ولہجہ، روانی، خوش آہنگی، اندرونی قوافی، تحت لہجہ کی نغمگی، جذبات کا بہاؤ، رقّت وگداز، درد مندی وغیرہ......

عجز آفرین نعت کے حوالے سے کلام کرتے ہوئے ہمارے شاعر نے ان محاسن کو آمیز کیا ہے جس سے اس نعتیہ فن پارے میں جاذبیت اور تاثیر کے عناصر پیدا ہوگئے ہیں۔فنّی محاسن کے حوالے سے مختلف جگہوں سے کچھ الگ الگ مصرعے اور کہیں کہیں سے ساتھ ساتھ ملے جلے مصرعے دیکھئے:

گٹھڑیاں محرومیوں کی سر پہ ہیں رکھّی ہوئی
آگ ہے زندہ مسائل کی مرے چاروں طرف

قدم قدم پہ صلیبوں کی فصل اگتی ہے
درندگی کو ہی آئیں بنا دیا کس نے

حضورؐ، سارے قوانین جنگلوں کے ہیں
زمیں پہ عدل کے موسم کو کھا گئی مٹی

'دبستانِ نو' ایسے مصرعوں سے بھری پڑی ہے جو کسی نہ کسی حوالے سے شعری خصوصیات اور فنّی محاسن کا نمونہ پیش کرتے ہیں۔تشبیہ، استعارہ اور محاکات کے کچھ نمونے دیکھئے جہاں دوحسّوں کو ملایا گیا ہے۔حس آمیزی(synaesthesia) پر مبنی یہ محاکات قابل داد ہیں۔

فضائے کرب میں کیا لکھ رہے ہیں سنّاٹے
فضائے کرب میں کیا سانس آدمی لے گا

فصیلِ خوف نے بستی کو گھیر رکھا ہے!
چڑیل، رات کے آنگن میں بال کھولے ہے

حضورؐ، باز کے پنجوں میں کب سے چڑیا ہے
حضورؐ، کب سے کبوتر کی بند ہیں آنکھیں

فکری طور پر 'دبستانِ نو' بیسیوؤں مضامین وموضوعات کو محیط ہے اگر اس طویل نعت (جو مختلف معرّیٰ نعتوں کے مجموعے پر مشتمل ہے) کو موضوع وار زیرِ جائزہ لایا جائے تو کئی جداگانہ مقالے تیار ہو سکتے ہیں مثلاً......'دبستانِ نو' میں

☆ سیرتی عناصر کا جائزہ

☆ درود وسلام کا موضوع

اٹھے ہیں ہاتھ طیبہ کی طرف خورشیدِ عالم کے
شعاعیں جھک کے دیتی ہیں سلامی اپنے آقاؐ کو

☆ ذکرِ صحابہ رضی اللہ عنہم کے فضائل کا ذکر

ریاض حسین چودھری کی معرّیٰ نظموں میں منقبت صحابہ رضی اللہ عنہم کی مثال دیکھئے یہ امت میں صحابہ رضی اللہ عنہم کی صفات دیکھنے کے آرزو مند بارگاہِ رسالت مآب ﷺ میں دعا کرتے ہیں:

اسے صدیقِ اکبرؓ کی رفاقت کی ملے شبنم
اسے فاروقِ اعظمؓ کی ملے غیرت کی چنگاری
اسے عثمانؓ کے نقشِ کفِ پا کی ملے دولت
اسے خیبر شکن مولا علیؓ کی ہو عطا قربت

☆ ذاتی احوال و کیفیات کا بیان

☆ ذکر اعزّہ واحباب کے مسائل اور محبت کا بیان

☆ دعا ومناجات کے عناصر

'دبستانِ نو' میں کئی مصرعے دعائیہ حیثیت کے حامل بھی ہیں۔ضرب المثل کی طرح ان کے اندر ایسے امکانات ہیں کہ انہیں معمول کے ذکر اذکار کا حصہ بنایا جاسکتا ہے۔

یا خدا اپنے حصارِ عافیت میں رکھ مجھے
شعورِ بندگی دے کر مری بخشش کا ساماں کر
مجھے محفوظ رکھ ظلمت کی تند و تیز بارش سے

(دعائیہ بہ شمول محاکات)

☆ حضور اکرم ﷺ کے اسماء صفات کا بیان

حضورؐ، آپؐ ہی توحید کے علمبردار
حضورؐ، آپؐ ہی خالق کے آخری مرسلؐ
حضورؐ، آپؐ ہی محبوبِؐ کبریا، برحق
حضورؐ، آپؐ ہی سردار انبیا کے ہیں

حضورؐ، آپؐ ہی قرآں کی بولتی تصویر
حضورؐ، آپؐ ہی نعمت خدائے واحد کی

☆ ارضِ پاک کے احوال، آشوب اور زبوں حالی کا ذکر

☆ امتِ مسلمہ کے مسائل اور اُس کی حالتِ زار کا تذکرہ

☆ فنِ نعت گوئی کے عناصر

اسی طرح 'دبستانِ نو' میں صنائع بدائع، علمِ بیان اور فنّی محاسن کے حوالے سے بھی جداگانہ مضامین لکھے جا سکتے ہیں۔

'دبستانِ نو' کا سب سے نمایاں وصف اس کا بہاؤ (Flow) اور روانی ہے یہ وصف کتاب کے آغاز سے اختتام تک ایک تند و جولاں موج کی طرح شاملِ اظہار ہے۔ بعض جگہوں میں مصرع بہ مصرع بعض الفاظ اور کیفیات کی تکرار اس بہاؤ کا باعث ہیں۔ مثلاً حضورؐ......، ورق......، اسی کے نام......، اس برس بھی......، اب کے برس بھی......، غریبِ شہرِ تمنا...... اور حضور مانگنے آیا ہوں...... وغیرہ وغیرہ سے آغاز ہونے والے مصرعے اس بہاؤ کو مؤثر انداز میں آگے بڑھاتے ہیں۔ بقول شیخ سعدی:

نہ حُسنش غائتے دارد
نہ سعدی راسخن پایاں

شاعر مصرع بہ مصرع نئے حوالے سے اپنی بات کو آگے بڑھاتا ہے۔ یوں کئی بند بیسیوں اور سینکڑوں مصرعوں تک طویل ہوگئے ہیں مگر شاعر کے اظہار میں کہیں

ٹھہراؤ نہیں آ تا۔ نعت کے مضامین کے ساتھ ساتھ شاعر کا طرزِ اظہار بھی نو بہ نو پیرایہ اختیار کرتا جاتا ہے۔ 'دبستانِ نو' کے یہ طویل بیانیے خطابیہ رنگِ نعت کے منفرد نمونے پیش کرتے ہیں۔ بہ حیثیت مجموعی 'دبستانِ نو' کی نعتیں مقدار اور معیار دونوں حوالوں سے نہ صرف ریاض حسین چودھری بلکہ نئی اردو نعت کے آفاق کو وسیع کرتی ہیں۔

حضور ﷺ آپ ہی توحید کے علم بردار ...... کے مصرع سے شروع ہونے والا نعت پارہ ریاض حسین چودھری کے وفور کی روشن مثال ہے۔ کئی صفحوں پر اور سینکڑوں مصرعوں پر مشتمل یہ مصرعے حضورِ اکرم ﷺ کے اسماء اورصفات کا نادر قرینہ لئے ہوئے ہیں۔ یہ طرزِ ادا ماہر القادری کی 'سلام اس پرؑ سے آغاز ہونے والی طویل نظم 'ظہور قدسی' کی طرح ہے۔ اسی طرح حافظ لدھیانوی نے 'ثنا اُس کی' سے آغاز ہونے والی ایک طویل نعت اسی انداز میں لکھی ہے۔ ایسا آغاز ہی وفور خیز ہوتا ہے اور شاعر فرطِ محبت سے نئے نئے اسمائے رسولِ مقبولؐ تراشتا اور صفاتِ آنحضرتؐ کی تازہ تازہ صورتیں تخلیق کرتا ہے۔ مَیں ایسے انداز کو برکت انگیز سمجھتا ہوں۔ ایسا طرزِ اظہار اختیار کرنے پر قدرت خود بخود شاعر پر نادرہ کاری سے مشاہدات وتأثراتِ نعت کا دَر کھولتی جاتی ہے۔ چودھری صاحب کے اس عقیدت نامے سے کئی نئے اسماء کشید کئے جا سکتے ہیں مثلاً توحید کے علم بردار، حرا کے عابد، خدائے واحد کی نعمت، ہر صدی کے ممدوح، ارض وسما کا حسن وجمال، قرآن کی بولتی تصویر وغیرہ وغیرہ

'دبستانِ نو' کی سب سے نمایاں خصوصیت جس کی طرف چودھری صاحب کی توجہ بھی نہیں گئی ہو گی وہ اس مجموعے میں حمد ونعت کی نئی زمینوں کی موجودگی ہے۔ اکثر نئے شاعروں کو نئی زمینوں کی تلاش ہوتی ہے۔ نعت کو نادرہ کاری اور جذب سے

ہم آہنگ کرنے کے لئے ضروری بھی ہے کہ پرانی مستعمل زمینوں کی بجائے نئی زمینوں میں نعتیں کہی جائیں۔ 'دبستانِ نو' میں شاندار اور جاندار امکانات سے بھری سینکڑوں زمینیں ہیں جن پر تازہ کاری کے طالب شاعر طبع آزمائی کریں تو ان کا تخلیقی جوہر مزید عقیدت آشنا ہوسکتا ہے۔ درج ذیل چند مصرعے دیکھئے:

☆ حضوری کی کسی دن روشنی اترے مرے دل میں
☆ جوارِ گنبدِ خضرا میں رکھّی ہیں مری آنکھیں
☆ مرے آنسو فروزاں ہیں غبارِ شہرِ طیبہ میں
☆ درِ حضورؐ پہ آنکھوں کو چھوڑ آیا ہوں
☆ غبارِ شہرِ مدینہ میں، مَیں سمٹ جاؤں
☆ مرے آنسو، مرا زادِ سفر ہیں ہمسفر میرے
☆ غلامی کی سند لے کر پلٹ آؤں یہ ناممکن
☆ مقدّر پر تمہارے رشک آتا ہے زمانے کو
☆ ورق ورق پہ ہے نسبت کے حاشیے کا جواز
☆ محیطِ ارضِ بدن ہے بہار کا موسم
☆ ردائے عشق کا کب پیرہن بدلتا ہے

مثال دینے کے لئے مَیں نے 'دبستانِ نو' کے مسوّدے کو سرسری کھولا تو قریبی دو صفحات پر مجھے مذکورہ بالا نعتیہ مصرعے نظر آئے جو نعت آثار معنویت اور ثنا زاد لب ولہجہ رکھتے ہیں۔ مَیں نے دو منٹ میں ان مصرعوں پر گرہ لگا کر انہیں مطلع

بنانے کی اپنی سی کوشش کی ہے۔ (چودھری صاحب سے معذرت کے ساتھ) زیادہ توجہ اور محنت سے اُن کے مصرعوں پر بہتر گرہ کی گنجائش موجود ہے۔ ایسا صرف مثال دینے کی کوشش اور اس خواہش میں ہے کہ ریاض صاحب کی اس ثنا رنگ کتاب میں استفادے کے بہت امکانات ہیں اور ان کے نعتیہ مصرعوں کی زمینوں میں سینکڑوں نئی نعتیں تخلیق کی جاسکتی ہیں۔ اب یہ گرہیں ملاحظہ ہوں:

''حضوری کی کسی دن روشنی اترے مرے دل میں''
حرم آثار تازہ زندگی اترے مرے دل میں

''جوارِ گنبدِ خضرا میں رکھّی ہیں مری آنکھیں''
مدینے سے نہ گھر لوٹیں عقیدت سے بھری آنکھیں

''مرے آنسو فروزاں ہیں غبارِ شہرِ طیبہ میں''
مری نعتوں کی خوشبو ہے بہارِ شہرِ طیبہ میں

''درِ حضورؐ پہ آنکھوں کو چھوڑ آیا ہوں''
اب اور کو جو نہ دیکھے، نظر وہ لایا ہوں

''غبارِ شہر مدینہ میں، مَیں سمٹ جاؤں''
اب آرزو ہے یہی دہر بھر سے کٹ جاؤں

''مرے آنسو، مرا زادِ سفر ہیں ہمسفر میرے''
ہر اک منزل پہ جو رکھّیں عزائم، معتبر میرے

''غلامی کی سند لے کر پلٹ آؤں یہ نا ممکن''
اٹل یہ فیصلہ صرف ان کی رحمت سے ہُوا ممکن

''مقدّر پر تمہارے رشک آتا ہے زمانے کو''
نہیں بھاتی کوئی اس کے علاوہ شے زمانے کو

''ورق ورق پہ ہے نسبت کے حاشیے کا جواز
مدام ان کا تصوُّر ہے، تخلیے کا جواز

''محیطِ ارضِ بدن ہے بہار کا موسم''
حرم کی یاد ہے دائم قرار کا موسم

''ردائے عشق کا کب پیرہن بدلتا ہے''
یہ دیکھتے ہیں کہ کب حد یہ فن میں ڈھلتا ہے

یہ گرہیں ہر شعر کے دوسرے مصرع میں سرسری انداز میں (دوبارہ چودھری صاحب سے معذرت کے ساتھ) صرف مثال دینے کے لئے لگائی ہیں۔ ان نعت خیز اور ثنا آور مصرعوں پر ارتجالاً گرہیں لگائی جا سکتی ہیں۔ ایسے مصرعے 'دبستانِ نو' میں صفحہ صفحہ پر بکثرت موجود ہیں۔

معرّیٰ نظموں میں لکھی جانے والی حمدوں اور نعتوں کے علاوہ اردو کی دعائیہ شاعری میں اس کتاب کو خصوصی اہمیت حاصل رہے گی۔ اتنی ضخیم کتابِ عقیدت کو

لکھنے کے بعد اسے کتابی صورت دینا ایک دقّت طلب کام تھا جس سے ریاض حسین چودھری کامیابی سے سبکدوش ہو رہے ہیں۔نعتِ رسولِ اکرم ﷺ کے باب میں تکرارِ مضامین کا اپنا لطف ہے۔ موضوع کے بیان میں نسبت کے شرف نے اور جذبات کے وفور نے تکرار کو بھی دلآویز بنا دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ریاض حسین چودھری کے تازہ مجموعہ 'دبستانِ نو' کو حُب داروں میں مقبول اور اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے۔

بہ حیثیت مجموعی 'دبستانِ نو' ریاض حسین چودھری کے مجموعوں ہی میں نہیں اُردو نعت کے مجموعوں میں ایک خوشگوار اور رجحان نما مجموعہ ہے خصوصاً مضامینِ نعت اور بیان میں شاعر نے جس شیفتگی اور فدویّت کا اظہار کیا ہے وہ لائقِ تحسین ہے۔ اللہ تعالیٰ یہ جذبہ اور وفور سب شاعروں کی نعت گوئی کا مقدّر بنائے۔ (آمین)

آخر میں ریاض حسین چودھری کے لیے ایک رباعی:

مبروک! ریاض کو دبستانِ نو
حمد اور یہ نعت کا دیوانِ نو
حَب خیز ولا فترا معرّا نظمیں
کیا خوب لیے ہوئے ہیں امکانِ نو

ڈاکٹر عزیز احسن

ریاض حسین چودھری کا ارژنگِ فن!

تقدیسی ادب میں خیال کی شعری تشکیل بہت آسان سمجھی جاتی ہے، کیوں کہ عموماً بیانیہ لہجہ اختیار کیا جاتا ہے اور شاعر نثر میں اپنے خیالات کا اظہار کرنے کے بجائے منظوم خیالات کی مالا سجا دیتا ہے۔ یوں، عموماً اس نظمانے (Versification) کے عمل سے تقدیسی شاعری کا دامن بھردیا جاتا ہے۔لیکن حساس شعراء ،تقدیسی افکار کی بُنت میں بھی شعریات (Poetics) کے معیارات کا خیال رکھتے ہوئے اپنے شعری متن کو حساسیت، فن آگاہی، جذبے کی شدت اور زبان و بیان کے خوبصورت پیرائے سے مربوط کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس طرح ان کی تقدیسی شاعری صرف مافیہ (Content) کی وجہ سے پرکشش نہیں ہوتی ، بل کہ اظہار کی نفاست اورحسنِ بیاں کی وجہ سے بھی لائقِ توجہ ہوجاتی ہے۔ ریاض حسین چودھری نے زندگی بھر تقدیسی شاعری کی۔تقدیسی اصنافِ حمد و نعت ان کی شعری دانش اورفکروفن کا ہمیشہ ہی جزوِ لاینفک رہیں۔ انہوں نے اپنے ستھرے شعری مذاق اورعشقِ نبوی علیٰ صاحبھا الصلوٰۃ والسلام کے پُر اخلاص اظہاریئے کا سہارا لیتے ہوئے عمر بھر حمدیہ ونعتیہ متون کے گلاب کھلائے ۔وہ مقلد شاعر نہیں تھے۔ انھوں نے مجتہد شاعر ہونے کا ثبوت دیا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے لہجے میں اظہارات کی دھنک پورے جوبن پر نظر آتی ہے۔ انھوں نے حمدیہ ونعتیہ غزلوں میں عصری حسیت کے ساتھ لہجے کی تازگی کے نقوش بنائے ہیں۔ آزادنظم میں شدتِ احساس کے رنگ بکھیرے ہیں اور اپنی طرف سے ایک نئی صنف ایجاد کرکے اپنی تخلیقی جبلت (Creative instict) کے جوہر دکھائے ہیں۔ اکائی میں ان کی نظمیں ویسے تونظمِ معریٰ کی ہیئت میں لکھی معلوم ہوتی ہیں۔ لیکن ان نظموں کا ہرمصرع کسی ایک ''عنوان'' کے تابع کسی خیال کا شعری متن بناہے۔اس

طرح وہ نظمیں مروجہ اصناف میں نئے تخلیقی پیکر کی صورت میں جزوِفن بنی ہیں۔ ریاض حسین چودھری نے حمد میں زیادہ تر استغاثے کا آہنگ اپنایا ہے اور اس میں شہرآشوب کی کیفیات سموئی ہیں۔ نعت میں اپنی کامل سپردگی کا عکس نمایاں کیا ہے۔ اپنی اور اپنی اولاد کے حوالے سے غلامیٔ مصطفیٰ ﷺ کے میثاق کی بار بار تجدید کی ہے۔ امتِ مسلمہ کی کھوئی ہوئی شوکت کی بازیابی کے لیے حضور ﷺ سے دعاؤں کی التجا کی ہے۔ حمد میں براہِ راست دعا و مناجات سے لبریز جذبات کی عکاسی کے ساتھ ساتھ اللہ رب العزت کی بارگاہ میں رسولِ کریم علیہ السلام کے واسطے سے التماس گزرانی ہے۔ ان کے شعری ارژنگ میں ایک خیال کے ہزار ہا پہلوؤں کی رنگ آمیزی ملتی ہے۔

ریاض حسین چودھری کے فن میں لفظوں کی ترکیب سازی کا ہنر بہت نمایاں ہے۔ وہ دو یا دو سے زیادہ الفاظ کو یکجا کر کے اظہار میں تنوع کے ساتھ ساتھ ایک خوبصورت اور وسیع معنوی دائرہ بھی بنا دیتے ہیں۔ مثلاً

جوارِ گنبدِ خضرا، سرِ لوحِ گماں، حصارِ خوف، فراتِ عشق، بتانِ عصرِ نو، غبارِ مصلحت، زرِ فقر و غنا، اعزازِ نسبت، جرمِ ضعیفی، اسلوبِ غلامی، شعاعِ عفو، عروسِ غزل، رعنائی خیال، شمیمِ سحر، شاخِ قلم، کشتِ عمل، حصارِ سرمدی، ناقۂ حرفِ ثنا، آیتِ عشقِ نبی ...... جیسے لسانیاتی مرکبات اس بات کا ثبوت ہیں کہ شاعر کو لفظیاتی مرکب سازی کا بھرپور شعور حاصل ہے اور وہ اُفقِ فن پر معنیاتی دھنک رنگ پھیلانے پر قدرت بھی رکھتا ہے۔

حمدیہ نظموں اور غزل طور لکھی ابیات پر انہوں نے جو عنوانات قائم کیے ہیں وہی متن کی معنوی گرہ کشائی کر رہے ہیں۔ مثلاً

☆ یا خدا! میرا قلم رقصِ مسلسل میں رہے

☆ شعورِ بندگی سے یا خدا مجھ کو مشرّف کر

☆ نعتِ ختم المرسلینؐ لکھتا رہوں

☆ میرے ہاتھوں پہ گھر کی بشارت بھی تحریر کر

☆ یا خدا، زخمی قلم، زخمی زباں سجدے میں ہے

☆ ردائے شامِ تذبذب بکھر بکھر جائے

آزاد اور معریٰ نظموں میں بھی شاعر کے جذبے کی حرارت کے باعث خیال کی معنیاتی ترسیل اور احساسات کی پُرکشش تجسیم دیدنی ہوگئی ہے۔مثلاً

جب ہوا کے لب پہ بھی مہکیں تر و تازہ گلاب

جب صبا صحنِ چمن میں وجد کے عالم میں ہو،

ہر طرف خوشبو جلائے جب چراغِ آرزو

ہر کلی کے ہاتھ میں بھی موتیوں کے ہار ہوں

جب لبِ تشنہ پہ بوندیں آسمانوں سے گریں

جب دھنک کے رنگ اتریں مرغزاروں میں ہزار

جب گریں شبنم کی بوندیں پھول کے رخسار پر

جب محبت ہر دریچے میں جلے بن کر چراغ

ہر طرف گاتی پھرے میرے سخن کی روشنی

شہرِ طیبہ کی ہواؤں سے کروں میں گفتگو

(یا خدا! میرا قلم رقصِ مسلسل میں رہے)

جیسا کہ پہلے مذکور ہوا، ریاض حسین چودھری نے ایک نئی صنف بھی ایجاد کی

ہے۔ اس میں یک لفظی عنوانوں کے تحت ،حمدیہ و نعتیہ مصرعے رکھے ہیں جو اپنی معنوی جہت کے آئینہ دار ہونے کے ساتھ ساتھ شدتِ تمنا کے عکاس بھی ہیں......مثلاً

یا خدا!
دے تو شعورِ بندگی کی روشنی
یا خدا!
محرومیوں کی راکھ ہے سر پر سوار
یا خدا!
میرے لہو میں ہیں ہوس کی بجلیاں
یا خدا!
دامن میں دے آسودگی کے پھول بھی
سلام
رحمتِ عالم، سلام میرِ اممؐ
سلام
مخبرِ صادق، امین، نورِ ازل
سلام
ندرتِ افکار کا جلال و جمال
سلام
محسنِ اعظم، سلام دل کے مکیں
نعت کیا ہے؟
دلکشی ہی دلکشی انوار کی

نعت کیا ہے؟

حجلۂ جاں میں ادب کی کہکشاں

نعت کیا ہے؟

ہادی اعظمؐ کی توصیف و ثنا

سید المرسلیںؐ!

آپؐ سردار نبیوں، رسولوں کے ہیں

سید المرسلیںؐ!

آسماں آپؐ کے ہیں، زمیں آپؐ کی

سید المرسلیںؐ!

آپؐ مقصودِ تخلیقِ کون و مکاں

آقاؐ!

فضائے نعت کا ہر سانس کو گداز

آقاؐ!

رہیں درود کی ٹھنڈک میں میرے لب

آقاؐ!

ملیں مواجہہِ اقدس کی ساعتیں

ریاضِ حمد ونعت میں غزل طور لکھی گئی نعتوں میں فکری تنوع اور عصری حسیت کے حوالے سے کہیں برملا اور برہنہ اظہاریہ ہے اور کہیں امیجری میں ملبوس متنی پیکر ہے۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں:

خوف کے گرداب سے کشتی مری آئی نکل

جیب و داماں میں پڑے ہیں آج بھی کچھ ڈر جدا

آج بھی ہر طرف جبرِ شب کا دھواں، آج بھی ہیں اُڑی امن کی دھجیاں
ہر صدا ہے مری آج بھی بے اثر، اک کرم کی نظر، اک کرم کی نظر

اپنے اپنے مفادات کی قید میں، دل کے رشتوں کا کوئی بھرم کیا رکھے
زندگی بن گئی رغبتوں کا سفر، اک کرم کی نظر، اک کرم کی نظر

خود ستائی کے ہیں کاغذی پیرہن، میرے خارش زدہ جسم کی خاک پر
سامنے زندگی کا کٹھن ہے سفر، اک کرم کی نظر، اک کرم کی نظر

یہاں ہوائیں بھی رو رہی ہیں، دکھوں کی فصلیں اُگی ہوئی ہیں
ہدف قضا کا بنا ہوا ہوں، حضورؐ، میرا خیال رکھئے

مرے ہیں چاروں طرف مسائل، ہے روح اندر سے میری گھائل
مَیں ٹھوکروں میں پلا ہوا ہوں، حضورؐ میرا خیال رکھئے

کوئی چہرہ نہیں فاروقِ اعظمؓ کی طرح روشن
کئی چہرے ہیں آقاؐ سامنے جھوٹی قیادت کے

شام بستی کی منڈیروں سے اٹھاتی ہے چراغ
قافلے والے بھُلا بیٹھیں نہ اپنا راستہ

ریاض حسین چودھری نے اظہارِفن کے لیے اپنا ایک الگ اور منفرد اسلوب دریافت کیا ہے اور وہ خاصی حد تک اپنے تخلیقی ارژنگ میں اپنی انفرادیت کے جوہر دکھانے میں کامیاب ہوئے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی شاعری میں تعلّیٰ آمیز اشعار بھی، اظہارِ حقیقت کے آئینہ دار لگتے ہیں:

دھنک اسلوبِ مدحت کی ودیعت کی گئی مجھ کو
سخن بانٹے حروفِ نو غزل کی اپسراؤں میں

کرتا رہا غزل سے جو مَیں نعت تک سفر
ملکِ سخن میں سوچ کی ہجرت یہی تو ہے

اسلوبِ ثنا سب سے جدا پایا ہے میں نے
اربابِ سخن نے مرا لہجہ نہیں دیکھا

شاعر کو اپنے وطن کی اسلامی اقدار سے مسلسل دوری کا غم ہے اور وہ برملا پاکستان کے حوالے سے استغاثائی تاثر سے لبریز شعری پیکر بناتا ہے:

آج بھی لایا ہوں پاکستان کے آنسو حضورؐ
آج بھی حاضر پسِ دیوار ہے آقاؐ، غلام

بیاضِ نعت تسلسل ہے اشک باری کا
قلم کا رقصِ مسلسل ہے بے خودی کی دلیل

ریاضؔ، آباد پاکستان کو میرا خدا رکھے
ہر اک مخلوقِ خالق پر دعائے مرسلینؐ برسے

ماحول کی ناسازی اور دینی اقدار کی پائمالی کے احساس نے شاعر کے کربِ دروں کو کس انداز سے مثبت جہت دی ہے۔ ملاحظہ ہو:

ہو زندہ حقائق کی سرِ عام نمائش
ہر ہاتھ میں مسلا ہوا اخبار ہوں آقاؐ

دینی اقدار کے فقدان نے شاعر کے دل کو ملول تو کر دیا ہے لیکن اس نے رجائی جذبے کو مرنے نہیں دیا ہے۔ وہ کہتا ہے:

تم شبِ جرم ضعیفی کے اندھیروں سے کہو
پھر یدِ بیضا بنے گی، آستیں کی روشنی

محترم عبدالعزیز دباغ نے ریاض حسین چودھری سے اپنے دلی تعلق اور نسبتِ ہم نشینی کو نباہتے ہوئے ان کی تین کتب [۱] تاجِ مدینہ۔[۲] کتابِ التجا۔[۳] اکائی.....کو یک جلدی کتاب''''ریاضِ حمد و نعت'' میں جمع کر کے شائع کرنے کا بیڑا اٹھایا اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور نبیء رحمت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نگاہِ عنایت کے طفیل وہ اپنے ارادے کو واقعہ بنانے میں کامیاب ہو گئے۔

نعت ریسرچ سینٹر کے زیرِ اہتمام کتاب کی اشاعت بھی اس ادارے کے لیے باعث افتخار ہے۔ میں دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ مرحوم شاعر کے کلام کو مقبولیت کی خوشبو عطا فرمائے اور اشاعت کے مراحل میں شامل لوگوں کو، دنیا میں نفحاتِ کلامِ حمد و نعت پھیلاتے رہنے کی توفیقات سے نوازتا رہے۔(آمین)!

شیخ عبدالعزیز دباغ

ریاض کی نظم نعت کی یکتائیت

حضوری کی منوّر ساعتوں میں لپٹا رہنے والا مدحت نگار

(۱)

ریاض حسین چودھری کو قدرت نے رسولِ محتشم صلی اللہ علیہ وسلم کے مدحت نگار کا منصب عطا کیا اور ایسی صلاحیتوں سے نوازا جن سے وہ اردو نعتیہ ادب کو اپنی بے مثال تخلیقات سے مال دار کر گئے۔ ان کا پہلا نعتیہ مجموعہ 'زرِ معتبر' 1995 میں چھپا اور اس پر اساتذۂ فن نے اپنی اس رائے کا برملا اظہار کیا کہ اُن کا ''اسلوب اردو شاعری کی تمام تر جمالیات سے مستنیر ہے'' اور ان کے پہلے ہی مجموعے کو اردو نعت کی روایت میں ''ناقابلِ فراموش عہد آفریں اضافہ'' قرار دیا۔ جناب حفیظ تائب اس کے پیش لفظ ''پیشوائی'' میں لکھتے ہیں:

> ''ریاض حسین چودھری کی نعت کے تمام استعاروں کا خمیر دین و آئینِ رسالت کے ساتھ ساتھ عہدِ جدید کے معتبر حوالوں سے اٹھا ہے اور ان میں تقدس بھی ہے اور تازہ کاری بھی۔ اِس کا سلوب اردو شاعری کی تمام تر جمالیات سے مستنیر ہے اور اِسے جدت و شائستگی کا معیار قرار دیا جا سکتا ہے۔ یوں 'زرِ معتبر' اردو نعت کی روایت میں ایسا عہد آفریں اضافہ ہے جسے کبھی فراموش نہیں کیا جا سکے گا۔''

ریاض کا آٹھواں نعتیہ مجموعہ ''غزل کاسہ بکف'' ایک چشم کشا تخلیقی ریاضت ہے جس سے نعت کے ادبی، فنی اور تخلیقی مقام کا تعین یوں ہوتا ہے جیسے درِ حبیبؐ پر کیفِ حضوری نصیب ہو جائے۔ پختہ اور زیبا غزل لکھنے والے ریاض جب نعت لکھنے لگے تو اوجِ

فن کی اُن بلندیوں تک جا پہنچے جہاں انہیں غزل نعت کی بارگاہ میں کاسہ بکف دکھائی دینے لگی۔ یہ احساس انہیں اِس شدت سے ہوا کہ اپنے مجموعۂ نعت کا نام ہی ''غزل کاسہ بکف'' رکھ دیا۔

اُن کے باطن میں تخلیقِ نعت کا جو چشمہ ابل رہا تھا، اردو ادب کی کون سی صنف و ہیئت اُس کے پھوٹنے کی شدت کی متحمل ہوسکتی تھی، اِس کا اندازہ خود تخلیق کار کو بھی نہیں ہو رہا تھا۔ اُن کی اِس تخلیقی کیفیت کو بیان کرتے ہوئے مئی 2002 میں شائع ہونے والے پانچویں نعتیہ مجموعے ''کشکولِ آرزو'' کے تعارف میں شیخ عبد العزیز دباغ لکھتے ہیں:

> ''حقائقِ حیات کے تنوّع، حوادثاتِ زمانہ کی حشر سامانیوں اور انسان کے نفسِ خلاّق کی حسّاسیت کے فروغ نے گریباں چاک کرنے کے بجائے نمودِفن کے تتبّع میں قبائے شعر ہی کو وسعتِ داماں سے ہمکنار کر دیا اور یوں عملِ تخلیق کا دریا، حسنِ شعر کی جملہ رعنائیوں کو اپنے پہلو میں سمیٹتے ہوئے اچھل کر سمندر ہو گیا اور اس طرح حُسنِ شعر کے نئے معیار وجود میں آ گئے۔''

دراصل ریاض کے اندر نعت کے تخلیقی سوتے اُن کے بس میں نہ تھے۔ وہ نعت جبلّتاً لکھتے۔ اِسے وہ اپنے کلام میں کئی مقامات پر اپنے لئے ازلی حکمنامہ قرار دیتے نظر آتے ہیں۔انہیں قدرت نے حسنِ ادب اور حسنِ تخلیق کی لطافتوں کا وہ شعور عطا کیا ہوا تھا جس کے تحت لکھتے ہوئے اُن کے لئے ہیئت کا انتخاب ایک لاشعوری تجربہ تھا ۔ یوں انہوں نے صنفِ نظم میں بھرپور نعت لکھی اور نظم کی ہر ہیئت میں لکھی۔نظمِ نعت اُن کا اٹھارواں مجموعہ ہے جو ایسی ہی لازوال تخلیقی کاوشوں پر مشتمل ہے۔

یہاں اسلوبِ نظم کے حوالے سے جناب حافظ محمد افضل فقیر کے وجدان افزا مضمون'' نعت کا مثالی اسلوبِ نظم'' کا ذکر ضروری محسوس ہوتا ہے۔ یہ مضمون صبیح رحمانی کی مرتّبہ کتاب ''اردو نعت کی شعری روایت'' میں چھپا ہے۔ اُن کی فکر انگیز اور بصیرت افروز

تحریر کا ایک اقتباس ملاحظہ کریں:

''دیگر اصنافِ سخن کی طرح نعت اور نعت گو کے باہمی ربط کا تجزیہ بھی خصوصی اہمیت کا حامل ہے۔ شاعر کے کردار کی پاکیزگی، صفائے باطن اور اخلاصِ عمل کی تاثیرات اس کے پیکرِ نعت میں جلوہ گر ہوتی ہیں۔ایک صاحبِ ذوق عارف کسی صنفِ سخن میں بھی اپنے خیالات کا اظہار کرے، متصوّفانہ نظریات سے اس کا کلام لبریز نظر آئے گا۔ پھر صنفِ نعت تو باطنی ارادت کی عظیم ترین ترجمان ہے۔ایک مرتبہ مولانا غلام قادر گرامی نے علامہ اقبال رحمتہ اللہ علیہ کو لکھا کہ حضرت شاہ نصیر الدین چراغ دہلوی قدس سرہ کی زمین میں شعر لکھنے کے لئے اُن کا وجدان اور تقویٰ کہاں سے لاؤں؟ معلوم ہوا کہ عظمتِ تقویٰ اور بلندیٔ کردار شہپارہ نظم پر اس طرح متجلّی ہوتے ہیں کہ پھر اس کی تقلید بھی از قبیل محالات ہو جاتی ہے۔اس کے علاوہ عمومی طور پر دیگر نعت گو حضرات بھی ہیں، ان کی کاوش بھی قابلِ ہزار تحسین ہے کہ اُن کے سینوں میں اقرارِ توحید و رسالت موجود ہے، جو معارفِ نعت کا مخزن ہے۔ پھر اس کے ساتھ احساس گنہ گاری بھی ہے جو توبہ و انابت کی اصل ہے اور احساسِ ندامت ایک ایسا لامعہ نیاز ہے جس کی سرحدیں الطافِ ذاتِ لم یزل کو مماس ہیں۔ویسے بھی ہر کلمہ گو پر واجب ہے کہ اپنے ولیٔ نعت کا سپاس گزار رہے۔ ہر وہ امتی جس کی زبان یا قلم سے کوئی مدحیہ کلام بہ صورتِ نظم و نثر صادر ہو ایک سپاس گزار ناعت ہے۔''

ریاض کے ہاں نعت کی تخلیقی شخصیت تخلیقِ غزل سے بلند تر ہے۔ یہاں مجھے ریاض کے نعتیہ مجموعے ''کشکول آرزو'' کا پیش لفظ ''نعت میں تغزّل اور شعریّت کی ایک وہبی صورت''، تخلیقی تجربے کی نوعیت کے حوالے سے اہم نظر آتی ہے اور جناب حافظ افضل فقیر نے بھی اسی کا تجزیہ کیا ہے۔ اُن کے نزدیک وہبی صورت اُس وقت تشکیل پاتی ہے

جب شاعر کے کردار کی پاکیزگی، صفائے باطن اور اخلاصِ عمل کی تاثیرات اُس کی تخئیلِ شعری کو لغوی وجود عطا کریں۔تب تقویٰ اور اخلاص کی تجّلی ان کی تراکیب و استعارات کو اظہار کے جگنوؤں میں اتار دیتی ہے۔اسے وہ معارفِ نعت کا مخزن قرار دیتے ہیں۔مگر حافظ صاحب ایک قدم آگے گئے ہیں اور وہ نظم اور نثر کی بات کر رہے ہیں۔اب جب کہ نثری نظم کو بھی صنفِ نظم کی جدید ترین ہیئت کے طور پر تسلیم کیا جانے لگا ہے جس کی تازہ ترین مثال آصف ہمایوں کی ''گیلی لکڑیاں جلانے کے دن'' کی نثری نظم ہے۔حالی کا یہ قول ''نفسِ شعر وزن کا محتاج نہیں'' ایک صدی سے زیادہ کا عرصہ گذر جانے کے بعد بھی بامعنیٰ ہے۔نثری نظم کے شاعر اور ناقد عارف عبدالمتین نے اس بحث کو سمیٹتے ہوئے اپنے ایک انٹرویو میں کہا تھا:

> ''نثری نظم موجودہ اصنافِ سخن کا منطقی نتیجہ ہے۔اگر ہم تاریخی تناظر میں اصنافِ سخن کا جائزہ لیں تو ہم پہ کھلے گا کہ ہم سالہا سال بتدریج نثری نظم تک پہنچے ہیں۔اور درمیانی مراحل میں نظم پابند، نظم معرا، اور نظم آزاد ظہور پذیر ہوئی ہیں اور اب نثری نظم آئی ہے۔اس تدریج کو ہم حریتِ فکر کے ''تدریجی فروغ'' کا نام بھی دے سکتے ہیں۔''

حافظ افضل فقیر بھی یہی بات کر رہے ہیں مگر ان کے ہاں اِس تخلیقی تجربے کا خمیر تقویٰ، عظمتِ سیرت اور انابت و نیازمندی کے نور سے اٹھتا ہے جسے تغزّل اور شعریّت کی ایک وہبی صورت بھی کہا گیا ہے اور جو اپنا پیرہن خود ڈیزائن کرتا ہے۔

ریاض حسین چودھری پر یہ تجلیات آبشار بن کر اترتی دکھائی دیتی ہیں جبکہ یہ آبشار مدینے کی ہواؤں کے اثر سے بکھر کر اظہارِ تمنا کی پھوار بن کر ان کی شعری لغت کے باطن کو منور کرتی ہیں۔انوار کی اس پھوار کے نزول سے ریاض نے جہاں نعت کے حضور غزل کو کاسہ بکف پایا وہاں اسلوبِ نظم کی بوقلمونیوں کو بھی اپنی بساطِ نعت میں حالتِ وجد

میں سمیٹا ہے۔ انہوں نے نعت کی باطنی نمود کو نظم کی ہر ہیئت کا پیرہن دیا ہے۔ پابند، معریٰ اور آزاد نظم سے آگے انہوں نے وجد انگیز گیت اور ماہیے بھی تخلیق کئے ہیں۔ اس مجموعے ''نظمِ نعت'' کا مطالعہ کرتے ہوئے کئی مقامات پر جہاں وہ گیت لکھنے لگتے ہیں وہاں حفیظ جالندھری پوری آب و تاب کے ساتھ ان کے ساتھ براجمان نظر آتے ہیں۔ ریاض کا یہ تجربہ ہر لحاظ سے ایک بھرپور تجربہ ہے۔آیئے ''بھرپور'' کا مفہوم سمجھتے ہیں۔ احمد ندیم قاسمی ریاضؔ کے 1995ء میں چھپنے والے پہلے نعتیہ مجموعے ''زرِ معتبر'' کا سرورق تحریر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''ریاض حسین چودھری کی نعتیہ شاعری پڑھتے ہوئے مَیں نے محسوس کی ہے کہ وہ جب نعت کا آغاز کرتے ہیں تو ان پر وارفتگی اور سپردگی کی ایسی کیفیت چھا جاتی ہے جسے وہ ہر ممکن حد تک جاری رکھنا چاہتے ہیں اور نعت یا نعتیہ نظم یا نعتیہ قصیدے کو انجام تک پہنچانے کو اُن کا جی نہیں چاہتا۔ یہ کیفیت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی کے ساتھ انتہائی محبت اور انتہائی عقیدت کی غمّاز ہے اور اس حقیقت پر شاید ہی کسی کو شبہ ہو کہ ریاض چودھری اس دور کا ایک بھرپور نعت نگار ہے۔''بھرپور'' کا لفظ مَیں نے جان بوجھ کر استعمال کیا ہے، اس نعت گار کے کلام میں محبت کی سرشاری بھی ہے اور لہجے کی موسیقی بھی ہے اور پھر وہ حدِ ادب بھی ہے جو نعت نگاری کی اولین اور بنیادی شرط ہے۔''زرِ معتبر'' کا مطالعہ نعتیہ شاعری کی دل آویزیوں کے علاوہ اس لحاظ سے بھی اہم ہے کہ اس میں شاعر کی ابتدائی کاوشوں سے لے کر اس زمانے کی نعتیں شامل ہیں جب اس کا فن عروج کی اس بلندی کی طرف رواں تھا جو اس نے کمال استقامت سے آخر پالی۔''

یہ ریاض کا اٹھارواں نعتیہ مجموعہ ہے۔ میں نے ان کی نعت کے ایک ایک لفظ کے باطن میں جھانک کر دیکھا ہے ۔ میں نے محسوس کیا کہ وسائل اظہار اور تخلیقِ نور کے

معاملے میں عملاً وہ ایسی کاوش لے کر آتے ہیں کہ تخیل، معانی ،تشبیہات، استعارے اور علامتی نظم و جامعیت کے حوالے سے اگر کوئی اور مشقِ سخن کرنے بیٹھے تو اس سے بن نہ پائے۔ایسے تخلیقی معیار کو ''بھرپور'' کا لفظ ہی واضح کر سکتا ہے۔کسی جگہ کسی چیز کی کمی نہیں ، اُن کے فنی ارتقا کا سفر ''بھرپور'' ہے۔ان کے اظہار کی ندی ہر لحظہ ہر مقام پر ''بھرپور'' بہتی چلی جاتی ہے۔طلوع فجر پانچ سو بندوں پر مشتمل ایک بھرپور نظم نعت ہے، دبستان نو ایک طویل نظم معریٰ ہے اور یہ اٹھارواں مجموعہ ان کی نعت کے باطن کا وہ فنی اظہار ہے جو وارفتگی، سپردگی، شگفتگی، بہاؤ اور دھنک رنگوں کی مہکار سے جھلمل کرتا چلا جاتا ہے اور اُن کی ''نظمِ نعت'' کو مقامِ یکتائی عطا کر دیتا ہے۔

(۲)

اردو ادب میں نظم کے ارتقا اور فروغ کا تاریخی ادراک حاصل کرنے سے ہمیں ریاض کی ''نظمِ نعت'' کی ادبی، فنی اور تاریخی حیثیت کو سمجھنے میں بہت مدد مل سکتی ہے۔اگر اردوادب کو دو حصوں میں تقسیم کیا جائے تو ایک حصّہ نثر اور دوسرا نظم ہے ۔اسی دوسرے حصّے میں وہ تمام شاعری آ جائے گی جو اردو ادب میں کی گئی ہے لیکن جدید نظم نہ تو مثنوی ہے نہ قصیدہ نہ مرثیہ اور نہ غزل بلکہ محمد حسین آزاد کی کوششوں اور حالی کی تخلیقی جودت کا وہ نمونہ ہے جسے 1874ء سے با ضابطہ انجمنِ پنجاب کے تحت لکھا جانے لگا اور اس کا نام نظم ٹھہرا۔پروفیسر گوپی چند نارنگ '' ہندوستان کی تحریک آزادی اور اردو شاعری'' میں صفحہ 321 پر لکھتے ہیں:

> ''جدید اردو شاعری کی حد بندی آزاد اور حالی کے کلام سے ہوتی ہے۔ حالی نظم کے امام ہیں انھوں نے زبان و بیان کے نئے سانچے بنائے۔''

انہوں نے یہ جملہ ان شواہد کی روشنی میں لکھا ہے جس کی تابنا کی میں آج تک حالی کی نظمیں ایک خاص نوع سے مرجعِ خلائق ہیں۔اردو کی تاریخ میں نظیر اکبر آبادی وہ

پہلے شاعر ہیں جنھوں نے اس صنف کو باقاعدہ اظہار کا ذریعہ بنایا۔ آدمی نامہ، بنجارہ نامہ اور روٹی کی فلاسفی وغیرہ نظیر کی وہ نظمیں ہیں جن میں ان کا انفرادی تجربہ اور نیا طرزِ احساس ملتا ہے جب کہ یہ تجربہ شاعری کی روایتی زبان سے ہٹ کر کیا گیا ہے۔

غزل ہمیشہ اجتماعیت کی مظہر رہی ہے۔ اس میں تشبیہات و استعارات کا استعمال اجتماعیت کو قائم کرنے کے لیے بھی کیا جاتا رہا ہے۔ تاہم نظم انفرادی اقدار کی مظہر ہے ۔ اس کی گیرائی شخصی جذبے سے مملو ہوتی ہے جس کے لیے اس کے اندر ایک خاص شخص کے دل کی کیفیات کا تلاطم موجزن ہوتا ہے۔ یہ تاثرات کو مشتہر کرنے کا وسیلہ بھی ثابت ہوتا ہے اور عنوان کے پیش نظر ایک خاص قسم کے ربط کا متقاضی بھی۔

اردو نظم کو اوائل ہی میں حالی مل گئے جنھوں نے مدو جزرِ اسلام لکھ کر قوم کو انگریزی تہذیب کی سمجھ بوجھ دینے کی کوشش کی اور انھیں علم کے حصول کی اہمیت سے روشناس کرایا۔ پھر وہ 1857ء کے قتلِ عام کے بعد کی فضا کو ہموار کرنے کے لئے بھی کوشاں رہے۔اس طرح انہوں نے اس صنف کو وسعت داماں عطا کی ۔ حالی کے بعد اسمٰعیل میرٹھی نے بھی اس صنف کو اپنایا اور سرسید اور حالی سے گہرے اثرات قبول کیے ۔ڈاکٹر سیّد محمد یحییٰ صبا نے ''اردو نظم کے خد و خال'' میں اس سلسلے میں لکھا ہے کہ چونکہ ان کا تعلق شعبۂ تعلیم سے تھا اس لیے انھوں نے بچوں کے لیے سبق آموز اخلاقی نظمیں لکھیں۔ ان کی نظموں میں منظر نگاری خاص طور پر ہندوستان کی منظر نگاری کمال کی چیز ہے جس کا قائل ہونا پڑتا ہے اور یہ امور ایسے ہیں جو صرف صنف نظم ہی سرانجام دے سکتی ہے۔ یہ موضوع ذوقِ علم اور حکمت و دانش کے فروغ میں نظم کی اہمیت کا سبب بنا۔

1874ء میں انجمن پنجاب کا قیام عمل میں آیا۔اس انجمن کے شعرا کے سامنے مقصد یہ تھا کہ ہندوستان کی منتشر شخصیتوں کو اصلاحی بنیادوں پر مجتمع کیا جائے ۔ ان میں

حالی، اسماعیل میرٹھی، شبلی اور آزاد وغیرہ شامل تھے۔اسی دور میں سرسید کی تحریک بھی سرگرمِ عمل تھی۔ یہ دونوں اصلاحی تحریکیں تھیں۔البتہ سرسید کی تحریک علمی، معاشرتی اور مذہبی اصلاح کی طرف توجہ دے رہے تھی جبکہ انجمنِ پنجاب کے شعرا فطرت کے حسین مناظر اور حقیقی زندگی کا رجائیت سے بھرپور احساس لوگوں میں پیدا کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ان مضامین کا فکری، ادبی اور فنی اظہار بھی نظم کی مختلف ہیئتوں کا متقاضی تھا۔

اس طرح جدید نظم کا ارتقا جاری رہا۔اقبال، چکبست ، اکبر، اسمعیل میرٹھی، سرور جہاں آبادی ، شبلی، شوق قدوائی اور بے نظیر شاہ نے اس ضمن میں گراں بہار خدمات سرانجام دیں اور اس کے ہئیتی اور فنی ارتقا کو بامِ عروج پر پہنچایا۔ بیسویں صدی کے اوائل میں اسے ترقی پسند تحریک نے مہمیز لگائی اور فیض احمد فیض، ایم ڈی تاثیر، علی سردار جعفری ، جانثار اختر ، احمد ندیم قاسمی اور مخدوم محی الدین ، ساحر لدھیانوی اور کیفی اعظمی نے اسے نئی جہتیں عطا کیں۔ ترقی پسند شعرا زندگی اور معاشرے کے داخلی اور خارجی اتار چڑھاؤ سے خوب واقف تھے ۔ انہوں نے انقلاب اور سماجی مساوات کے میکانکی نقطۂ نظر کو اپنایا لیکن اس کے باوجود ایسی نظمیں لکھیں جو تخلیقی جوہر اور شعریت سے معمور ہیں۔ فیض احمد فیض اس کی روشن مثال ہیں۔وسعت فکر ونظر نے شعر کی جولانگاہ کو نئی وسعتوں سے آشنا کیا اور حرف وصوت کے دامن میں بھی ایسی بہار آئی جس سے جذبہ و احساس کی تہیں پھولوں کا بانکپن بن کر چٹکنے اور دامن شعر کو مہکانے لگیں۔ یوں انقلابِ ہیئت اور نقطہ نظر کی مرکزیت سے جدید اردو نظم کی قوس وقزح نمودار ہوئی۔

اردو نظم کو ترقی پسند تحریک نے بڑے والہانہ انداز میں قبول کیا اور دیکھتے ہی دیکھتے ہر ترقی پسند شاعر نظم جدید کہنے لگا ۔ نظم جدید میں عوامی لب ولہجہ کا رنگ زور پکڑنے لگا اور دیکھتے دیکھتے اس کا تعلق عام عوام سے راست ہو گیا۔ ترقی پسند تحریک کا اردو نظم پر

یہ بڑا احسان تھا۔ ایک بات اور ابھر کر سامنے آئی کہ ادب کا تعلق سماج سے صرف اتنا نہیں کہ وہ اس سے صرف حظ اٹھائے بلکہ اس سے سماج کا کچھ فائدہ بھی ہونا چاہیے اور ان خیالات کو نظم کے پیکر میں ڈھالنے کے لیے جو شعرا کمر بستہ ہوئے ان میں فیض احمد فیض، مجاز، ساحر، کیفی اعظمی مخدوم محی الدین، عزیز قیسی، وحید اختر، علی سردار جعفری، جاں نثار اختر، جذبی، نیاز حیدر، پرویز شاہدی وغیرہ کے نام لیے جا سکتے ہیں۔

ترقی پسند تحریک نے بلاشبہ خارجی زندگی کا عمل تیز تر کر دیا تھا۔ چنانچہ اس تحریک کے متوازی ایک ایسی تحریک بھی مائل بہ عمل نظر آتی ہے جس نے نہ صرف خارج کو بلکہ انسان کے داخل میں بھی جھانک کر دیکھا۔ اس کا نام حلقۂ ارباب ذوق ہے۔ داخلیت اور مادیت و روحانیت کی بنا پر ان دونوں میں واضح اختلاف موجود ہے۔ ترقی پسندوں نے اجتماعیت پر زور دیا جب کہ حلقے والوں نے انسان کو اپنی شخصیت کی طرف متوجہ کیا۔ ایک کا عمل بلا واسطہ خارجی اور ہنگامی تھا جبکہ دوسرے کا بلا واسطہ داخلی اور وجدانی۔

حلقۂ اربابِ ذوق کے گروہ میں شامل بہت سے شعرا میں سے چند ایسے تھے جنھوں نے نظم کا جہانِ نو تعمیر کیا جن میں میراجی، قیوم نظر، اختر الایمان، اختر شیرانی، احمد ندیم قاسمی قابلِ ذکر نظم نگار ہیں۔اقبال کے علاوہ عظمت اللہ خان، جوش ملیح آبادی، اختر شیرانی اور حفیظ جالندھری نے نظم کی توسیع میں گرانقدر حصہ لیا۔ اقبال نے نظموں کے تاثر اور جمالیاتی کل کو ملحوظ رکھنے اور نئی تمثالوں اور صوتی آہنگ کی تخلیق میں ایسے معیار قائم کئے جو معاصر اور مابعد شعرا کے لئے حاصل کرنا مشکل تھے۔اسی زمانے میں جدید شاعری کا ایک نیا زاویۂ تخلیق جنم لے رہا تھا۔ یہ آزاد نظم اور علامت نگاری کی تحریک کی ابتدا تھی۔اس سے یہ شعور بیدار ہوا کہ تخلیق کار کا کربِ تخلیق اب ایسے اظہار کا طالب ہے جس کا ادراکِ ندرت، ہمہ گیریت اور کُلّیت کا حامل ہو اور حرف و بیان کو یوں بنا جائے کہ اس بُنائی میں

کائنات سمو دی جائے۔ اس تجربے کا اچھوتا پن نئے شعری ادراک کا متقاضی تھا جو شائد ابھی رحمِ مادر میں تھا۔

آزادنظم کی صنف میں ردیف اور قافیہ کا اہتمام پابندی سے نہیں ہوتا۔مگر یہ بحر سے کلیتہً آزادنہیں۔ اِس کی سب سے بڑی خصوصیت مواد اور اظہار کا آہنگ ہے ۔ اس آہنگ کو برقرار رکھنے کے لئے بحر کے مروجہ ارکان کو گھٹا یا بڑھایا جاسکتا ہے ۔ روائیتی شاعری میں مواد ہیئت کا تابع ہوتا ہے جب کہ آزادنظم میں ہیئت مواد کے تابع ہوتی ہے۔ جیسے کلاسسزم میں فارم یا ہئیت کو اہمیت حاصل ہے جبکہ رومانٹسزم میں موادکو اولیت دی جاتی ہے۔

علامت کا کام تشبیہ یا اشارہ کی طرح اشیا کی نمائندگی کرنا نہیں بلکہ اشیا کے تصورات کا اظہار ہے۔ یہ گہرے داخلی شعور کے نتیجے میں نمودار ہوتی ہے جس میں اجتماعی لاشعور کا بہت بڑا حصہ ہے۔علامت شعور و ادراک کی تہوں کو باطنی رشتوں میں پرو کر ایسا جہانِ معانی تشکیل کرتی ہے جس سے وجدان کی تجلی جذبہ و خیال کی وسعتوں کو ایک نظم عطا کر کے پڑھنے والوں کے ذوقِ شعریت کی تسکین کا ساماں کرتی ہے۔حلقۂ اربابِ ذوق نے اس میدان میں خاطر خواہ تخلیقی اور ارتقائی سفر طے کیا ہے۔

علامہ اقبال نے نظم کہہ کر امکانات کو وسیع تر کر دیا اُس نے ہیئت کا تو کوئی تجربہ نہیں کیا لیکن نظم کی مدد سے انسان، خدا اور کائنات کے مابین رشتہ متعین کرنے کی کوشش کی اور اس طرح اس فلسفے سے نئی راہیں کھلیں۔ انھوں غیر مادی اور مابعد الطبعیاتی سوالات اُٹھائے جس کی وجہ سے نظم میں موضوع کے حوالے سے نئے راستوں کا تعین ہوا۔طلوعِ اسلام، ذوق وشوق ، ساقی نامہ وہ شاہکار نظمیں ہیں جن کی وسعتیں بیک وقت کئی جہانوں کو محیط ہیں۔ درد، اخلاص،فکری وسعت اور حیات نو کی تگ و 47ء کے بعد

جونظم سامنے آتی ہے اس میں تین بڑے رجحانات ہیں ۔ پہلا ترقی پسندی جس میں رومان اور انقلاب دونوں کا حوالہ موجود ہے۔ دوسرا حلقہ ارباب ذوق کا داخلیت پسند رجحان جس میں معاشرے کی داخلی سطح کو دیکھا گیا۔ جبکہ تیسرا رجحان جدید شعراء کا ہے جو مشینی اور صنعتی زندگی کا پیدا کردہ ہے۔ترقی پسند شعرا نے زیادہ تر پابند نظم کو اپنایا اور اُن کی نظر زیادہ تر معاشرے اور انسان کے خارجی مسائل ہی رہے لیکن ایک خاص نظریے کے زیر اثر ان کے ہاں ہمیں انتہا پسندی بھی نظر آتی ہے ۔ اس کے برعکس حلقۂ ارباب ذوق والوں کا خیال تھا کہ اظہار میں انفرادی آزادی ہونی چاہیے اور شاعر کو کسی نظریے کا پابند نہیں رہنا چاہیے وہ جو کچھ محسوس کرتا ہے اُس کو بیان کر دے۔ اس کے علاوہ حلقے کے شعراء کا خیال تھا کہ ادب میں تازگی ہونی چاہیے اور ہمیں جدیدیت کو اپنانا چاہیے لہٰذا روایت پر ان کا حملہ ترقی پسندوں سے زیادہ شدید تھا۔اس طرح انہوں نے نظم میں آزاد نظم کو رواج دیا اور نئی لفظیات ، نئی علامتوں اور استعاروں پر زور دیا۔

(۳)

یہ ہے اردو نظم اور اس کا ارتقائی سفر جو ریاض حسین چودھری کو نعت کی تخلیق کے حوالے سے ورثے میں ملا۔ اردو نظم کا ایک بحرِ مواج ان کے تحت الشعور اور لاشعور کی پہنائیوں میں ٹھاٹھیں مارتا نظر آتا ہے اور حرف و بیان کی ناؤ کو ساحل اظہار پر اتارتا چلا جاتا ہے۔ان کی 'کلکِ مدحت' ان کی تخلیق کاری میں عالمِ کیف میں رہ کر بہارِ اظہار کی ترتیب و تزئین کرتی ہے۔ آزاد نظم، نظمِ معریٰ، گیت، ماہیہ، سانٹ، موڈ کے مطابق جو ہیئت موزوں ہو جائے ریاض مدحت نگاری کی ناؤ کو قلزمِ اظہار میں اتار دیتے ہیں جس کے بعد بہتے چلے جانے کا نشہ ان کے بادبانِ حرف و صوت کو اڑائے چلا جاتا ہے۔

اس مقام پر ریاض حسین چودھری کی نعت کے حوالے سے سے ادب کے کچھ صاحب مقام مؤرخوں کا ذکر دلچسپی سے خالی نہیں ہوگا۔

ڈاکٹر انور سدید صاحب اپنے مضمون ''اردو میں نعت نگاری... ایک جائزہ'' میں لکھتے ہیں:

''نعت نے مرثیہ کی طرح ایک الگ فن کی حیثیت کبھی حاصل نہیں کی۔مرثیہ کی خوش قسمتی تھی کہ اسے مونّس , خلیؔق, انیؔس اور دبیؔر جیسے کاملانِ فن میسر آ گئے جنہوں نے ساری عمر اسی ایک صنف میں سخن آرائی کی اور اس کے اتنے تاب دار پہلو پیدا کر دیے کہ فارسی مرثیہ بھی اس سے پیچھے رہ گیا۔ اردو نعت نگاروں کا حلقہ یقیناً بے حد وسیع ہے۔ اس میں ہر سطح اور ہر قبیل کے شعرا شامل ہیں لیکن اس ہمہ گیریت کے باوجود بدقسمتی سے اس صنف کو کوئی انیؔس یا دبیؔر میسر نہیں آ سکا۔عبدالعزیز خالد کے سوا جس نے نعت کی کئی کتابیں بہ یک قافیہ لکھی ہیں، کسی بڑے شاعر کے وسیع ادبی ذخیرے سے نعتوں کی تعداد دو چار سے زیادہ نہیں۔اسی لئے ہر شاعر کے ساتھ نعت کا ایک انفرادی رنگ تو سامنے آ جاتا ہے، لیکن نعت کے حوالے سے شاعر کا تخلیقی کل (creative totality) تشکیل نہیں پاتا۔''

ڈاکٹر انور سدید کی کتاب'' اردو کی مختصر تاریخ'' 2014 میں شائع ہوئی اور ان کی وفات مارچ 2016ء میں ہوئی۔اُن کی کتاب کے صفحہ 545-544 پر انتہائی اختصار کے ساتھ نعت کا ذکر بھی ملتا ہے مگر یہاں بھی انہوں نے مرثیہ پر زیادہ لکھا ہے جبکہ نعت کے حوالے سے درج بالا مندرجات پر مبنی مواد ہی شامل کیا ہے اور چیدہ چیدہ نعت گو شعرا کے نام گنوائے گئے ہیں۔

ریاض حسین چودھری کے نعتیہ کلام کا پہلا مجموعہ ''زرِمعتبر'' 1995 میں شائع ہوا اور بارہواں مجموعہ ''تحدیثِ نعمت'' دسمبر 2015ء میں زیورِ طبع سے آراستہ ہوا۔ان بارہ

مجموعہ ہائے نعت میں سے چھ کو صدارتی ایوارڈ سے نوازا گیا جو کہ قومی سطح کا قابلِ ستایش واقعہ ہوتا ہے۔ ڈاکٹر انور سدید صاحب نے بہرحال اپنی کسی تحریر میں ریاض حسین چودھری کا نام مدحت نگاروں کی فہرست ہی میں شامل نہیں کیا، اُن کی خدمات کا اعتراف کرنا یا معیارِ تخلیق کو دادِ تحسین دینا تو دور کی بات ہے۔ جن ماہرین اور نقادانِ فن نے ریاض کی نعت نگاری پر بھرپور لکھا ہے ان میں ثقہ شخصیات شامل ہیں۔ جناب ریاض مجید صاحب نے ''ریاض حسین چودھری کی معریٰ حمد و نعت'' کے عنوان سے ''دبستانِ نو'' کا خوبصورت دیباچہ تحریر فرمایا ہے۔ پندرھویں نعتیہ مجموعے ''کائنات محوِ درود ہے'' کا جامع تعارف مرکز'حمد و نعت' کراچی سے جناب ڈاکٹر شہزاد احمد نے تحریر کیا ہے جس میں انہوں نے چودھری صاحب مرحوم کے جملہ مطبوعہ مجموعہ ہائے نعت میں سے ایک ایک کا مختصر مگر جامع تعارف پیش کیا ہے۔ یہ تحریریں نعتیہ ادب کی تاریخ کا حصہ بنیں گی۔ڈاکٹر انور سدید صاحب کا ریاض کی نعت نگاری سے صرفِ نظر محض سہو ہے۔ مجھے یہ کہنے میں کچھ باک نہیں کہ ان کے شعری اور ادبی مرتبہ و مقام کا تعین اور اُن کی لکھی ہوئی نعتِ سید المرسلینؐ کے تخلیقی کل کو اُن کی نعت خود متعارف کرالے گی۔ تاہم فروغ نعت میں سرگرم فعال روحیں اس سہو کا ازالہ کرنے کے حوالے سے مدحت نگاری میں پیشوائی کا مقام پانے والے صفِ اول کے اس شاعرِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مقروض رہیں گی! مدحت نگاری کے حوالے سے اپنے منصب کے حوالے سے تو ریاض ملائکہ سے ہمکلام رہتے ہیں ۔اپنی ایک نعتیہ نظم میں جس کا عنوان ہے''فرشتو! نامۂ اعمال میں یہ بھی تو لکھو گے'' ریاضؔ یوں گویا ہیں:

فرشتو! نامۂ اعمال میں یہ بھی تو لکھّو گے

اسے مدحت نگاری کا ملا ہے منصبِ رحمت

ثنا خوانی کا پرچم اسکے ہاتھوں میں ازل سے ہے

حضوری کی منوّر ساعتوں میں لپٹا رہتا ہے

مرزا محمد ارشد طہرانی

حقیقی نعت کا اسلوب اور سقوطِ ڈھاکہ کا صدمہ

شاعر کا شعر، ادیب کا ادب پارہ یا کوئی نثر کا ٹکڑا کس قدر قیمت کا مالک ہے، یہیں سے نقاد کے نکتۂ نظر کا مسئلہ پیدا ہوتا ہے۔۔۔ ان معروف معنوں میں مَیں نہ تو ادیب ہوں نہ نقاد مگر اتنا ضرور ہے کہ کسی اچھے شعر یا ادب پارہ کا کوئی ہلکا سا جھونکا بھی سماعتوں کو چھو جائے تو درِ ذوق وا ہو جاتا ہے۔

سچ جانیے کہ جو وجدانی کیفیت ریاض حسین چودھری کی قومی اور ملی شاعری سے میسر آتی ہے، اس کی لذت ہی کچھ اور ہے۔ بالخصوص نعت گوئی کے منصب جلیلہ پر فائز ہوکر جب سے ریاض نعت کے درِ معتبر میں جلوہ فگن ہوئے ہیں، وہ اللہ کی مخلوق میں بھی بڑے معتبر ہوگئے ہیں۔''نقوش'' کے رسول اللہ ﷺ نمبر میں ڈاکٹر ریاض مجید کا نعت کے موضوع پر ایک طویل مضمون شائع ہوا جس میں وہ لکھتے ہیں کہ''ایک رسمی نعت ہے، ایک حقیقی نعت۔ رسمی نعت وہ ہے جو محض شعری روایت کے تحت لکھی گئی یا کسی شعوری ضرورت کے تحت۔ اس شعری روایت کو برقرار رکھتے ہوئے کم و بیش ہر شاعر نے حضور نبی کریم ﷺ کی شان میں کچھ نہ کچھ ضرور لکھا ہے اور اسے اپنے شعری دیوان کے آغاز میں بطور حصول برکت و ثواب شامل کیا ہے۔

اس کے برعکس حقیقی نعت گوئی ہے، حقیقی نعت کا اطلاق ہی''نعتیہ ادب'' میں کیا جاتا ہے، جس کے لکھنے والوں نے نعت کو ایک ادبی صنفِ سخن کے طور پر اختیار کیا۔ نہ صرف اسے مقبول کیا بلکہ اس کے حقیقی لوازمات، فنی اور صنفی نزاکتوں کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے اپنے گہرے شغف، توجہ، انہاک، جذب و وجدان اور قلبی وابستگی کے احساس سے نعت کو ایک نعتیہ ادبی اور فنی معیار عطا کرنے کی کوشش کی ہے۔''

اس تناظر میں دیکھیں تو جناب ریاض حسین چودھری نے حقیقی نعت کے اسلوب کو خوب نبھایا اور یوں نعتیہ ادب کے ذریعے نبی کریمﷺ کی محبت، سیرت اور آپ کے ہمہ گیر پیغامِ امن و سلامتی نیز نسلِ انسانی کے لیے اسلام کے آفاقی نظامِ حیات کی ترویج و اشاعت کا عظیم کارنامہ سرانجام دیا ہے۔ اپنے ذوقِ نعت گوئی کی اٹھان کا اظہار ریاض یوں کرتے ہیں:

عالمِ ارواح میں بھی رقص کرتا تھا قلم
یہ وفورِ نعت میری روح کے اندر کا ہے

اس وقت ریاض حسین چودھری کی شخصیت اور ان کی ابتدائی ادبی مشغولیات کے متعلق کچھ کہنا ہے۔

سیالکوٹ کی گزشتہ تقریباً نصف صدی کی ادبی تاریخ پر نظر ڈالیں تو ریاض کے تذکرے کے بغیر سیالکوٹ کا ادبی منظر نامہ تشکیل پاتا نظر نہیں آتا۔ یہ تب کی بات ہے جب سیالکوٹ کے کہنہ مشق اساتذۂ شعر و ادب اور صاحبِ دیوان شعراء کے بغیر کوئی ادبی مجلس نہیں سجتی تھی، ایسے میں بیس بائیس سال کی عمر میں ریاض کا دنیائے شعر و ادب میں اترنا کسی ادبی دھماکے سے کم نہ تھا۔ آپ نے سیالکوٹ میں حلقۂ اربابِ ذوق کی بنیاد رکھی پھر اس کی خوب آبیاری کی۔ ان کی کاوشوں سے سیالکوٹ میں شعر و ادب پر تبصرے اور تنقید کی بنیاد پڑی۔ جس سے نئے لکھنے والوں کی نہ صرف حوصلہ افزائی ہوئی بلکہ اپنے فن کو نکھارنے کے وافر مواقع میسر آئے۔

شعر و ادب میں توازن کے بغیر کوئی ادب تخلیق ہی نہیں پاتا۔ ریاض کے ہاں ان کی شخصیت، نام اور ماحول میں بھی ایک توازن تھا جس کا بگڑ جانا ان کے ذوقِ لطیف پر بڑا گراں گزرتا۔ اگر کوئی غلطی سے بھی ''چودھری'' کے ہجوں میں تھوڑے بہت تغیر سے ''چوہدری''، یعنی ''ہ'' کو ''د'' سے پہلے لے آتا تو وہ واپسی ڈاک اپنے نام کے درست ہجوں

کو اختیار کرنے کا نصیحت نامہ اسے تھما دیتے اور خود قلم اٹھا کر اپنے نام لکھے مکتوب میں حرفی یا لفظی غلطی کو درست کر لیتے۔

ان کی ادبی زندگی کا پورا عرصہ بڑا متحرک رہا۔ تقریباً 2002ء کے بعد ایسا وقت بھی آیا کہ پے درپے بیماریوں نے انہیں گھیر لیا۔ جن میں شوگر، ہائی بلڈ پریشر اور ''چلنے پھرنے میں خاصی دقت'' سرِ فہرست تھیں۔ یہ بیماریاں ریاض کی مستقبل مہمان تھیں جس طرح گھر آئے مہمان کی خدمت و تواضع کرتے رہنا ان کے معمولات میں شامل رہا۔ ان بیماریوں نے انہیں بیرون خانہ تقریبات میں آنے جانے سے خاصی حد تک روک رکھا تھا لیکن ان کا ذہن اور قلم ان کی ہنگامہ خیز ادبی زندگی سے بھی زیادہ سبک رفتار ہوگیا۔ البتہ بیماری کے باوجود نعت کے حوالے سے منعقدہ تقریبات میں پہنچ جاتے۔ ایسے میں ان کے فرزند مدثر ریاض نے خدمت گزاری کا حق خوب ادا کیا۔

حصارِ نعت میں تنہا ہی نہیں وہ اپنے گھر بار کو بھی برابر شامل رکھتے۔ اپنے اہل و عیال، بیٹے بیٹیوں حتیٰ کہ پوتے پوتیوں، نواسے نواسیوں کو بھی بٹھا کر اپنی نعتیں سناتے:

آسماں شہرِ محمدؐ کا نظر میں چاہیے
ہر پرندہ میرے لفظوں کا سفر میں چاہیے
میرے بچوں کو وراثت میں ملے حبِ رسولؐ
یہ اثاثہ بعد میرے بھی تو گھر میں چاہیے

ان کی سیکرٹری شپ کے دوران تقریباً پچیس سال تک حلقۂ اربابِ ذوق، سیالکوٹ کی واحد متحرک ادبی تنظیم تھی جس کے ہفتہ وار اور پندرہ روزہ اجلاس باقاعدگی سے منعقد ہوتے رہے اس دوران کسی بھی اخبار کا ادبی ایڈیشن حلقہ اور ریاض کے تذکرے کے بغیر نظروں سے نہیں گزرا۔ ادبی اور شعری مجالس جناب ریاض کی غزل، قومی گیت، نعت یا ملی اور قومی اشعار کے بغیر ادھوری سی لگتیں۔

ریاض عمر کے تقریباً 75 ویں سال سے گزر رہے تھے۔ حافظہ بلا کا، سوچ وفکر میں تازگی، چست جملوں کی آمد مزید برآں کہ نہایت خوبصورت قلم ہر وقت ان کے زیبِ جیب رہتا۔ حلقہ ارباب ذوق کے سدا بہار سیکرٹری جن کی موجودگی میں ہم اس منصب کا حصول سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔ ایک عرصہ تک پاکستان نیشنل سنٹر کے دانش کدہ میں، پھر چوہدری فضل دین اینڈ سنز کے عقبی ٹھنڈے ٹھار کمرے میں، جب وہاں سے جی اکتایا تو کیفے ڈی شیخ اور پھر امیلیا ہوٹل چل دیے تو حلقہ بھی ان کے پیچھے پیچھے ہولیا۔

شعر گوئی، شعرفہمی اور ذوق مجلس آرائی، یہ تو ریاض کی ادبی دنیا کا خارجی وجود، اگر ہم ان کے داخلی شعری اور فکری وجود پر نگاہ ڈالیں تو وہ ریاض کی عمر سے کم وبیش 100 سال بڑا اور قد آور دکھائی دیتا ہے۔ فیض احمد فیض گورنمنٹ کالج لاہور پڑھتے تھے ان کے انگریزی کے استاد نے سو میں سے ایک سو پندرہ نمبر دیئے تو پوری کلاس معترض ہوئی کہ استادِ گرامی یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ تو استاد نے یہ کہہ کر سب طلبہ کو خاموش کرادیا کہ فیض کا انگریزی کا پرچہ ایسا ہی تھا کہ میں انہیں 100 میں سے 115 سے زیادہ نمبر نہیں دے سکتا تھا، تو پھر تیس پینتیس سالہ ریاض کے کلام میں اگر 100 سال کی فکری پختگی، بالغ نظری اور مضامین پر گرفت جلوہ فگن ہو تو ایسے میں ان کی عمر 150 سال شمار کرلی جائے تو اچنبھے کی کوئی بات نہیں۔ جب ریاض حسین چودھری کا وطن دولخت ہوا تو ان کا 150 سالہ فکری وجود ریاض کے 35 سالہ جسم پر ہتھیار بند ہوکر کھڑا ہوگیا اور زور دار لہجے میں دنیا کی استحصالی قوتوں کو للکارنے لگا:

کوئی بتائے مے کدہ کیونکر اجڑ گیا
بکھرے ہوئے ہیں جام تو ٹوٹے ہوئے سبو
اپنے لہو میں ڈوب گئی شبنمی ہوا
ویران ہوگیا ہے گلستانِ رنگ و بو

کیونکر سقوطِ مشرقی بنگال مان لوں
چھینٹے اڑیں گے میری عقیدت کے کو بکو

ریاض کا وجود کرچی کرچی ہوکر یوں صفحۂ قرطاس پر بکھر گیا۔

کس نے چرا لیے مری آنکھوں کے سات رنگ
کس نے سمیٹ لیں مرے ہونٹوں کی شوخیاں
کھُلنا کے بام و در پہ مرے خون کی بہار
میں نے کمال پور کو دیا عزمِ بے کراں
سلہٹ میں چاٹگام میں میرے نفس کو ضَو
جیسور میری حریت کے تقدس کا پاسباں
مشہود میرے ذوقِ شہادت کا آج بھی
ہے راجشاہی میری امنگوں کا ترجماں
میں نے رکھی ہے لاج اُحد اور حنین کی
دیناج پور ہے میری شجاعت کا اک نشاں
ڈھاکہ حدیثِ شوق کے عنواں کی آبرو
کس نے اڑا دیں اس کے تقدس کی دھجیاں

سچ جانئے کہ سقوط ڈھاکہ سے ریاض کی غزل میں وطن کی مٹی سے وابستگی کا حوالہ سب سے معتبر ہوگیا۔ اس کا وطن کیا دولخت ہوا، ایسے لگتا ہے کہ راہ چلتے بچے کی طرح ریاض کا ہاتھ اس کے والدین کے ہاتھوں سے چھوٹ گیا، وہ اپنے گمشدہ والدین کی تلاش میں ہر نگر ہر کوچے میں یہ صدا دے رہا ہے:

ایک ایک میرے باغ کی پتی بکھر گئی
اہلِ وطن پہ آج قیامت گزر گئی
اب کس کے واسطے میں تراشوں مجسمے
تخلیق کی نمو کی ضرورت ہی مر گئی!

سقوط ڈھاکہ کے بعد ریاض تادمِ آخر اپنے دشمن اپنے اندر تلاشنے کے عمل سے باہر نہیں نکلا اور اپنے دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ ڈھانپ کر اپنے اندر کے دشمن سے مخاطب ہے:

موت سے پہلے مری آخری خواہش ہے ریاض
میرا دشمن، میرے چہرے پہ ملے خاکِ وطن

اور

آؤ اپنے جسم چُن دیں اینٹ پتھر کی جگہ
بے درو دیوار ہے، لیکن یہ گھر اپنا تو ہے!

ریاض ارض وطن سے محبت کی یہ خوشبو اور مہک عشقِ مصطفیٰ ﷺ کے سنبل و ریحان سے کشید کرتا رہا اور اس خوشبو سے وہ تمام اہلِ وطن کو مشکبار دیکھنا چاہتا ہے:

اس ملک کی جبین کا جھومر ہے لا الہ
یہ سر زمیں ہے عظمتِ قرآں کی سر زمیں

جب سے عشقِ مصطفیٰ ﷺ ریاض کی انگلی تھام کر انہیں دربارِ رسالت میں لے گیا تب سے وہ گھر واپس نہیں لوٹے اور دربار رسالت میں ہی بستر بچھائے آخری دم تک گنگناتے رہے:

چند آنسو ہیں ندامت کے فقط زادِ سفر
مختصر سا ہے مگر کافی ہے سامانِ حیات

اور

قدموں میں مرے آقاؐ رہنے کی اجازت ہو
ہم بھی ہیں اٹھا لائے گھر بار مدینے میں
عیدی میں ملیں مجھ کو آدابِ ثناء گوئی
رمضان میں ہو یارب افطار مدینے میں

جناب ریاض کے والد گرامی چودھری عبدالحمید ولد چودھری عطا محمد آف رنگپورہ سیالکوٹ فخرِ اولیاء حضرت پیر سید جماعت علی شاہ محدث علی پوریؒ کی براہِ راست عقیدت و ارادت میں تھے۔ جناب ریاض کے والدین کا نکاح محدث علی پوریؒ نے پڑھایا۔

قیامِ پاکستان کی جدوجہد میں ریاض حسین چودھری (چودھری فضل دین اینڈ سنز) کا پورا گھرانہ محدث علی پوریؒ کے حکم پر قائداعظمؒ کے شانہ بشانہ سرگرم عمل رہا۔ جب آل انڈیا مسلم لیگ کی سالانہ صوبائی کانفرنس 28 تا 30 اپریل 1944ء تالاب شیخ مولا بخش سیالکوٹ میں منعقد ہوئی اور قائداعظمؒ اس کانفرنس میں بطور خاص شریک ہوئے اور تین دن تک سیالکوٹ میں قیام کیا تو ریاض حسین چودھری کی آبائی رہائش چودھری فضل دین بلڈنگ رنگپورہ ان عمارات میں سے ایک تھی جسے مسلم لیگ ہاؤس قرار دے کر مقامی مسلم لیگ کے حوالے کردیا گیا تھا جہاں آل انڈیا سے آئے ہوئے مسلم لیگی وفود میں سے متعدد نامور ہستیوں نے تین دن تک قیام کیا۔ ان میں مولانا عبدالحامد بدایونی، مولانا بشیر اخگر اور مولانا عبدالستار نیازی بھی شامل تھے۔

میں ایک شاعرِ گمنام ہوں مرے آقا
مرے بھی ہاتھوں میں تیری ثناء کی مالا ہے

مجھے خود اپنے تشخص کی کیا ضرورت
ترا حوالہ ہی سب سے بڑا حوالہ ہے

ریاض حسین چودھری نعتیہ مشاعروں کے اختتام پر یہ شعر پڑھا کرتے تھے:

اقبالؒ کی زمیں سے حرم کی زمین تک،
اشکوں نے جو کیا ہے چراغاں قبول ہو

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت!!!

خواجہ طارق اسماعیل
19-9-2017، سیالکوٹ

قیقنسِ نعت

ریاض حسین چودھری ایک اجتماعی باعمل سوچ کا نام ہے جو بلا امتیاز اپنے دوستوں کی تکریم کے قائل ہیں انہوں نے کبھی اپنے دوستوں کو محسوس نہیں ہونے دیا کہ وہ پاکستان کی ایک نامور ہستی ہیں جن کے چھ نعتیہ مجموعوں کو سیرت صدارتی اور صوبائی ایوارڈ ز سے نوازا گیا۔ ان کی نعت کی ۲۳ ضخیم کتب ایک شفاف عاشقِ رسول ہونے کی دلیل ہیں۔ وہ سیالکوٹ کے ایک پڑھے لکھے گھرانے کے تعلیم یافتہ چشم و چراغ ہیں مجھے ان کی قربت شعر گوئی کے حوالے سے ملی میرا شوق شعرگوئی مجھے ان کے قریب لے گیا جو کہ میری دیرینہ خواہش کی منزل بھی تھی ریاض صاحب کی شفاف بے لوث گھُل مِل جانے والی طبیعت کی وجہ سے ہم جلد ہی بلا تکلف دوست ہوگئے اس وقت ان کے حلقہ احباب میں نامور شاعر تاب اسلم، آثم میرزا، رفیق ارشد، رشید آفریں، پروفیسر اکرام سانبوی،عین، ادیب، اسلم ملک، اسلم عارف وغیرہ شامل تھے ان کا دفتر میرے گھر کے قریب ہونے کی وجہ سے میں جب چاہتا ان سے مل لیتا سموسوں اور چٹنی کے بعد سٹرانگ چائے کا دور ان کی میزبانی کا خاص انداز تھا۔ یہ ۱۹۷۴ء کے اوائل کی بات ہے، ایک روز ریاض صاحب نے بتایا سیالکوٹ میں حلقہ اربابِ ذوق کا اجرا ہورہا ہے پھر لاہور سے شہزاد احمد،عصمت طاہرہ اور حفیظ صدیقی آئے اور حفیظ صدیقی سیکرٹری اکرام سانبوی جائنٹ سیکرٹری منتخب ہوئے۔ حلقہ کسی وجہ سے فعال نہ ہوسکا پھر دو سال بعد تشکیل نو ہوئی اس میں ریاض صاحب پہلے سیکرٹری اور راقم الحروف جائنٹ سیکرٹری منتخب ہوئے ۔بطور سیکرٹری ۱۹۸۰ء تک فرائض منصبی خوب نبھائے مگر اس کے بعد بھی حلقہ ریاض صاحب کی سرپرستی میں کئی سال فعال رہا۔ اسی دوران تمام دوستوں نے محسوس کرلیا تھا کہ ریاض صاحب کے اندر ایک سچے عاشق

رسول کی کہکشاں روشن ہے۔ پھر ریاض صاحب کی نعتیہ شاعری کی کتابیں یکے بعد دیگرے آنا شروع ہوگئیں ان کتب میں ایک ان کی کتاب'' تمنائے حضوری'' چھپی جو کہ ایک طویل نعتیہ نظم ہے اس کے پیش لفظ میں انہوں نے اپنے تمام دوستوں کا ذکر کرتے ہوئے مجھے میرے اس شعر پر:

عالم وجد میں رقصاں مرا پر پر ہوتا
کاش میں گنبدخضریٰ کا کبوتر ہوتا

جو عزت بخشی اسے میں کبھی بھی نہیں بھلا سکتا۔ ان کی شخصیت کا ایک روحانی اثر ہے کہ میں کبھی کبھی سوچتا ہوں کہ اپنے اس عاشق رسول دوست کی قربت کی وجہ سے شاید محشر میں میری بھی بخشش ہوجائے جس نے مجھے نعت گوئی کی جانب راغب کیا۔

ہوا یوں کہ ایک نعتیہ مشاعرے کا اہتمام کرتے ہوئے فرمانے لگے کہ طارق اپنی نعت کے بغیر مشاعرے میں نہ آنا۔ میرے لئے نعت کہنا اور وہ بھی اس قدر تھوڑے وقفے میں تقریباً ناممکن تھا۔ میں بغیر نعت لکھے چلا گیا۔ مجھے انہوں نے پوچھا کہ نعت لکھ کر لائے ہیں۔ میرا جواب نفی میں سن کر کچھ سنجیدگی سے کہنے لگے کہ آپ ابھی جائیں اور نعت لکھ کر لائیں۔ میں وہیں ایک الگ کمرے میں جا کر بیٹھ گیا اور لگا سوچنے کہ کیا نعت لکھوں اور کیسے لکھوں حتیٰ کہ مجھے اونگھ آ گئی اور دو گھنٹے کے لئے آنکھ لگ گئی۔ اٹھا تو خود کو ایک تخلیقی کیفیت میں پایا اور یہ شعر میرے شعور میں رقصاں تھا:

عالم وجد میں رقصاں مرا پر پر ہوتا
کاش میں گنبدِ خضریٰ کا کبوتر ہوتا

پھر کیا تھا، بس ایک بہاؤ تھا اور کچھ ہی دیر میں نعت مکمل ہوگئی۔ تب میں ریاض صاحب کے پاس آیا۔ میرے چہرے کی بشاشت دیکھ کر مسکرائے اور پوچھنے لگے شعر سناؤ

اور میں نے یہی شعر سنا دیا۔

پھر تو ان کی کیفیت دیدنی تھی جیسے وہ رقص میں ہوں اور وجدان میں گنبدِ خضرا اپنے سامنے دیکھ رہے ہوں اور کوئی کبوتر محوِ طواف نظر آ رہا ہو۔ نعت سنی اور بہت حوصلہ افزائی کی اور کہنے لگے کہ آپ نے نعت لکھنے کا حق ادا کر دیا ہے۔ جب میں تمنائے حضوری میں ان کا لکھا ہوا طویل پیش لفظ پڑھتے پڑھتے یہاں تک پہنچا کہ طارق اسماعیل کا یہ شعر لاشعور میں ایسا سمایا کہ تمنائے حضوری جیسی طویل نظم عطا ہو گئی تو میں ایک ناقابلِ بیان کیف میں کھو گیا اور ریاض حسین چودھری کی نعت گوئی کا آقا و مولا ﷺ کی عطائے خاص ہونے پر محکم یقین آ گیا۔

میں نے یہ واقعہ کبھی کسی سے بیان نہیں کیا تھا۔ مگر جب ریاض کے خصوصی قریبی دوست جناب شیخ عبدالعزیز دباغ نے چودھری صاحب کی وفات کے بعد ان کے تعزیتی ریفرنس میں اپنے مشاہدے کی بنا پر یہ کہا کہ کتاب کا نام تو تمنائے حضوری ہے مگر انہیں دراصل مقام حضوری تفویض کیا جا چکا تھا اور ساتھ طارق اسماعیل کے اس شعر کا اور تمنائے حضوری انہیں کیسے عطا ہوئی ان کیفیات کا کھل کر ذکر کیا تو مجھے تحریک ملی کہ میں اب یہ واقعہ بیان کر ہی دوں۔ چنانچہ خصوصی گزارش کر کے میں نے وقت لیا اور تفصیل سے بتایا کہ ریاض نے مجھے نعت لکھنے کی طرف کیسے راغب کیا۔

رب کریم سے التجا ہے کہ وہ اس شاعر رسول ﷺ کو اپنی جنت قرب میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور ہماری ان کے ساتھ نسبت کو ہماری بخشش کا ذریعہ بنا دے۔ آمین۔

19-9-2017

ڈاکٹر عاصی کرنالی

کلاسیکی اور عصری نعت کے تلازمات

رزقِ ثنا کے حوالے سے

ریاض حسین چودھری کا شمار ہمارے عہد کے نمائندہ شعرا میں ہوتا ہے۔ نعت گوئی ان کے تاجِ فن کا ایک ہمیشہ سے تاب موتی ہے جس کی درخشانی اور ضوریزی وقت کے دائرے میں محدود نہیں ہے۔

ریاض حسین چودھری کی نعت میں وہ تمام فنی اور معنوی تلازمات ہمیں نظر آتے ہیں جو روایت سے جدت کی جانب سفرِ ارتقا کرتے ہوئے عصری نعت میں ہونے چاہئیں۔ کلاسیکی نعت شخصی احوال نگاری کا منظر نامہ ہے۔ عشق و عقیدت کا زمزمہ ہے۔ ذاتی ہجر و ناصبوری اور مشتاقی وحضوری کا اظہار ہے۔ حضورعلیہ الصلوۃ والسلام کے جمالیاتی مظاہر کی آئینہ داری سے معمور اور حضورؐ کے محامد ومحاسن کے تذکارِ جمیل سے متجلی ہے۔ آج کی نعت جہاں روایت کے مذکورہ بالا اجزا و صفات سے پرِدامن ہے، وہیں امت کے اجتماعی احوال و مسائل کی عکاس اور ترجمان بھی ہے۔ یعنی عصر حاضر میں نعت ذات اور اجتماعیت دونوں پہلوؤں اور جہتوں کی نمائندگی کررہی ہے اور اس محبوبِؐ خدا اور ممدوحِ کائناتؐ کی شانِ محبوبیت اور مراتبِ ممدوحیت کی وصاف ہونے کے ساتھ ساتھ انہیں پیغمبرِ عمل و انقلابؐ اور ہادیٔ انسانیتؐ کے طور پر بھی پیش کررہی ہے۔ حضورؐ کے اسوۂ حسنہ اور سیرتِ کاملہ کی متنوع اداؤں کے مضامین نعت نو کا مزاج ہیں تاکہ آشوب میں مبتلا امت اور آلام میں گھری ہوئی انسانیت قرار پاسکے اور ارضِ بشر محبت، امن، عدل اور آسودگی کا گہوارہ بن سکے۔ میں نعت گوئی کے اس تعارف وتعریف کے پردے میں اصل میں ریاض حسین چودھری کی نعت اور اس کے موضوعات و مضامین اور مقاصد ومطالب کی بات کررہا ہوں۔

زبان و بیاں کی نفاست، جذبے کا تقدس، خیال کی لطافت، متنوع مضامین، ممیّز اسلوب، پاسداریِ آدابِ مدح و ثنا، عصری احوال و مسائل کی آئینہ داری اور سیرت طیبہ کی تبلیغ و ابلاغ، ان تلازمات کے حوالے سے اس عہد کے ایک اہم نعت گو، ریاض حسین چودھری کی رزقِ ثنا کا مطالعہ کیجئے۔

ڈاکٹر آفتاب احمد نقوی شہید

ریاض حسین چودھری کی نعتیہ شاعری

اردو ادب کے توانا رویوں کا امتزاج

اقبال کی زمیں سے حرم کی زمیں تک
اشکوں نے جو کیا ہے چراغاں قبول ہو

اپنے اشکوں کی مدد سے شہرِ اقبال کا یہ مدحت گر رسولﷺ ریاض حسین چودھری اپنے پیشرو اقبال کی طرح حرم کی سرزمینِ مقدس تک جو چراغاں کرنے میں مصروف ہے۔ نورِ مجسم کے نورِ مقدس کی جھلملاہٹوں سے اپنے اندر کی کائنات کو جس طرح منور کرنے میں لگا ہوا ہے اور اپنی اس نورانی مصروفیت کے وجدانی کیف و سرور کے ساتھ اس طویل تر فاصلے کو جس جرأت اور توانائی کے ساتھ آنِ واحد میں روشن کرتا دکھائی دیتا ہے یہ نصیب حوصلہ اور یہ رتبہ بقول شاعر:

یہ رتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا

کے بلاشبہ مصداق ہے۔۔ ایسا کیوں نہ ہو۔۔ یہ دعویٰ۔۔ جو درحقیقت الفاظ کے خوبصورت نگینوں میں ایک التجا کو سموئے ہوئے ہے ریاض کے ایک پُر درد اور محبت آشنا دل کی صدا ہے جس میں عقیدت کے پھول بھی ہیں تو محبت کی چاشنی بھی۔۔۔ التجا کا انداز بھی ہے تو حالات کی ستم ظریفی کا عکس بھی۔۔۔ چنانچہ یہی وہ ریاض کا اردو نعت میں حقیقت آشنا رویہ ہے جو اسے دورِ حاضر کے ممتاز نعت نگاروں کی صف میں کھڑا کرتا دکھائی دیتا ہے۔۔۔ ریاض کی نعت بلاشبہ نوجوان نسل کے نعت گوشعراء کے لیے ایک ایسا معیار فراہم کررہی ہے جس کو سینوں سے لگائے اور اپنے دل کے آبگینوں میں سجائے بغیر کوئی نعت گو حقِ نعت گوئی ادانہیں کر سکے گا۔

ریاضؔ کی نعت کا مطالعہ کرتے ہوئے ہمارا اس حقیقت سے آگاہ ہونا نہایت ضروری ہے کہ ریاضؔ کو نعت گوئی کا جو شعور میسر ہے اس میں اُس کے گھریلو ماحول جو اسے ورثہ میں ملا ہے کو بطور خاص اہم مقام حاصل ہے۔ شاعر کے جاننے والے جو اس کے اہلِ خانہ سے بھی شناسا ہیں۔ اس حقیقت سے بخوبی آشنا ہیں کہ اُس کے خاندان میں ذکرِ مصطفیؐ کی مقدس فضا ہمیشہ سے موجود رہی ہے اور لطف کی بات یہ ہے کہ یہ ذکر محض خالی خولی ذکر ہی کی حد تک محدود نہیں رہا، بلکہ اس کی آبیاری حبِ رسولؐ کے سے پاکیزہ جذبے سے ہوئی ہے۔ چنانچہ ریاضؔ کی اِس آبائی وراثت کو سامنے رکھا جائے تو ہمارے آج کے شاعر کی نعت کو سمجھنے میں خاصی معاونت ملتی ہے۔ چنانچہ اِس حقیقت کی گواہی ریاضؔ کے اس شعر سے بھی بطورِ خاص ملتی ہے جس میں وہ اپنی اس خاندانی وراثت کو اگلی نسلوں تک یوں منتقل کرتا دکھائی دیتا ہے۔

میرے بچوں کو وراثت میں ملے حبِ رسولؐ
یہ اثاثہ بعد میرے بھی تو گھر میں چاہیے

اللہ اللہ کتنی معصوم اور پیاری خواہش ہے۔ اس خواہش کی عطا ہے کہ اس کے قلم سے نکلنے والا ہر شعر حبِ رسولؐ کے بحرِ بیکراں سے تخلیق کے مراحل طے کرتا ہے۔

ریاض کی نعت پر گفتگو کرتے ہوئے اگر اردو نعت کے پس منظر اور پیش منظر پر ایک طائرانہ نگاہ ڈالی جائے تو نعت میں دو رویے بطور خاص نظر آتے ہیں۔ ایک رویہ جس کے نمائندہ حضرات احمد رضا ہیں جن کی نعت میں جذب و کیف اور سرمستی کی کیفیت دیدنی ہے جبکہ دوسرا اقبالؔ و ظفرؔ کا رویہ ہے جہاں نعت ادب کے وسیع تر تناظر میں کائنات کی پوری وسعتوں کو اپنے دامن میں سموتی دکھائی دیتی ہے۔ ریاض اردو نعت میں ادب کے ان دو توانا رویوں کے امتزاج سے اپنا مقام پیدا کر رہا ہے جس میں کیف و سرور کے سرمدی نغمے بھی ہیں تو دور حاضر کے انسان کا کرب بھی۔ یہاں ملّی مسائل بھی ہیں تو اپنی ذات کا نوحہ بھی۔ چنانچہ یہی وہ مقام ہے جہاں وہ آج کے نعت گو شعراء بالخصوص حفیظ تائبؔ سے

متاثر دکھائی دیتا ہے۔

ریاضؔ حسین چودھری ایک شاعر ہے اور اسے اس بات پر فخر ہے کہ وہ حضرت حسان بن ثابتؓ کی سنت پر عمل پیرا ہے۔ ریاضؔ چونکہ نعت کو حبِ رسولؐ کے حصول کا ایک عظیم منبع خیال کرتا ہے اس لیے پکار پکار کر کہتا ہے۔

مشامِ جاں تری خوشبو سے مہکا ہی رہے آقا
ترا شاعر ثنا کے پھول چنتا ہی رہے آقا
میں اٹھ کر رات کے پچھلے پہر لکھتا رہوں نعتیں
چراغِ دیدۂ نمناک جلتا ہی رہے آقا

شاعر کو محسنِ انسانیت اور معلمِ انسانیت سے جو والہانہ محبت و شیفتگی حاصل ہے وہ دیوانگی کی حدوں کو چھونے کے ساتھ ساتھ فرزانگی سے بھی پوری طرح لیس ہے اسی لیے تو وہ اسے اپنی پہچان گردانتا ہے اور وہ اس حقیقت پر مفتخر بھی ہے کیونکہ اسے احساس ہے کہ شعراء کے اس جمِ غفیر میں اس نے ثنائے رسولؐ کی مالا کو اپنے ہاتھوں میں سجایا ہوا ہے وہی اس کا تشخص ہے اور وہی اس کا حوالہ ہے۔

میں ایک شاعرِ گمنام ہوں مرے آقاؐ
تری ثنا کی مرے ہاتھ میں بھی مالا ہے
مجھے خود اپنے تشخص کی کیا ضرورت ہے
ترا حوالہ ہی سب سے بڑا حوالہ ہے

شاعر کو اپنے اس تشخص جو اسے ایک خاص نسبت سے حاصل ہے کا بخوبی احساس ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اس حوالے سے اور اس نسبت سے اگر ہم کچھ ہیں تو ہیں۔

اگر پہچان ہے کوئی تو یہ نسبت کی خوبی ہے
وگرنہ کیا مری اوقات کیا نام و نسب میرا
ریاضؔ اپنے تشخص کے لیے اتنا ہی کافی ہے
سگِ دربارِ سلطانِ مدینہ ہو لقب میرا

ایسی روح پرور اور وجدانی خواہشوں والا ریاضؔ جب مدحتِ رسولؐ کے لیے زبان کھولتا ہے۔ جب وہ اللہ تعالیٰ کی سنت ان اللّٰہ وملائکتہ یصلون علی النبی پر عمل پیرا ہوتا ہے تو کائنات کی وسعتیں کچھ یوں سمٹ کر اس کے سامنے آجاتی ہیں جس سے وہ یہاں تک دعویٰ کرتے ہوئے بھی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتا:

بوقتِ نعت گوئی حال ہوتا ہے عجب میرا
پرِ جبریل بن جاتا ہے ہر حرفِ طلب میرا
گلابِ اسمِ احمد کیا کھِلا شاخِ دل و جاں پر
چمن میں تذکرہ رہنے لگا ہے روز و شب میرا

اردو کے جدید نعتیہ ادب میں نعت اوصاف ومحاسنِ مصطفیٰ کے اظہار سے آگے بڑھ کر آپ کی شخصیت و سیرت پر اظہار خیال کے ساتھ ساتھ عصری حقائق و مسائل کو بھی اپنے اندر کچھ اس خوبصورتی سے سموئے ہوئے ہے جس سے اس صنفِ اظہار کی بے پناہ وسعتوں کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ آج کا شاعر اور دانشور اپنے تمام ذاتی اور اجتماعی مسائل میں آپؐ ہی کی ذات کو اپنا ملجا و ماویٰ تسلیم کرتا ہے اور یہ بات محض دعوے ہی کی نہیں بلکہ ایک بہت بڑی حقیقت ہے کہ آپ سے بڑھ کر دنیا میں اور کون ہے جو انقلاب کا بانی ہو اور آپ کے انقلاب کی وسعتِ لامحدود اور رحمتیں بے شمار ہیں۔ چنانچہ آپ کے اس عظیم انقلاب کو اپنوں اور غیروں سبھی نے تسلیم کیا ہے ۔ریاض بھی اس حقیقت سے بخوبی آشنا ہے:

آدمی تھک ہار کر اُن کو پکارے گا ریاضؔ
اُن کے دامانِ کرم کی انتہا بھی دیکھنا

میں ذکر کر رہا تھا کہ دورِ جدید میں نعت نے اپنے آپ کو ایک توانا اور بھرپور صنف اظہار کے طور پر منوالیا ہے اور اب شعراء اس کے ذریعے سے اپنا مافی الضمیر اور اپنی ذات کا بھرپور اظہار کرنے لگے ہیں۔ اسی لیے تو ہم دورِ جدید کو نعت کا دور کہتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس عہد میں نعت نے جہاں نہ صرف مقبولیت کی آخری حدوں کو چھولیا ہے وہاں ترقی و ارتقا کی منازل بھی تیزی سے طے کی ہیں۔ ظاہر ہے ایسی صورتِ حال میں بعض اطراف سے نعت کے تقدس کو دھچکا بھی لگا ہے جس سے مبہم اور بلا مقصد موضوعات اس میں در آئے ہیں۔ میرا مقصود یہاں مثالیں پیش کرنا نہیں بلکہ اس حقیقت کا اعتراف کرنا ہے کہ ریاضؔ نے نعت میں اپنی فکر کی جولانیوں کے باوجود تقدس رسالتمآب ﷺ کو بھی پیش نظر رکھا ہے چنانچہ یہاں ہمیں اعتدال اور میانہ روی کی دلنواز کیفیت ملتی ہے کیونکہ ریاضؔ کی نعت بقول ریاضؔ کچھ اس طرح شروع ہوتی ہے۔

حمدِ خدا سے کرتا ہوں آغاز نعت کا
اپنی زباں کو کیوں نہ اُسی کی زباں کہوں

ریاض غزل کا بھی قد آور شاعر ہے، اس لیے اس کی نعت میں غزل کا مکمل رچاؤ بھی دیدنی ہے۔ وہ مضامینِ غزل کو جب نعت کے سانچے میں ڈھال کو پیش کرتا ہے تو وہاں بھی شستگی اور تقدس کی کیفیت عام دکھائی دیتی ہے۔

یہ روز و شب کی بے تابی یہ لطفِ جاوداں کیا ہے
بجز عشق نبیؐ میری ان آنکھوں سے رواں کیا ہے
یہ کیسا رتجگا ہے میری غزلوں کے شبستاں میں
مرے کشکولِ فن میں یہ غبارِ نقد جاں کیا ہے

میسر ہو جسے اپنے نبی کے نام کی رم جھم
پھر اُس کے واسطے کالی گھٹا کا سائباں کیا ہے

ریاض جدید عہد کا شاعر ہے اس لیے وہ غزل کی ہیئت و اسلوب کو سمجھتے ہوئے اپنے آپ کو اِس کا قیدی بنائے رکھنا ضروری خیال نہیں کرتا بلکہ وہ اپنے اظہار کے لیے آزادنظم میں بھی طبع آزمائی کرتا ہے۔ چنانچہ نعت اُس نے آزادنظم میں بھی کہی ہے اور خوب کہی ہے۔ میں مضمون کی طوالت کے خوف سے ریاضؔ کی نعت کے اس پہلو کے متعلق زیادہ گفتگو تو نہیں کروں گا البتہ اس کی ایک طویل نعتیہ نظم سے ایک اقتباس پیش کرتا ہوں جس میں اس نے انسان کے ہاتھوں انسان پر ہونے والے جبر کی کچھ اس طرح وضاحت کی ہے۔

حضور خوف کا غلبہ ہے اس قدر اب کے
کہ مقتلوں سے کسی کی صدا نہیں آتی
رکھے ہوئے ہیں جنازے ہوا کے کندھوں پر
بجھے بجھے سے جلوسوں میں ماتمی چہرے
میں جس طرف سے بھی توڑوں حصار ظلمت کا
شبِ سیاہ کی دیوار سامنے آ کر
مرے شعورِ سحر سے خراج لیتی ہے
فصیلِ شب پہ جلائے نہیں کسی نے چراغ
لہو کا کھیل ابھی مقتلوں میں جاری ہے
سکون و امن کی اب روشنی نہیں ملتی
''حضورؐ دہر میں آسودگی نہیں ملتی''

ریاض اپنے آقا و مولیٰ کے حضور گلہائے نعت پیش کرنے میں ہمہ تن مصروف ہے۔ اُس کی منزل کیا ہے اس کا تعین تو وقت ہی کرے گا لیکن ریاض کے ایک قاری کی حیثیت میں یہ بات بلاشبہ پورے وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ اس کی نعت جس طرح ارتقائی مراحل طے کرتے ہوئے آگے بڑھ رہی ہے اُس سے یہ اندازہ لگانا قطعاً مبالغہ نہ ہوگا کہ وہ جدید اردو نعت کا ایک ایسا گل سرسبز ہے جس کی بھینی بھینی خوشبو سے اردو ادب کا مشامِ جاں ہمیشہ معطر رہے گا۔

احسان اللہ طاہر

ریاض حسین چودھری کی نعت

زرِ معتبر، رزقِ ثناء اور سلامٌ علیک کے حوالے سے خصوصی مطالعہ

(جناب محمد اقبال نجمی نے اسے ''مفیض نعت تبصرہ نمبر۲'' میں شائع کیا۔)

وہ لوگ جو شعورِ حب نبیﷺ کی دولت کو اس جہان میں عام کر رہے ہیں، لوگوں کو زندگی کی ساعتوں کو درود و سلام کے لیے وقف کرنے کا درس دے رہے ہیں، دل کے دیئے جلا کر عصر نو پہ چھائی اداسی کو رونق بخش رہے ہیں اور دنیا کو ثنائے خیرالانامﷺ کے پھولوں کی خوشبو عطا کر رہے ہیں اُن میں ایک نام اُس فقیر کا بھی ہے جس کو دنیا ریاض حسین چودھری کے نام سے جانتی ہے۔ یہ وہی ریاض ہے جس نے ابھی تک دنیائے نعت کو کشکولِ آرزو، زرِ معتبر، سلامٌ علیک، رزقِ ثنا، تمنائے حضوری اور متاعِ قلم جیسے اعلیٰ پائے کے مجموعے دیئے ہیں۔

ریاض حسین چودھری نے عصر حاضر کے انسان کی روح پر محیط خوف و ہراس کے سایوں کو ختم کرنے کے لیے دربارِ رسالتﷺ سے ردائے امن مانگی ہے اور اس دور کے انسان کے ہر سوال، ہر مشکل اور ہر مسئلے کا حل آپﷺ کی سیرتِ اطہر میں بتایا ہے۔ ریاض حسین چودھری کے یہاں سیرتِ رسولﷺ کو ہر دور اور ہر جہان کا نصاب کہا گیا ہے۔ آپ چونکہ ایک ماہر قانون دان بھی ہیں۔ آپ کے فن میں شہرِ اقبال کا فن بھی بولتا ہے اور ایک لمبے عرصے کا تجربہ بھی، یوں سمجھیے کہ نصف صدی سے آپ پرورش لوح و قلم کر رہے ہیں اور اس فن میں جو انہوں نے کمایا ہے، جو اُن کا سرمایہ ہے، وہ نعت رسول کریمﷺ ہے۔

موصوف نے نعت لکھی ہی نہیں بلکہ نسلِ نو کو نعت لکھنے کے فن سے آشنائی بھی

عطا کی ہے آپ نے نعت لکھنے کے لیے جن تقاضوں اور لوازمات کو پورا کرنا ہوتا ہے اور نعتیہ افکار کو کیسا ہونا چاہیے ان کو بڑی خوبصورتی سے بیان کیا ہے۔ آپ اپنے اساتذہ کرام آغا صادق مرحوم اور آسی ضیائی کا ذکر بھی ہر جگہ کرنا باعثِ فخر خیال کرتے ہیں۔ آپ کی نعت کی پہچان فکر کے علاوہ آپ کا فن بھی ہے کہ آپ نے اپنی تخلیقی قوت سے کچھ ایسی تراکیب اور نعتیہ اصطلاحات فنِ نعت میں متعارف کروائی ہیں جو کہ آپ کے فن کی پہچان ہیں جیسے غلام زادے، بانجھ موسم، ردائے امن، نعت قبیلہ وغیرہ۔ عصر نو کے دھواں دھواں منظر میں کہ جس میں انسان کو انسان کا چہرہ دکھائی نہیں دیتا، اس دورِ نارسائی میں انسان کو جتنی سیرتِ مطہرہ پر عمل پیرا ہونے، اسے پڑھنے، سمجھنے، دلوں میں محسوس بھی کرواتا ہے اور اسے شدت سے بیان بھی کرتا ہے۔ اسے شعورِ حبِ نبیﷺ کہیے کہ خالی نعروں اور غلامی رسولﷺ میں موت بھی قبول ہے، سے آج کے حالات نہیں بدلتے بلکہ آپ نے اس میں ''شعور'' کا اضافہ کرکے اسے جس طرح ہمارے رگ و جاں میں اتارا ہے اسی طرح آپ اس احساس کو معاشرے میں اجتماعی حوالے سے دیکھنا چاہتے ہیں۔ آپ جب اس پہلو سے اپنی نعت میں اپنی فکر کو اوراق کے سپرد کرتے ہیں تو ان میں اپنے دل کا سوزِ دروں اتارتے ہیں، اسی احساس کے چند اشعار ملاحظہ کریں۔

مر کر بھی پڑے رہنا سرکارؐ کی چوکھٹ پر
کیا خوب غلامی کا مفہوم نکالا ہے

شعورِ طوقِ غلامی مرا اثاثہ ہے
ہنر کوئی مرے دامن میں ہے کہاں آقاؐ

بڑی اداسی سی عصرِ نو میں بہار مستی پہ چھا رہی ہے
شعورِ حبِ نبیؐ کی دولت، جہانِ نفرت میں عام کرنا

تفکر کی شاخِ ثمر ڈھونڈتے ہیں
متاعِ یقیں کے گہر ڈھونڈتے ہیں
حضورؐ اپنے ہم بال و پر ڈھونڈتے ہیں
ندامت کے اشکوں سے دامن ہے بھیگا

سلام علیک سلام علیک
سلام علیک سلام علیک

ریاض حسین چودھری نے فکروفن کے جو پھول دنیائے نعت کی کیاریوں میں کھلائے ہیں اُن میں درود و سلام کے پھولوں کی خوشبو نمایاں تر ،بھینی بھینی، دلکش اور دل و جاں کو ہر موسم میں معطر کرنے والی ہے۔ مذکورہ کتابوں (زرِمعتبر، رزقِ ثنا اور سلامٌ علیک) کے انتساب اور ان کے ٹائیٹل اشعار بھی اس بات کی گواہی دے رہے ہیں کہ آپ ہر وقت جن آیات کی تلاوت کرتے ہیں، ہر پل جس خمار میں مست رہتے ہیں، ہر لمحے جس خیال میں زیست کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ مرے بچے بھی ایسے ہی کریں وہ درود و سلام ہے۔ موصوف نے، مرے بچوں اور مرے گھر کا استعارہ بڑے وسیع معنوں میں استعمال کیا ہے کہ ایک عاشق رسول اپنی اور مخصوص خاندان کے لوگوں کی زندگی اور ذات سے آگے بڑھ کر کائناتی حوالے سے سوچتا ہے۔ ان کتابوں سے چند اشعار دیکھیں۔

حشر تک چین سے سو جاؤ، فرشتوں نے کہا
دیکھ کر قبر میں بھی صلِ علیٰ کا موسم

مرے بچوں کو وراثت میں ملے حبِ رسولؐ
یہ اثاثہ بعد میرے بھی تو گھر میں چاہیے

برستی آنکھو! خیال رکھنا بہت ہے نازک فضائے طیبہ
مدینہ آئے تو چپکے چپکے درود پڑھ کر سلام کرنا

اب اگر ان کتابوں کے انتساب کی طرف دھیان کریں تو پھر بھی ہمیں مختلف اور بڑے پیارے حوالوں سے یہی موضوع نظر آئے گا۔ جیسے ''سلامٌ علیک'' کا انتساب اُن ملائکہ کے نام جو درودوں کے گجرے اور سلاموں کی ڈالیاں لے کر صبح و شام گنبدِ خضرا کے جوارِ کرم میں اترتے ہیں اور آقائے محتشمﷺ کے درِ عطا پر حضوری کی سرشاریوں سے ہمکنار ہونے کا شرف عظیم حاصل کرتے ہیں۔ ''زر معتبر'' کا انتساب دیکھیں کہ ''اس کائناتِ رنگ و بو کے خالق و مالک کے نام، جس نے قرآنِ مجید، فرقانِ حمید اپنے محبوب پر نعتِ مسلسل کی صورت میں نازل فرمایا، اسی طرح تیسری کتاب کا انتساب ایک شخص کے نام ہے جو کہ شفاعتِ مصطفیٰﷺ کی طلب رکھتے ہوئے زندگی مکمل کرتا ہے۔ ریاض حسین چودھری کے ہاں مناجات کا اپنا ہی رنگ ہے جس کو ہم اُن کا تخلیقی رنگ بھی کہہ سکتے ہیں۔ وہ نبی کریمﷺ سے اپنے بچوں کے لیے ردائے رحمت، ردائے امن اور نسیم صبح کی دعا کرتے ہیں وہ اِن غلام زادوں کے لیے امن وسکون اور خوشحالی کی دعائیں کرتے ہیں۔ ان مناجات میں ہم دیارِ مدینہ کی مٹی کو اپنے دامن میں لگا محسوس کرنے لگتے ہیں جس سے ہمارے جسم و جاں کے درو دیوار خوشبو میں نہاجاتے ہیں، تذبذب اور وہم و یقین کے درمیان ڈولنے والے خیالات کو پختگی ملنے لگتی ہے، وادیٔ جاں میں لطف و راحت کا منظر اترنے لگتا ہے۔ موصوف نے جدید دور کے تقاضوں اور افکار کو سامنے رکھ کر نعت کو ایک ایسا آہنگ اور رنگ دیا ہے کہ ہمیں ہر شعر پرکھ کر اس کی فکر کے اجالے میں اپنی کہنہ سوچوں کو بدلنا پڑتا ہے۔ نعت لکھنے والوں کو اس نئے اسلوب اور زبان و بیان سے اپنی نعت کو نکھارنا پڑتا ہے کہ اس میں جو بھی دکھ درد بیان ہوا ہے وہ ہمارا اپنا ہے، ہمارے اپنے معاشرے کا ہے۔ اس جدید دور کی تہذیب جو کہ ہم سے ہر انسانی قدر چھیننے کے درپے ہے اس سے گلو خلاصی کے لیے ریاض حسین چودھری نے بڑے درد مندانہ انداز میں

مناجات لکھی ہیں، دیکھئے:

خیمۂ جاں پر دباؤ آندھیوں کا ہے بہت
جو پہنچ جائیں مدینے اُن صداؤں کو سلام

شہرِ گماں میں الجھے ہوئے ہر سوال کا
اے عصرِ نو! ازل سے ہیں حتمی جواب وہ

کھلے ہیں اُس کے نقوشِ پا سے تمدنوں کے گلاب چہرے
کتابِ تشکیک کا مصنف کہاں سے ایسی مثال دے گا

ریاض حسین چودھری نے اپنے فکر وفن کے سارے رنگوں، زاویوں اور خوبصورتیوں کو، فکر کے سارے اجالوں کو، حسنِ مقال اور اسلوب کے جمال کو سیرتِ مصطفیٰؐ سے لیا ہے اور اسے عطائے حبیبؐ خدا کہا ہے۔ اسی عطا کو بیان کرنے کے لیے آپ نہ تو شاعرانہ تعلّی کو استعمال میں لائے ہیں اور نہ ہی اس کو کبھی اپنے لیے کوئی بڑا پن خیال کیا ہے بلکہ اس کو اپنے کریم کی کریمی اور رحیم کی رحیمی لکھتے ہوئے آپ تھکتے ہی نہیں ہیں۔

میں ایک شاعر حروفِ نو سے کشید کرتا رہا ہوں کرنیں
وہ مہرباں مجھ سے بے ہنر کو سخنوری کا کمال دے گا

زادِ سفر ہے نعتِ رسولؐ امم ریاضؔ
بخشش کا میرے پاس وسیلہ بھی ہے یہی

حسانؓ و کعبؓ و جامیؒ و بوصیریؒ و رضاؒ
خوش بخت ہوں کہ میرا قبیلہ بھی ہے یہی

ورق کو ذوقِ جمال دے گا، قلم کو حسنِ مقال دے گا
اُسی کا ذکرِ جمیل شہرِ غزل کی گلیاں اجال دے گا

اسے زوال کا ڈر ہے نہ خوف پت جھڑ کا
بہارِ خلدِ قلم نعتِ مصطفیٰؐ سے ہے

شہرِ سخن میں اسمِ نبیؐ کی ہے چاندنی
ورنہ کمال کیا مرے دستِ ہنر میں ہے

نعت رسولﷺ کیا ہے؟ اس کے تقاضے کیا ہیں؟ اس کا صلہ دنیا و آخرت میں کیا ہے؟ اس کو لکھتے ہوئے اور لکھنے کے بعد نعت نگار کیا محسوس کرتا ہے؟ آپ نے اپنی شاعری میں شاعرانہ انداز سے فلسفیانہ اسلوب میں ایک عاشق صادق کی طرح ان سارے سوالات کا جواب دیا ہے نعت کو دریائے عشق میں غرقابی کا نام دے کر ہر جذبے کی سیرابی کہا ہے۔ تصورات کو شہرِ طیبہ کی گزرگاہوں میں رکھ کر سیرتِ رسول پہ عمل کرتے ہوئے زیست کرنے کو موصوف نے نعت کہا ہے۔ جامِ حب سرورِ کونین پینے کو آپ نے نعت کہا ہے، اس کو کہیں عطائے رحمت پروردگار لکھا ہے تو کہیں وادیٔ شعروسخن کا افتخار اور وادیٔ جاں میں ایک حسیں نغمے کی بازگشت کہا ہے۔ آپ نے نعت کے حوالے سے شاید ہی کوئی روحانی، دنیاوی اور دینی و مذہبی پہلو چھوڑا ہو جس پر کہ نعتیہ افکار کے حوالے سے بات نہ کی ہو۔

دل کے بنجر کھیت میں کرنیں اگا دیتی ہے نعت
نقش باطل کے جبینوں سے مٹا دیتی ہے نعت

رحمت و بخشش کی ارزانی ہے نعتِ مصطفیٰؐ
دیدہ و دل کی ثنا خوانی ہے نعتِ مصطفیٰؐ

نعت کہنے کے لیے دل پاک ہونا چاہیے
غرقِ الفت دیدۂ نمناک ہونا چاہیے

دل کی ہر دھڑکن کہے یا مصطفیٰؐ تو نعت ہو
حکم دے میرے قلم کو جب خدا تو نعت ہو

خطۂ افکار کے اسی جاہ وحشم کو جو کہ آب و تابِ مصحف لوح وقلم ہے ہر صدی کے سر پہ دستار کرم ہے، جس کا دل اسی میں لگ جاتا ہے وہ زندگی کے سارے رازوں کو پالیتا ہے پھر وہ ایک پل بھی اس کے بغیر نہیں گزار سکتا ہے۔ ریاضؔ حسین چودھری کے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی ہوا ہے وہ بھی جو دم غافل سو دم کافر کا نعرہ مستانہ لگاتے ہیں اور اسی رحمت پروردگار کے حصار میں رہنا چاہتے ہیں۔ اپنی زندگی مدحت خیرالبشرﷺ میں ختم ہونے کی دعائیں کرتے ہیں، اپنی پہچان ہی نعت کو بنایا ہوا ہے۔

ریاضؔ جس دن، ریاض جس شب ثنا کے پھولوں سے گھر نہ مہکے
ریاضؔ وہ دن عذاب لکھنا، ریاضؔ وہ شب حرام کرنا

جس شب نہ اُنؐ کا اسمِ منور بنے چراغ
وہ شب مرے نصیب میں یارب کبھی نہ ہو

اُس دن کے بعد صبح کا سورج نہ ہو طلوع
جس دن نزولِ آیت عشقِ نبیؐ نہ ہو

حریم شعر میں تیرےؐ سوا سجتا نہیں کوئی
حدیثِ عشق و مستی کا تو ہی عنوان ہے آقاؐ

سلامٌ علیک ریاض حسین چودھری کی پہلی طویل نعتیہ نظم ہے جس کو انہوں نے اکیسویں صدی کی طویل نعتیہ نظم لکھا ہے۔ اس نظم میں انہوں نے حضور خاتم النبیینﷺ پر درود وسلام پیش کیا ہے۔ آپﷺ کی امت کا سارا احوال لکھا ہے اور آپﷺ کے صدقے اللہ تعالیٰ سے اپنے مسائل کا حل مانگا ہے۔ موصوف چونکہ ایک صاحب دل اور صاحب نظر شاعر ہیں اس لیے دربار رسالت مآبﷺ میں حاضری کے وقت اپنی قوم اور رسول کریمﷺ کی امت کے احوال کو بیان کرنا اپنا فرض خیال کرتے ہیں، اس ذمہ داری کو آپ نے شدت درد اور آنسوؤں کے ساتھ پیش کیا ہے۔

ریاضؔ حسین چودھری نے اپنی نعتوں سے ہماری کشتِ جاں میں فصلِ محبت اگائی ہے جو کہ ہمیں عصرِ نو کے مسائل سے نمٹنے کی جرأت اور ہمت بھی دیتی ہے اور موسم کے بانجھ پن سے بھی بے نیاز کرتی ہے۔ گلستانِ جاں میں ہر لمحے پھول کھلاتی ہے، ان دعاؤں میں موصوف نے جتنے بھی استعارے اور الفاظ استعمال کیے ہیں ان سب کا پس منظر اور جڑیں ہمارے دینی ادب اور اسلامی تاریخ میں پیوست ہیں۔

درود وسلام کے موضوع کے ہر پہلو کو موصوف نے بڑی شدت اور درد دل سے بیان کیا ہے کہ قاری اپنی زبان پر یہ نغمے خود بخود جاری ہوتا ہوا محسوس کرنے لگتا ہے۔ اس کے علاوہ اس موضوع پر امکان بھر سارے پہلوؤں کے حوالوں سے بات کی ہے۔ سلامٌ علیک میں تو ساری بات ہی درود وسلام، احوال امت وقوم، عصر نو کے مسائل انسانیت کے مسائل، تہذیب نو کے اندھیرے اور نسلِ نو کو ان مذکورہ حادثات سے محفوظ رکھنے کی دعائیں ہیں۔

تلاشِ سکوں میں یہ نکلا ہوا ہے
مگر ذات اپنی میں بکھرا ہوا ہے
حضور ابنِ آدم کہ بھٹکا ہوا ہے
ملے ابنِ آدم کو نقش کفِ پا

سلامٌ علیک سلامٌ علیک
سلامٌ علیک سلامٌ علیک

کھلیں پھول صلِ علیٰ کے زباں پر
رقم چاند تارے ہوں چرخِ گماں پر
عطاؤں کی رم جھم گرے کشتِ جاں پر
کہ نوکِ قلم پر بھی پھوٹے یہ نغمہ

سلامٌ علیک سلامٌ علیک
سلامٌ علیک سلامٌ علیک

درودوں سے کریں شام و سحر میں رنگ آمیزی
خدائے لم یزل کا بھی یہی فرمان ہے آقاؐ

ریاض حسین چودھری نے اپنی زندگی کو ثنائے رسولﷺ کے لیے وقف کیا ہوا ہے اور اسی ثنا سے وہ زمانے کے لیے سکون و امن اور آسودگی تلاشنے کا عمل جاری رکھے ہوئے ہیں جس طرح موصوف خود آرزوئے دیدِ حضورﷺ سے موت کو گلفشاں بنائے ہوئے ہیں اور زندگی کو بے نیازِ خزاں کیے بیٹھے ہیں اس طرح آپ کی نعتیں بھی قاری پر ان کے اندر کی اسی سچائی اور صداقت کا اثر چھوڑتی ہوئی گزرتی ہیں۔ آپ کی نعتیں دلِ مردہ میں جان پیدا کردیتی ہیں، بیداریٔ حیات کا سامان پیدا کرکے نورِ یقین عطا کرتی ہیں۔ اس حوالے سے ریاض حسین چودھری نے سیرت رسولﷺ کے نقوش کو یوں ابھارا ہے کہ عصرِ نو کے زنگ آلود افکار کے مالک انسان کی سوچوں میں بھی حرفِ تازہ کا نزول ہونے لگتا ہے۔ آپﷺ کی سیرت اطہر کہ جس نے ہر صدی، ہر زمانے کے انسان کو چہرہ

دیا ہے۔ یہ نعتیں ہمیں اسمِ رحمت کا ورد سکھاتی ہیں جس کے طفیل ہمارے بدن میں کرنیں، نور اور اجالے اترتے ہیں۔ جب موصوف خود اس گریز پا روشنی کو پاتے ہیں تو اسمِ رحمت سے وہی نور، وہی روشنی کشید کرتے ہیں۔

ہوائے طیبہ کے نقشِ پا کو
بنا کے اپنی جبیں کا جھومر
مرے دریچے کی سمت امشب
قدم قدم طشتِ زر اٹھائے
بفیض ذکرِ رسولِ آخرؐ
رواں دواں ہیں

جب ریاضؔ چودھری اپنی نعت میں حضور اکرمﷺ کی سیرت کے مختلف پہلوؤں کو بیان کرتے ہیں تو ہر پیارے لفظ کو اپنے عشق کے نور اور اجالے سے نہال کرتے ہوئے لکھتے ہیں: موصوف سیرت کے بیان اور اس کے پرچار میں آپﷺ کی صفتِ رحمت و کریمی کے پہلو کو زیادہ نمایاں کرتے ہیں۔ آپ کی نعتوں میں طائف کا حوالہ بڑے وسیع معنوں میں استعمال ہوا ہے اور یہی حوالہ آج آپ اپنی قوم کے لوگوں میں راسخ کردینا چاہتے ہیں۔

درگزر کر کے پیمبرؐ نے گنہ گاروں کو
اپنے انوار کی کملی میں چھپا رکھا ہے

ریاضؔ حسین چودھری کی نعت آج کی نعت ہے، آنے والے دور میں نعت نگاروں کے فکروفن کے سفر کی وادیوں اور منزلوں کی سمت متعین کرتی ہوئی وارفتگی و سپردگی کی کیفیات سے نسل نو کو دو چار کرتی ہوئی نعت ہے۔ موصوف نے عشق رسولﷺ سیرت اور شعور حُب رسولﷺ کو معاشرے کے لوگوں میں یوں بانٹا ہے کہ آپ کی نعت اہل درد

کے دلوں کی دھڑکن بنتی جاتی ہے۔ موصوف کی نعت کا یہ سفر جیسے جیسے آگے بڑھتا ہے اس میں عشق کی تڑپ اور بھی بڑھتی ہے اور یہی تڑپ وہ اپنے قاری کے دل میں پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ اس حوالے سے آپ کی نعت عہد حاضر کی کامیاب ترین نعت ہے کہ اس میں ہمارے لیے نور، علم، روانی فن اور ہنر کے سارے دیے روشن ہیں جو ہمارے دل کے دیے کو روشن کرتے چلے جاتے ہیں۔

طارق اسماعیل ساگر

ریاض حسین چودھری کا نعتیہ مجموعہ: رزق ثنا

درِ مصطفیٰ ﷺ پر پلکوں سے دستک

میں آج جس عاشق رسول اللہؐ کا تذکرہ کرنے بیٹھا ہوں۔ انہوں نے عرصہ پہلے نعت کیا ہے؟ کے عنوان سے لکھا تھا:

نعت کیا ہے مدحت خیر البشرؐ خیرالوریٰ
نعت کیا ہے دونوں عالم میں محمدؐ کی ثنا
نعت کیا ہے روح و جاں میں گرمی صل علیٰ
نعت کیا ہے دل کے آئینے میں عکس مصطفیٰؐ
کیا کہوں رعنائیوں کا کون سا انداز ہے
نغمۂ عشق رسول پاکؐ کا آغاز ہے

رزق ثنا کا مطالعہ کرنے کے بعد ریاض حسین چودھری کے بارے میں یقین کامل ہو جاتا ہے کہ ان کا شمار غلامان مصطفیٰؐ میں ہو گیا ہے اور وہ جو کسی نے کہا ہے کہ

محمدؐ کی غلامی ہے سند آزاد ہونے کی

ریاض حسین چودھری صاحب آپ کو یہ غلامی مبارک ہو۔ ہماری شاعری میں یوں تو نعت کی روایت بڑی مضبوط اور توانا رہی ہے۔ اردو شاعری میں تو غیر مسلم شعرا نے بھی اس روایت کو اختیار کیا۔ نعت شاعری کی شاید وہ واحد صنف ہے جس میں مبالغہ آرائی کی گنجائش نہیں اور ایک مسلمان کی حیثیت سے میرا ایمان یہ بھی ہے کہ نعت لکھی نہیں جاتی،

عطا ہوتی ہے کیونکہ جس ذات والا صفاتؐ کی تعریف میں اللہ تعالیٰ رطب اللسان ہو اس کی مدح و ثنا کوئی بندہ کرے بھی تو کیسے، بس توفیق خداوندی ہے اور یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا۔ نعت نگاری تلوار کی دھار پر چلنے کے مصداق ہے ۔ حد ادب لازم ہے۔ اس صورت احوال کو کیا خوب بیان کیا ہے۔

ادب گاہیست زیر آسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید ایں جا

نعت نگار اگر بڑھتا ہے تو الوہیت تک جا پہنچتا ہے کمی کرتا ہے تو تنقیص ہوتی ہے۔ افراط وتفریط ہوئی تو عظمتِ شانِ رسالتؐ میں گستاخی کا مرتکب ٹھہرا اور اس بارگاہ عرش پناہ میں معمولی سی بھی بے ادبی ہوجائے تو زندگی کی جملہ عبادتیں بے اثر اور بیکار جاتی ہیں۔

نعت درِ مصطفیؐ پر پلکوں سے دستک دینے کا عمل ہے۔ مدح رسولؐ میں لکھا ہر لفظ تاریخ میں سرخرو روایتوں کا امین ہوتا ہے۔ مسافت شعر میں یہ وہ صراط مستقیم ہے کہ جہاں قدم قدم سر کے بل چلتے ہوئے عقیدت مند جذبے ایک والہانہ وارفتگی کے ساتھ عشقِ صادق کی روایتوں سے سرشار ہوتے ہیں۔ ثنائے مصطفیؐ سمعی بصارتوں کو، بصیرتوں کو، ثروتوں سے مالا مال کردیتی ہے۔ رحمتوں کے سارے ابواب کھل جاتے ہیں۔ سرفرازیاں مقدر ہوجاتی ہیں۔ عشق تو خود امرت ہے اور جب مقصود کائنات وجہ تخلیق عالم سے دلی وابستگی کا اعزاز بھی مقدر ہوجائے تو کامرانیاں اور شادمانیاں قدم بوسی کو کیوں نہ آئیں؟ جدید اردو نعت گوئی کا ذکر ریاض حسین چودھری کے بغیر کبھی مکمل نہیں ہو پائے گا۔ آپ نے نہ صرف جدید نعت میں افکار تازہ کی نمود کے کئی در وا کئے ہیں بلکہ مضامین نعت کو شعور عصر سے ہم آہنگ بھی کیا ہے۔ یہ ایسا اجتہادی کارنامہ ہے جو لمحہ موجود میں نہیں، آنے والے دور میں بھی تشکیک و ابہام کی گرد آلود فضا میں مینارہ نور ثابت ہوگا۔

ریاض حسین چودھری کا پہلا مجموعہ نعت ''زرِ معتبر'' جدید نعت کا معتبر حوالہ تھا اور ''رزق ثنا'' میں شامل نعتیہ کلام کا تنوع ہیئت تک ہی محدود نہیں بلکہ شاعری کی سوچ کے ہر زاویئے پر محیط دکھائی دیتا ہے۔

حضورؐ طائرِ دل، دامِ خار و خس میں ہے
متاعِ صبر و رضا حجلہ قفس میں ہے
فصیل شام و سحر پر چراغ جلتے ہیں
یہ کس کا اسمِ منور نفس نفس میں ہے

نعت میں ایسے اشعار مالکِ ارض و سما کی خصوصی عطا ہی ہوسکتی ہے۔ کچھ اشعار ملاحظہ فرمائیں:

ملے غریب پرندوں کو عافیت کی نوید
لرز رہا ہے سرِ شاخ، آشیاں آقاؐ
کبھی تو آنگن کے پیڑ اپنے بدن پہ اوڑھیں گلاب موسم
دیارِ ہجر و الم میں اترے کبھی تو شامِ وصال، آقاؐ
اب کربلائے عصر میں خیمے بھی جل چکے
صحرائے شب میں بے سرو ساماں ہوں، یارسولؐ

میں ریاض حسین چودھری کی ''رزق ثنا'' پر اپنی یہ تحریر حضرت ضیاالامت کی اس دعا کے ساتھ ختم کرتا ہوں۔

''الٰہی جو شان جو فضل و کمال جو حسن و جمال جو صوری محاسن اور معنوی خوبیاں تو نے اپنے حبیب مکرم ﷺ کو عطا فرمائی ہیں۔ ان کا صحیح عرفان اور پہچان بھی نصیب فرمادے اور ان کو اس طرح بیان کرنے کی توفیق مرحمت فرما

جس کے مطالعہ سے تاریک دل روشن ہوجائیں۔ مردہ روحیں زندہ ہوجائیں، ذوق وشوق کی دنیا آباد ہوجائے، جہاں غفلت کی تاریکیاں پھیلی ہوئی ہیں وہاں تیرے ذکر پاک اور تیرے محبوب مکرمؐ کی مبارک یاد کی قندیلیں فروزاں ہوجائیں۔'' آمین ثم آمین

رزق ثنا اس دعا کی قبولیت کی وہبی تصویر ہے۔

بشیر حسین ناظم

4 جون 2010

غزل کاسہ بکف : تعارف

آج سے 25 برس پہلے میں نے ایک نوجوانِ رعنا کو قریۂ اقبالؒ سیالکوٹ میں دیکھا۔ حضرت علامہ مولانا عبد الجبار شیخ نے سیالکوٹ کے معروف قلعے کے ایک گوشے میں کتبِ سیرت کی لائقِ تحسین نمایش کا انتظام کیا ہوا تھا۔ یہ نوجوانِ رعنا کانفرنس ہال میں میرے ساتھ والی صندلی پر آ کر براجمان ہو گیا۔ میرا اس سے تعارف نہیں تھا۔ جلسے کے بعد تعارف ہوا تو پتہ چلا کہ یہ پیکرِ عشقِ رسول ﷺ معروف نعت گو شاعر ہے اور علمی لحاظ سے ماشاء اللہ بہت ہی بڑا دانشور اور نقاد ہے اور اس کا نام ریاض حسین چودھری ہے۔ اس سے مل کر میرے دل و جان میں سرور و انبساط کی لہر دوڑ گئی۔ جب مجھے معلوم ہوا کہ ریاض حسین چودھری کی عزیز داری محبانِ رسول ﷺ اور عاشقانِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور حبدارانِ آلِ اطہار علیہم السلام حضرت الحاج غلام حیدر مرحوم ومغفور، حضرت غلام احمد اور حاجی محمد شفیع سے ہے تو میرے دل میں ریاض حسین چودھری کی محبت اور زیادہ بہجت افزا ہوئی۔

میں نے چودھری صاحب سے عرض کی: چودھری صاحب آپ کو مبارک ہو کہ آپ کی عزیز داری ان حضرات سے ہے جن کے اسمائے گرامی لوحِ محفوظ پر عشاقِ مصطفیٰ ﷺ کی فہرست میں محرر ہیں اور ان کے قلوب و اذہان پر تجلیاتِ ربانی کا نزول ہوتا رہتا ہے۔ وہ منعوتِ خدا ﷺ ہیں اور ہر سال نہایت طمطراق سے زرِ کثیر و خطیر خرچ کر کے ممدوحِ ذوالجلال ومحمودِ خلائق کا میلاد منعقد کرتے ہیں۔

ریاض حسین چودھری سے میری زبردست شناسائی ہوئی جو بعد ازاں اسلامی اخوت میں بدل گئی۔ میں کئی سال سیالکوٹ میں شیخ عبدالجبار صاحب کی دعوتِ خصوصی عید میلادالنبی ﷺ کانفرنس میں شریک ہو کر ریاض حسین چودھری کی میزبانی میں ماکولات و مشروبات اور دیگر لذیذ آذوقات سے متمتع ہوتا رہتا۔

دراوقاف میں نے دیکھا کہ یہ درویش خدا مست اس عالمِ رنگ و بو میں بقلب صمیم وعدۂ بلیٰ نبھا رہا ہے۔ اور اس کی عبدیت اس کی نس نس میں عود وعنبر کی طرح مشک فشاں ہے۔ اس کا قلب مصفّٰی ہے اور روح خوشبوئے گلہائے بوستانِ محبتِ رسول سے معطر ہے۔ اس کے روح و جاں میں مودّتِ آلِ اطہار انوار ریز ہے۔ وہ حضور اکرم ﷺ کا ذکر جمیل کرتا ہے تو اس کی آنکھیں بھیگ جاتی ہیں۔ رگ رگ میں خوشگوار انجذ ابی اضطراب ہے اور وہ مقرونین سیالکوٹ میں نہایتِ مواجہہ شریف میں اپنے آقا ﷺ کی حاضریاں بھر رہا ہے۔ گویا در دوری ہے مگر صاحبِ حضوری ہے۔ اسے فطرت نے گداز دل سے نواز رکھا ہے اور رقتیں اس کے قلب و روح میں لطافتیں پیدا کر رہی ہیں۔

ریاض حسین چودھری صاحبِ دیدۂ بیدار ہے، کشتۂ عشقِ سیدِ ابرار ﷺ ہے، شرابِ مدح وستایشِ محبوبِ خدا سے سرشار ہے، عبدِ پُر ایثار ہے، اسی لئے عرب وعجم میں نامدار اور مقاصد میں کامگار ہے۔ ایک عالم نودعی اور المنی ہونے کے ناطے اس کی قوت واہمہ (Imaginative Power) اس قدر سرعت گیر ہے کہ وہ عالمِ ناسُوت میں بیٹھ کر عالمِ لاہوت سے نکات نادرہ حاصل کر کے عطارد کے سینے سے مقطر کر کے عرش سے فرش پر لے آتا ہے اور اس محنت وسعی کے بعد اپنے قارئین و سامعین کے لئے سامانِ کیف و سرور پیدا کرتا ہے۔

ریاض حسین چودھری کو مبداء فیاض سے دولتِ گداز اور ثروتِ رقت عطا ہوئی ہے۔ جس نے ان کی تطہیرِ فکر اور تنویرِ روح کا سامان کر دیا ہوا ہے۔ بس یہی تطہیرِ فکر اور تنویرِ روح اس کے شبدیز و رخش ہیں جن پر سوار ہو کر وہ انفس و آفاق کی سیر کرتا ہے اور نعت کیلئے منتخب الفاظ اور منتخب تراکیب کی مشایعت میں گوشۂ تنہائی میں بیٹھ کر نعتِ رسول کی برکت سے ان کی تلوین و تزئین و تمکین کرتا ہے۔

فی زمانہ ریاض حسین چودھری وہ عبدِ رسول اور چاکرِ بتول ہے جس کا سینۂ بے کینہ مضامین و موضوعاتِ نعت کا گنجینہ بن چکا ہے جن کو وہ صفحات اوراق کی زینت بناتا رہتا ہے۔ دلکش اشعارِ حمد و نعت اس کی کلک وقلم کا رزق بنتے رہتے ہیں۔ پس اس کو رزق ثناء بھی وافر مقدار میں میسر ہے اور زرِ معتبر سے بھی اس کا دامن مملوٗ ہے۔

ریاض حسین چودھری کا یہ بہت بڑا اعزاز ہے کہ طویل نعتیہ نظمیں لکھنے میں یدِ طولیٰ رکھتے ہیں۔ قارئین کرام کی روحانی تواضع ایسے دلکش انداز میں کرتے ہیں کہ ہر قاری ان کا ہی ہو کر رہ جاتا ہے۔ ان کی ان نظموں میں سیرتِ رسول ﷺ کے وہ حسین و جمیل واقعات ہیں جنہیں پڑھ کر قاری عمل کی دلکشا وادی میں آ جاتا ہے اور اُسوۂ رسول ﷺ کی شعشہ دانیوں میں قاری حیاتِ مستعار کے لمحات گزار کر اپنے خالق و مالک اور منعوتِ کونین کی ملاذ و پناہ میں آ جاتا ہے۔ یہ سب تاثیرِ شعر کا کمال ہے۔

ریاض حسین چودھری جو کچھ بھی لکھتا ہے، عشقِ مصطفیٰ ﷺ کے حصار میں بیٹھ کر لکھتا ہے۔ علمائے امت نے لکھا ہے کہ عشق، حُبّ کی زبردست تفسیر ہے اور عشق وہ قوت تعمل ہے جس سے انسان اپنی منزلِ مقصود پر بغیر عملِ تعسیر کے پہنچ جاتا ہے۔ یعنی ایک عاشقِ رسول اور محبِّ ذوالجلال اپنی زیست زمانِ منقسم سے نکل کر زمانِ حقیقی میں رہ کر

گزارنے لگتا ہے۔ اس کے فکر کے ابواب اس طرح وا ہوتے ہیں کہ اس کا دل جامِ جہاں نما بن جاتا ہے۔ اسے ہر طرف تجلیات کے چہرے نظر آتے ہیں جن پر نعت گوئی کے قرینے تحریر ہوتے ہیں۔ ریاض حسین چودھری مقناطیسی نوری عینک سے دیکھتا ہے پھر دل میں جذب کر لیتا ہے اور ان کی برکات، حضور ﷺ کے لطف و کرم اور اللہ تعالیٰ کی توفیقات سے معیاری نعت کہتا ہے اور ملاءِ اعلیٰ سے یہ تحسینی مصرع اپنے کانوں سے سنتا ہے:

ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند

لیکن چونکہ وہ ڈاکٹر ریاض مجید، حافظ لدھیانویؒ، حفیظ تائبؒ، پیر نصیر الدین نصیرؒ کا جلیس ہے، اس لئے یہ تحسینی مصرع سن کر بھی حضرت العلام فقیر اللہ عصرہٗ، عالمِ نبیلِ وقت، شاعرِ نعت زمانی، صوفیِ اعظمِ دوراں عالیجناب حافظ محمد افضل فقیر رحمۃ اللہ علیہ کا ردیف بن کر اُن کا ایک شعر لب کی زینت بنا لیتا ہے:

کیا فکر کی جولانی کیا عرضِ ہنر مندی
توصیفِ پیمبر ﷺ ہے توفیقِ خداوندی

اس عجز و انکسار کے اظہار پر کارکنانِ قضاو قدر ریاض حسین چودھری کی تعریف و توصیف کے بعد اس کی ہر کام میں تسہیل کی دعا کرتے ہیں جس سے وہ اپنے قلب و روح میں تسکین و تبرید محسوس کرتا ہے جو بلاشبہ ایک روحانی درجہ و منزل ہے۔ اس منزل کے حصول کے لئے ایک عاشقِ رسول کثرت سے وردِ درودِ پاک سے کام لیتا ہے۔ میرے فہم کے مطابق صلوٰۃ و سلام ایک ایسا پاکیزہ و منزہ صافی ہے جو قلب کے نہاں خانوں کو منور کر دیتا ہے۔ بس جس کو دلِ روشن اور قلبِ بینا مل گیا اس کی قدر و قیمت صرف ملیک

المقتدر ہی کو معلوم ہے یا عالمِ ما کان و ما یکون ﷺ کو۔

قارئین کرام! آپ کو معلوم ہو گیا ہوگا کہ ریاض حسین چودھری کی ذیل و کسیہ میں کیا کیا نعمتیں ہیں اور سب سے بڑی نعمت درود خوانی ہے۔

صلوٰۃ و سلام کے فوائد میرے خیال میں آفاق میں نہیں سما سکتے۔ ان فوائد کو کبھی نجومِ عرش دیکھتے ہیں، کبھی بدُورِ فلک دیکھتے ہیں اور کبھی شموس و کہکشاں دیکھتے ہیں اور زبانِ حال سے کہتے ہیں اہلِ اسلام، اہلِ ایقان اور اہلِ ایمان کیا خوش طالع ہیں جنہیں قسامِ ازل نے یہ فوائد عطا کئے ہیں۔ پیارے قارئین! ان حضرات میں ریاض حسین چودھری بھی شامل ہے۔ الشکر للہ والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسول اللہ۔

زیرِ نظر مجموعہ نعت المسمّٰی ''غزل کاسہ بکف'' دراصل ریاض حسین چودھری کے بقول غزل کی ہیئت میں نعتِ مصطفیٰ ﷺ پر مشتمل ہے جس کی تفصیل انہوں نے اپنے ایک خط میں اس طرح بتائی ہے:

''غزل کاسہ بکف'' کی پہلی نعت چارسو اشعار پر مشتمل ہے۔

ہشت نعتیہ میں آٹھ نعتیں ہیں اور ہر نعت پچاس اشعار پر محیط ہے۔

اس کے بعد چہار نعتیہ، سہ نعتیہ، دو نعتیہ اور مزید چند ایک نعتیں شامل ہیں۔

ریاض حسین چودھری نے ''غزل کاسہ بکف'' کا آغاز حمدِ ذوالجلال سے کیا ہے جس کا عنوان ''یا قادرِ مطلق'' ہے۔ اس حمد کا پہلا شعر ہی عباد الرحمٰن کے قلوب اچک لیتا ہے۔ وہ کہتے ہیں:

مرے خدا کبھی سوکھے نہ میرے نطق کی جھیل
زمینِ تشنہ پہ جاری ہو پانیوں کی سبیل

اس حمدیہ شعر پر ہزار ہا تحسینات قربان۔ اسی حمد کے چند اور اشعار ملاحظہ فرمائیں:

مرے حضورؐ کا ارشاد ہے، خدا ہے ایک
نہ میرے پاس ہے حجت نہ میرے پاس دلیل

مرے خدا تری توصیف ہی سے شام و سحر
مری زبان پہ جاری ہے تیرا ذکرِ جمیل

جوارِ شہرِ قلم میں ہے نکہتوں کا ہجوم
ورق ورق پہ ہے تفہیمِ آرزوئے خلیل

مکہ معظّمہ میں لکھی گئی اس حمد کے لئے لفظوں کا انتخاب دلربا ہے۔

حمد کے بعد ہشت نعتیہ کا آغاز ہوتا ہے۔ اس کے چارسو اشعار میں ریاض حسین چودھری کی علمی وجاہت، لوذعیت، قرآن فہمی، سیرت پاک کا فہم، اسرار و غوامضِ شعر و شاعری، عمدہ و دلکشاء کلام الشعراء سے استفادہ، اور سرورِ عالم ﷺ کے حضور عَرضِ احوال لمعان پاشیاں کر رہے ہیں۔ ریاض حسین چودھری کو تین توفیقات ارزانی ہوئی ہیں، ملاحظہ ہوں:

برستی رہتی ہیں ساون کے بادلوں کی طرح
حضور میری بھی آنکھیں مرے بڑوں کی طرح

فضائے نعت میں اڑتے ہوئے نہیں تھکتا
مرا قلم بھی ہے جبریل کے پروں کی طرح

ہزار تختیاں لکھی ہیں یا نبیؐ جن پر
حروفِ نعتِ مسلسل ہیں مشعلوں کی طرح

آج کا دور فتنہ سامانیوں، دسیسہ کاریوں، مختلف سیاسی و روحانی بیماریوں کا دور ہے اور دشمنانِ اسلام اور اعدائے دینِ مبین ملتِ اسلامیہ پر اس طرح چڑھ دوڑے ہیں جیسے خوانِ یغما پر بھوکے جانور۔ مسلمانانِ عالم کثرت میں ہونے کے باوجود وہن میں مبتلا ہو چکے ہیں۔ ان کی غیرت وحمیت کو ہر طرف للکارا جا رہا ہے۔ ان پر اعداء کا خوف اور کراہیت موت طاری ہے۔ ان میں اتحاد و اتفاق کی کوئی چیز نہیں رہی۔ وہ یہود و ہنود کے آلہ کار بنے ہوئے ہیں۔ اپنی دولت کو ان کے بینکوں میں جمع کرا کے ان کی معیشت کو مستحکم ومضبوط تر بنا رہے ہیں۔ جن ایمانیات، اخلاقیات اور معاملات نے ان کو جہان بھر میں معزز و مؤقر اور صاحبِ اقتدار بنایا ہے انہیں بھول گئے ہیں اور از سرِنو رسومِ قبیحہ پر کار بند ہوتے جا رہے ہیں۔ اس صورت میں ریاض حسین چودھری کا دل کڑھتا ہے اور وہ قلبِ بریاں لے کر بارگاہِ رسالتمآب ﷺ میں ایک مستغیث کی صورت میں استمداد کے لئے حاضر ہوتے ہیں اور الطاف حسین حالی اور حکیم الامت علامہ اقبال کے ہم نوا ہو کر اپنے الفاظ میں استغاثہ پیش کرتے ہیں!

عطا ہو آج بھی انساں کو ضبط کی چادر
حضورؐ عہدِ منور کے ضابطوں کی طرح

حضورؐ تیز ہوائیں اڑائے پھرتی ہیں
بدن کی خاک کو چڑیوں کے گھونسلوں کی طرح

حضورؐ شامِ حوادث میں اشک لگتے ہیں
زمیں پہ پھیلے ہوئے ان گنت دکھوں کی طرح

حضورؐ مجھ کو رہائی نصیب ہو جائے
کھڑا ہوں کب سے کٹہرے میں ضامنوں کی طرح

قدم قدم پہ مناظر ہیں خودکشی کے بہت
حضورؐ، امتی نیزوں پہ ہیں سروں کی طرح

کتابِ شامِ تشدد حضورؐ کیا کھولوں
ورق ہیں جنتِ ارضی کی وادیوں کی طرح

ہوائے دشت مجھے لے چلی ہے مقتل میں
بچھڑ گیا ہوں میں موجوں سے ساحلوں کی طرح

حضورؐ ، امتِ سرکش کے ماتمی چہرے
پڑے ہیں بند مکانوں میں تعزیوں کی طرح

ریاض حسین چودھری کا یہ استغاثہ قلبِ مضطر سے چل کر اشکہائے رواں پر ختم ہوتا ہے جس میں وہ مسلمانانِ عالم کی بے حسی کا ذکر کرنے کے بعد ان کی باہمی ناچاقیوں اور عداوتوں کا رونا روتا ہے جسے سن کر ہر صاحبِ دل اور محبِّ اسلام گریہ والحاح کی نذر ہو جاتا ہے۔ المختصر ''غزل کاسہ بکف'' مسلمانانِ عالم کی سیاسی، معاشرتی اور تمدنی زبوں حالی پر نوحۂ دل گداز ہے جسے اس نے ایک اشد ضرورت کے تحت لکھا ہے۔ اللہ کرے یہ استغاثہ

بارگاہِ سید عالم پناہ ﷺ میں قبول ہو اور اس پر غور و خوض کے بعد اہلِ اسلام **واعتصموا بحبل اللہ جمیعاً** کے امر واجب الاذعان پر عمل پیرا ہوں۔ وہ از سرِ نو اپنے آپ کو سلکِ اتحاد میں پروئیں اور **انتم الاعلون** کا مژدۂ جاں فزا سنیں۔

میری دعا ہے کہ ریاض حسین چودھری کی یہ کاوش عرش و فرش میں پذیرائی پائے اور مسلمانانِ عالم اسے پڑھیں۔ ان کی غیرت وحمیت جاگے اور وہ حماسۂ حسینی پر عمل کر کے اسلام کی شوکت و سطوت کو بحال کریں۔

ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد

شیخ عبدالعزیز دباغ

اگلی صدی کی نعت

ریاض حسین چودھری جہانِ نعت نگاری کا ایک بزرگ و برتر نام ہے جنہوں نے تسکینِ جاں کے لئے تخلیقِ نعت کے عمل میں اَن گنت تجربے کئے ہیں مگر ان کے ہر تجربے کی بعثت اُس وارفتگی سے ہوتی ہے جس میں ریاض کا وجود روزِ ازل سے گندھا ہوا ہے اور جو ریاض کے بس کی بات نہیں۔نعت اُن کا 'حال' ہے جو اُن کے ازل سے ابد تک کے احوال پر محیط ہے۔ اپنے اس 'حال' میں بیتابیٔ جاں کے ہاتھوں وہ اس وقت تک لکھتے رہتے ہیں جب تک نعت ان کے نفسِ تخلیق میں اپنا پہلو نہیں بدلتی۔یہی وجہ ہے کہ وہ زود گو ہیں، دونعتیہ، سہ نعتیہ اور چہار نعتیہ لکھنے لگتے ہیں۔' تمنائے حضوری' اور' طلوعِ فجر' جیسی طویل نعت لکھتے ہیں اور اگلے ہی لمحے ان کا جذبۂ نعت پھر سے بحرِ موّاج بن کر بے کراں ہونے لگتا ہے۔

اس 'حال' میں رہتے رہتے ان کے شعری عوامل سریرِ خامہ بن کر مقامِ قرطاس پر محوِ رقص ہو جاتے ہیں۔ الفاظ جیسے خود اپنی اپنی جگہ لینے لگیں۔تشبیہات، استعارے، کنائے ، علامتیں اور رعایتیں از خود اپنی شعری ساخت میں ڈھلنے لگیں۔ جیسے سحر پھوٹے، گلشنِ کلام میں صبائے تخیل کا خرام جادو جگانے لگے اور یوں ریاض کی نعت کی شعر ندی اُس وقت تک اپنی جولانیوں کے ساتھ بہتی رہے جب تک کہ ان کے نفسِ تخلیق میں ان کی نعت خود قلبِ ہیئت کا فیصلہ نہ کرلے۔ پھر اگلے ہی لمحے ترشّحاتِ نعت کا یہ سیلان ریاض کے ساتھ کسی اور تجربۂ تخلیق میں محوِ ستایش ہو جائے۔اس طرح جب نعت خود اپنا بدن ٹٹول کر ریاض کی بیاض بن جائے تو یہ پھر اُن پر منحصر ہے کہ وہ اِسے کیا نام دیں: زرِ معتبر،

رزقِ ثنا، خلدِ سخن، آبروئے ما، زمزمِ عشق یا کچھ اور!

ریاض کی نعت بزبانِ اقبال ریاض سے کہتی رہتی ہے:

سیلم مرا بکوئے تنک مایۂ مپیچ
جولانگہے بوادی و کوہ و کمر بدہ

کہ میں تو ایک سیلاب ہوں، تنگنائے روایت میں سمٹا نہیں رہ سکتا۔ مجھے تو اپنے قدرتی بہاؤ کے ساتھ بہنے کے لئے وادیوں اور میدانوں کی پہنائیاں درکار ہیں اور مجھے ایسی ہی جولانگاہ کی ضرورت ہے جو میری طوفان سامانیوں کے لئے اپنی وسعتیں بچھا دے۔

پیرایہ غزل، قطعہ، رباعی، ثلاثی، فردیات، پابند نظم، آزاد نظم یا نظم معرّیٰ، ریاض کی نعت کا ولولہ کسی طور حسرتِ اظہار کی کیفیت سے باہر نہیں آنے پاتا۔ نعت کو اپنی روح میں محسوس کرتے ہوئے وہ خود کہتے ہیں؛

نعت کیا ہے، عشق کے ساگر میں غرقابی کا نام
نعت کیا ہے، میرے ہر جذبے کی سیرابی کا نام
نعت کیا ہے ہجر میں سانسوں کی بے تابی کا نام
نعت کیا ہے ، گنبدِ خضریٰ کی شادابی کا نام

نعت ہے بے آب صحراؤں میں پانی کی سبیل
نعت ہے اسمِ محمدؐ ہی کا اک عکسِ جمیل

پروفیسر محمد اکرم رضا نے ریاض کی تخلیقِ نعت پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے لکھا

ہے:

''شاعرِ خلدِ سخن کو رب کریم نے محبوب علیہ الصلوٰۃ و السلام کی ثنا گوئی کے لئے جہاں ہر دور میں ڈھل کر جدت طرازی کا سلیقہ وافر عطا کیا ہے، وہاں یہ امر خاص طور پر قابلِ تحسین ہے کہ جدت ادا اور رفعتِ زبان و بیاں کا کوئی سا پیرایہ اختیار کرتے ہوئے بھی انہوں نے ان مخصوص نظریاتی اور روحانی تقاضوں کو فراموش نہیں کیا جن سے نعت عبارت ہوتی ہے۔تشبیہات، استعارات، اور تراکیب میں جدت بیاں اپنی جگہ مگر ریاض حسین چودھری کے ہاں نعت کے حوالے سے وہی سوز و گداز، ادب و احتیاط، والہانہ پن، خود سپردگی، عجز و نیاز مندی اور نامِ رسول ﷺ پر مر مٹنے کے جذبات پوری شان کے ساتھ ملتے ہیں جو اوائل سفرِ نعت ہی سے ان کی نعت کا امتیاز رہے ہیں۔ ان کے والہانہ پن کے انداز بے اختیار پڑھنے والوں کی آنکھوں کو عقیدت کا نم عطا کرتے ہیں۔''

در اصل ریاض جو نعت لکھنا چاہتے ہیں وہ ابھی تک لکھ نہیں پا رہے۔ وہ لکھتے چلے جا رہے ہیں مگر ''تسکیں کو ہم نہ روئیں جو ذوقِ نظر ملے'' کے مصداق ابھی تک انہیں نعت کا ذوقِ نظر نہیں ملا۔ اِسی کاوش میں وہ میسر اصنافِ شعر سے آگے نئے شعری تجربات کرتے چلے جا رہے ہیں کہ شائد انہیں ''ذوقِ نظر'' مل جائے۔اور اب انہوں نے نعتِ معرّیٰ کا انتخاب کیا ہے اور یہ کیفیت انہیں وقت کی حدود سے نکال کر آگے لے گئی ہے۔ وہ ہمارے زمانے میں رہتے ہیں مگر نعت آنے والے وقت میں بیٹھ کر لکھ رہے ہیں۔

ریاض کا تازہ نعتیہ مجموعہ ''دبستانِ نو'' نعتِ معرّیٰ کا ایسا فن پارہ ہے جس کا تجربہ نعتیہ ادب میں ابھی تک کوئی نہیں کر سکا۔ پیرایہ اظہار ریاض کے ہاں وہ چار گرہ کپڑا ہے جس کی قسمت میں عاشق کا گریباں ہونا ہے۔ ریاض کے اس مجموعۂ نعت میں عوامل

نعت نگاری کے تنوع اور وفور کی بدولت ان کے عملِ تخلیق کا دریا حسنِ شعریت کی جملہ رعنائیوں کے ساتھ اچھل کر سمندر ہو گیا ہے۔جس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ ریاض کا شعورِ نعت آج سے ایک صدی بعد کی ہیئتِ نعت کا عرفان حاصل کر چکا ہے۔ اس طرح دبستانِ نو اگلی صدی کی نعت کی ہیئتِ ترکیبی کے خد و خال لئے ہوئے ہے۔ ہیئتِ نعت کی اس صدسالہ پیش بینی کی دوسری دلیل یہ بھی ہے کہ امت پر انتشاروافتراق کی عتاب ناکیاں جو آج ہیں کل نہ تھیں جبکہ آنے والے وقت میں طوفانِ بلا کی بے کرانیاں حدِ ادراک سے ماورا نظر آتی ہیں ۔ اس سے شعورِ نعت اور اس کے وسائلِ اظہار کی پہنائیاں بھی اسی قدر تصور و تخیل سے دور آ گے نکل گئی ہیں۔ لمبے اور کٹھن سفر میں اضافی زادِ راہ گرا دیا جاتا ہے، ورنہ سفر کی رفتار مدھم اور منزل دور ہو جاتی ہے۔ معرّیٰ کا مفہوم بھی اضافی بوجھ گرانے اور کلام کو ردیف و قافیہ ار دیگر شعری پابندیوں سے آزاد رکھنے کا ہے ۔مگر ریاض نے ہمیں وہ ''دبستانِ نو'' دیا ہے جس میں معرّیٰ ہی سہی، رعنائی اظہار کا اہتمام ترک نہیں کیا جا سکتا۔اس طرح ان کی ''دبستانِ نو'' اس صدی کی آخری دہائی کی خوبصورت نعت ہے جو کل کے نعت گو کا فنی سرمایہ ہے ۔

ایک خستہ حال اور دل شکستہ امتی کیونکر بھی اپنے کریم آقاؐ کی بارگاہِ بے کس پناہ میں اپنی وارداتِ غم ، معاملاتِ ہجر و وصل، سنگینیٔ حیات کے دوہے اور غمِ امت کے آثارِ اظہار پیش نہیں کرے گا۔ وارداتِ نعت اور غمِ امت کا یہی وفورِ بیان ریاض کا ''دبستانِ نو'' بھی ہے جو اپنے دامن میں درد، کسک، خلش، کیفیتِ الم، خدشات و خطرات اور خوف و حزن امان الخائفینؐ کے حضور التجائے رحم و کرم لئے ہوئے ہے۔یہی نعت اس صدی کی آنے والی دہائیوں پر محیط ہے ۔

ریاض حسین چودھری جہانِ نعت کا ایک ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر ہیں۔'' دبستانِ

نو'' اُن کا تیرھواں نعتیہ مجموعہ ہے جبکہ کم وبیش مزید دس مجموعے طباعت و اشاعت کے منتظر ہیں۔ ایک اندازے کے مطابق وہ اب تک کوئی تیس ہزار سے زیادہ مطبوعہ نعتیہ اشعار کہہ چکے ہیں جبکہ ان کی نعت گوئی کا سمندر ہے کہ بپھرا چلا جا رہا ہے۔ ریاض کا قلم ایک سپہ سالار کی طرح حرف و معانی، تشبیہات، استعارات، علامات و محاکات کو میدانِ اظہار میں صف در صف اپنی اپنی جگہ پر تعینات کرتا چلا جاتا ہے جہاں وہ قدسیانِ درود مست کے ساتھ نغمۂ ستایش گنگنانے لگتے ہیں۔ اُن کے ہاں طرزِ اظہار اور انتخابِ پیرایہ و اصناف ایک لاشعوری عمل ہے جو خود بخود متشکل ہوتا ہے اور اُن کا وجدان ہی اس کی وسعت و رفعت کا تعین کرتا ہے۔ ریاض کی نعت وارداتِ توصیف و حیات، شدتِ غم رسولؐ، غم امت، وفورِ شوق ، اظہار کی طوفان سامانیاں ، ندرت فکر و نظر ، تازگی، شگفتگی، اور جدت و وھبیت سے مزّین وہ غلافِ جذبۂ و خیال ہے جو کعبۂ شوق پر آویزاں ہے کہ جس کا طواف ان کی زندگی کے آخری سانس تک بھی ختم ہوتا نظر نہیں آتا۔

ڈاکٹر شہزاد احمد

20 نومبر 2017

ریاض حسین چودھری اپنی نعت اور نعتیہ کُتب کے آئینے میں

اجمالی تعارف، خدمات و انتخاب

جدید اُردو نعت کا جب بھی تذکرہ ہوگا۔ریاض حسین چودھری کے نام کو بھی اوّلیت حاصل رہے گی۔ موصوف کا شمار عہدِ جدید کے معروف اور قابلِ ذکر نعت نگاروں میں ہوتا ہے۔ ان کی نعتیہ شاعری کا ورق ورق اکیسویں صدی کی جدید نعت کے پس منظر اور پیش منظر کو واضح کر رہا ہے۔ ان کے ہاں تخلیقی توانائیوں میں روایت کا تسلسل بھی کارفرما ہے اور ان کی طاقِ جاں میں شہرِ مدحت کے ابدی و جدید چراغ روشن ہیں۔

ریاض حسین چودھری کی ریاضتِ نعت تحریکِ عشقِ مصطفیٰ کا جدید تر استعار ہے۔ شاعر موصوف کی نعت صرف ذاتی وارداتِ قلب نہیں، بلکہ اس میں عصری مسائل کا شعور اور آشوبِ ملّت کا احساس بھی نمایاں ہے۔ جمالِ صورت اور کمالِ سیرت کے سب انداز جاذبِ نظر ہیں۔

نعت گوئی کی دولتِ بیدار ریاض چودھری کو وافر انداز میں میسّر ہے۔ اس پر وہ جتنا بھی ناز کریں کم ہے۔ یہ دولتِ بیدار، ریاضت سے نہیں، بلکہ خوش نودیٔ خدا اور رضائے مصطفیٰ سے نصیب ہوتی ہے۔

موصوف کا دل نشیں اسلوب وجدانی و عرفانی کیفیات سے ہم رشتہ ہے۔ ان کے ہاں موضوع، خیال اور اسلوب کی رنگارنگی متاثر کن ہے۔ انھیں موضوعِ نعت کو قومی و بین الاقوامی طور سے دیکھنے کی مہارت ہے۔ ان کے کلام میں جدید لفظیات اور تازہ تراکیب وجد کرتی نظر آتی ہیں۔ ان کا تخیل اور مشاہدہ جلوۂ صد رنگ سے آشنا ہے۔ شاعرِ موصوف کی نعتیہ شاعری ایک دلِ بیدار اور حاضر باش شاعر کی شاعری ہے جس کی مسلسل ستائش اور ہر گام پر حوصلہ افزائی ہونا چاہیے۔

ریاضؔ حسین چودھری نے جدید اُردو نعت کا پرچم تھاما ہوا ہے۔ اس پرچم کے سائے تلے وہ اپنے جدید افکار اور نو بہ نو اذکار کو ادبِ نعت میں گاہے گاہے پیش کرتے رہتے ہیں۔ ان جیسے بلند پایہ اور معروف و مقبول نعت نگاروں کی پذیرائی درحقیقت اُردو کے نعتیہ ادب کی خدمت ہے۔

ربِّ کردگار سے یہی التجا ہے کہ وہ ان نفوسِ قدسیہ کو عمرِ خضر سے نوازے تا کہ یہ حضرات ادبِ نعت کو وقیع انداز سے سیراب کرتے رہیں۔

شہرِ اقبال (سیالکوٹ) سرزمینِ عشق و محبت ہے۔ شاعرِ مشرق حکیم الامت علامہ اقبالؔ رحمۃ اللہ علیہ کو اسی سرزمین سے نسبت ہے۔ دیارِ اقبالؔ سے تعلق رکھنے والے جدید اُردو نعت کے قابلِ صد احترام شاعر ریاضؔ حسین چودھری بھی 8 نومبر 1941ء کو سیالکوٹ کے اسی قریۂ عشق و محبت میں پیدا ہوئے۔

آپ کے والدِ گرامی الحاج چوہدری عبدالحمید مرحوم (آف چوہدری فضل دین اینڈ سنز) معروف صنعت کار اور ممتاز تاجر تھے۔

☆ ریاضؔ حسین چودھری مرے کالج میگزین کے دو سال تک مدیر رہے۔

☆ 1963ء میں مرے کالج سے گریجویشن کیا۔

☆ مرے کالج بزمِ اُردو کے صدر بھی رہے۔

☆ دو سال تک لاء کالج پنجاب یونیورسٹی لاہور کے مجلّے ''المیزان'' کے اُردو سیکشن کے مدیر رہے۔

☆ حلقۂ اربابِ ذوق سیالکوٹ کے دو مرتبہ سیکریٹری منتخب ہوئے۔

☆ پاکستان رائٹرز گلڈ سب ریجن سیالکوٹ کے سیکریٹری بھی رہے۔

☆ تحریکِ منہاج القرآن مرکزی سیکریٹریٹ لاہور میں 13 سال تک مختلف عہدوں پر کام کیا۔

☆ پندرہ روزہ ''تحریک'' لاہور کے دس سال تک مدیرِ اعلیٰ رہے۔

☆ تحریکِ منہاج القرآن کے شعبۂ ادبیات کے صدر کی حیثیت سے 2002ء میں سبک دوش ہوئے۔

☆ ایم اے اور ایل ایل بی کے سند یافتہ ہیں۔

☆ متعدد صدارتی وصوبائی ایوارڈز مسلسل خدماتِ نعت کے گواہ ہیں۔

زرِمعتبر جولائی 1995ء (پہلا مجموعۂ نعت)

''زرِمعتبر'' جولائی 1995ء میں شائع ہونے والا ریاضؔ حسین چودھری کا پہلا کلامِ نعتیہ ہے۔ پہلا ایڈیشن عمیر پبلشرز لاہور نے شائع کیا تھاجبکہ دوسرا ایڈیشن خزینۂ علم و ادب، الکریم مارکیٹ اُردو بازار لاہور نے شائع کیا ہے۔ 288 صفحات پر مشتمل یہ مجموعہ نعت مجلّد ہے۔ اہتمام سے طبع شدہ زرِمعتبر 23x36=16 کے سائز میں اشاعت پذیر ہے۔ اس کتاب کا دوسرا ایڈیشن ستمبر 2000ء میں طبع ہوا۔اس وقت یہی میرے پیشِ نظر ہے۔

اس کا انتساب ''اِس کائناتِ رنگ وبُو کے خالق و مالک کے نام، جس نے قرآنِ مجید فرقانِ حمید اپنے محبوب پر نعتِ مسلسل کی صورت میں نازل فرمایا۔'' زرِمعتبر کی ''پیشوائی'' کا شرف حفیظ تائبؔ کو حاصل ہے۔ زرِمعتبر کی نعتوں سے کسبِ فیض کرنے والوں میں احمد ندیمؔ قاسمی بھی شامل ہیں۔ اس کتاب میں شاعر کا اپنا مقدمہ ''تحدیثِ نعمت'' بے مثال نثری شہ پارہ ہے جس کا مطالعہ شرحِ صدر کا باعث ہے۔ جس میں نعت، صاحبِ نعت اور اس کتابِ نعت کے بارے میں جامع، بلیغ اور دل کش گفتگو شامل ہے۔ اس ریاضِؔ نعت کی صرف نظم ہی دل کش نہیں بلکہ نثر بھی دل کے تاروں کو چھیڑتی ہے۔

زرِمعتبر جدید اُردو نعت کی روایت میں ایسا عہد آفریں اضافہ ہے جس کی بازگشت ہمیشہ سنائی دیتی رہے گی۔ جدید اُردو نعت کے اُفق پر ثنائے رسول (ﷺ) کی قوسِ قزح سجانے والوں میں ریاض حسین چودھری کا نام اعتبار کا حامل ہے۔نعت گوئی کے لیے جس

''زرِمعتبر'' (نعت کی اصل روح) کی فی زمانہ ضرورت ہے موصوف اس زرِمعتبر کا وافر حصہ حاصل کر رہے ہیں۔

اس نعتیہ مجموعہ کلام میں زیادہ تر نعتیں غزل کی ہیئت میں کہی گئی ہیں جب کہ اس میں نعتیہ شاعری کو آزاد اور پابند نظموں کے وسیع امکانات کے تناظر میں پیش کیا ہے۔ غزل پاروں یعنی قطعات میں ذاتی کیفیات کے شواہد عمدگی سے موجود ہیں۔ آزاد اور پابند نظمیں سیرتِ پاک صاحب لولاک (ﷺ) کے مضامین کا احاطہ کیے ہوئے ہیں۔ نو بہ نو ردیفیں اور نت نئی زمینیں شاعر کی قدرتِ اظہار کی گواہ ہیں۔

بلاشبہ ''زرِمعتبر'' جدید اُردو نعت کا ایک مستند حوالہ ہے۔ جس میں ریاضؔ نعت کی ریاضتِ نعت کے اچھے خاصے تجربے شامل ہیں۔ نظم نگاری کی بھی توانا روایت اپنی تمام تر حشر سامانیوں کے ساتھ موجود ہے۔ نئے دن کا سورج، حصارِ گنبدِ ہجر کی پہلی صدا، کومنٹ منٹ، یکتا و تنہا اور وژن بہترین نظموں کا اضافہ ہیں۔

نعتیہ ادب کے معروف خدمت گزار حفیظ تائبؔ مرحوم نے اپنی تحریر کردہ ''پیشوائی'' میں کتنی خوبصورتی کے ساتھ ریاضؔ چودھری کی نعتیہ شاعری کا محاکمہ پیش کیا ہے۔

> **''ریاضؔ حسین چودھری کی نعت کے تمام استعاروں کا خمیر دین و آئین رسالت کے ساتھ ساتھ، عہدِ جدید کے معتبر حوالوں سے اُٹھا ہے۔ ان میں تقدس بھی ہے اور تازہ کاری بھی، اُس کا اسلوب اُردو شاعری کی تمام تر جمالیات سے مستنیر ہے اور اسے جدّت و شائستگی کا معیار قرار دیا جاسکتا ہے۔''**

معروف افسانہ نگار، ادیب و شاعر احمد ندیمؔ قاسمی نے بھی ''زرِمعتبر'' کے پسِ ورق کو اپنی زرّیں آرا کے حُسن سے آراستہ کیا ہے:

> **''گزشتہ ربع صدی میں ہمارے ہاں نعت نگاری نے بہت فروغ پایا ہے۔ جن شعرا نے اس صنفِ سخن میں ہمیشہ زندہ رہنے والے**

اضافے کیے ہیں ان میں ریاضؔ حسین چودھری کا نام بوجوہ روشن ہے۔"

ریاضؔ حسین چودھری کی نعت گوئی کے حوالے سے یہ صرف چند ناتمام اشارے ہیں۔ جب تک زرِمعتبر رکھنے والے اس شاعر کے کلام سے آپ ہم رشتہ نہیں ہوں گے، تب تک آپ اپنی مشامِ جاں کو معطر نہیں کر سکتے۔ زرِمعتبر کے اس ابتدائی خوبصورت اور بامعنی شعر پر اپنی گفتگو کا اختتام کرتا ہوں۔ اس شعر کو اپنے دل میں جگہ دیجیے ۔

میرے بچوں کو وراثت میں ملے حُبِّ رسول
یہ اثاثہ بعد میرے بھی تو گھر میں چاہیے

رزقِ ثنا یکم جون 1999ء (دوسرا مجموعۂ نعت)

''رزقِ ثنا'' یکم جون 1999ء کا طبع شدہ ہے۔ یہ ریاضؔ حسین چودھری کا دوسرا مجموعہ نعت ہے۔ اس کتاب کی حُسنِ طباعت کا اہتمام خزینۂ علم و ادب، الکریم مارکیٹ اُردو بازار، لاہور نے کیا ہے۔ مجلّد شائع ہونے والا یہ مجموعۂ نعت 176 صفحات پر محیط ہے۔ اسے 23x36=16 کے سائز میں طبع کیا گیا ہے۔ یہ ایوارڈ یافتہ کتاب دوسری بار ستمبر 2000ء میں پھر طبع ہوئی۔ اس کا دوسرا ایڈیشن میرے پیش نظر ہے۔

اس کتاب کا انتساب شاعر کی تحریر میں ملاحظہ کیجیے ''برادرِمکرم الحاج محمد شفیع کے نام، کہ دمِ آخر بھی جن کے ہونٹوں پر حضور ختمی مرتبت کی شفاعت کی تمنا حرفِ التجا بن کر مچلتی رہی''۔ اس کتاب پر گوہر افشانی کرنے والوں میں پروفیسر ڈاکٹر عاصیؔ کرنالی، ریاضؔ حسین چودھری، حفیظ تائبؔ اور ڈاکٹر خورشیدؔ رضوی شامل ہیں۔

ریاضؔ حسین چودھری کا دوسرا نعتیہ مجموعہ ''رزقِ ثنا'' کئی خصوصیات کا حامل ہے۔ اولاً اِسے حکومتِ پاکستان نے 2000ء میں صدارتی ایوارڈ سے نوازا۔ ثانیاً حکومتِ پنجاب نے 2000ء میں صوبائی سیرت ایوارڈ دیا۔ جب کہ اسے سیرت اسٹیڈی سینٹر، سیالکوٹ اور

تحریکِ منہاج القرآن نے خصوصی ایوارڈز سے نوازا۔

زرِمعتبر کے شاعر نے اپنے لیے رزقِ ثنا کا بھی اہتمام کرلیا ہے۔ رزقِ ثنا کا حُسنِ آغاز ''حمدِ ربِّ جلیل'' سے مستنیر ہے۔ اس میں غزل کی ہیئت میں زیادہ تر کہا گیا نعتیہ کلام شامل ہے جب کہ اس میں پابند نظموں کے علاوہ آزاد نظمیں، حمد ونعت، صلوٰۃ و سلام بدرگاہِ خیرالانام، قطعات اور نعتیہ گیت بھی شامل ہیں۔

ریاضؔ حسینچودھری کی نعت میں وہ تمام فنّی اور معنوی تلازمات ہمیں دکھائی دیتے ہیں، جو روایت سے جدّت کی جانب ارتقا پذیر ہیں۔ عصری نعت کی یہی علامت ہے۔ کلاسیکی نعت شخصی احوال و آثار کا منظرنامہ ہے۔ جدیدحسیّت کے ضمن میں ریاضؔ حسین چودھری کی نعت کے تہذیبی پس منظر کا ابلاغ سب سے جُدا ہے۔ ان کی توانا آواز، تلمیحات و استعارات کا برجستہ استعمال انھیں اپنے ہم عصروں میں ممتاز کرتا ہے۔

رزقِ ثنا کی گوہر افشانی کرنے والے پہلے شریک پروفیسر ڈاکٹر عاصیؔ کرنالی ہیں۔ ان کی صائب فکر نے اُمّت کے اجتماعی احوال و مسائل کا حل نعتِ رسول میں ڈھونڈا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

> **''آج کی نعت جہاں روایت کے مذکورہ بالا اجزا و صفات سے پُر دامن ہے، وہیں اُمت کے اجتماعی احوال و مسائل کی عکاس اور ترجمان بھی ہے یعنی عصرِ حاضر میں نعت ذات اور اجتماعیت دونوں پہلوؤں اور جہتوں کی نمائندگی کر رہی ہے۔''**

فکرِ حفیظ تائبؔ کی گوہر افشانی کے بھرپور انداز کو دیکھیے:

> **''جدید اُردو نعت کا کوئی مختصر سے مختصر تذکرہ بھی ریاضؔ حسین چودھری کی نعتیہ شاعری کا بھرپور حوالہ دیے بغیر مکمل نہیں ہوسکتا، ان کا شمار عہدِ جدید کے صفِ اوّل کے نعت نگاروں میں ہوتا ہے۔''**

ڈاکٹر خورشید رضوی نے رزقِ ثنا کا خیرمقدم ان الفاظ میں کیا ہے:

''جن معاصر شعرا نے خاص نعت کے حوالے سے شناخت پیدا کی، ان میں جناب ریاضؔ حسین چودھری کا نام ایک معتبر حیثیت رکھتا ہے۔ ذوقِ نعت ان کے خمیر میں رچا ہوا ہے''۔

ریاضؔ حسین چودھری صرف قادرالکلام شاعر ہی نہیں، بلکہ ایک ماہر نثّار بھی ہیں۔ ان کی تحریر کی جادو بیانی کا یہ انداز دیکھیے ۔ جی تو چاہتا ہے کہ ان کی تحریر کے کئی اقتباس پیش کروں، مگر یہ ٹکڑا ان کی مؤثر تحریر کا حاصل ہے۔

''دشمنانِ اسلام اپنی تمام تر علمی خیانتوں، تحقیقی لغزشوں اور فکری مغالطوں کے باوجود اس فاقہ کش مسلمان کے جسم سے روحِ محمد کو نکالنے میں ناکام رہے ہیں۔ نعت اسی روحِ محمد کے جمالیاتی اظہار اور شعری پیکر کا نام ہے۔''

شاعرِ موصوف اپنی کتاب کے اندرونی سرِ ورق سے پہلے اپنی زرِ معتبر کا اظہار رزقِ ثنا کی صورت میں ضرور کرتے ہیں۔ شعر کے معنوی حُسن کو اپنے دل میں جگہ دیجیے جس میں حشر کی نجات موقوف ہے ؎

حشر تک چین سے سو جاؤ فرشتوں نے کہا
دیکھ کر قبر میں بھی صلِّ علیٰ کا موسم

تمنّائے حضوری جون 2000ء (تیسرا مجموعۂ نعت)

''تمنائے حضوری'' یکم ربیع الاوّل ۱۴۲۱ھ مطابق جون 2000ء کی طبع شدہ ہے۔ ریاضؔ حسین چودھری کا یہ تیسرا مجموعہ نعت ہے جو 150 قطعات پر مشتمل طویل نظم ہے جسے ''بیسویں صدی کی آخری طویل نعتیہ نظم'' سے موسوم کیا گیا ہے۔ اس کتاب کی طباعت کا اہتمام مغل کمپنی، کنٹراسٹ پرنٹرز اینڈ پبلشرز، قذافی مارکیٹ اُردو بازار، لاہور نے کیا

ہے۔ 96 صفحات پر مشتمل یہ کتاب مُجلّد اور 23x36=16 کے سائز میں طبع شدہ ہے۔

تمنّائے حضوری کا انتساب ان لفظوں میں کیا گیا ہے ''اکیسویں صدی کے نام کہ یہ صدی بھی میرے پیمبر ﷺ کی صدی ہے''۔ 'لمحاتِ حاضری کی تمنّا لیے ہوئے'' کے عنوان سے ریاضؔ حُسین چودھری کی دل کشا اور معلومات افزا تحریر تمنّائے حضوری و حاضری سے لب ریز ہے۔ تمنّائے حضوری کے بادہ کشوں میں پروفیسر محمد اقبال جاوید اور صاحبزادہ خورشید احمد گیلانی شریک ہیں۔

ریاضؔ حسین چودھری اس طویل نعتیہ نظم کے ابتدائی قطعات میں ایک حمد یہ مصرعہ کی چھایا میں نعت کی مالا جپ رہے ہیں۔ ہر قطعہ نئے مضمون سے آراستہ ہے۔ روانی اور سلاست اپنے زوروں پر ہے۔ یہ طویل نعتیہ نظم مضامین کے توارد سے کوسوں دور ہے۔ ہر قطعہ کا پہلا اور آخری مصرعہ شاعر کی زودگوئی اور قادرالکلامی کا گواہ ہے۔ اس نعتیہ نظم میں ریاضؔ کی ریاضتِ نعت فکر وفن، شعر وسخن اور علم و ادب کی راہ اپنائے ہوئے ہے۔ یہ قطعات وجدانی کیفیات کے حامل ہیں۔ اس میں شاعر نے اپنی تمنائے حاضری کو تمنّائے حضوری میں سمو دیا ہے۔

تمنّائے حضوری میں ریاض حسین چودھری کی مشکل لمحات میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دستگیری کی التجا اور آمنہ کے لال کے حضور درِ عطا پر پلکوں سے دستک دینے کے اس انداز کو دیکھیے۔

> **''بچپن سے لے کر آج تک میرا معمول یہ رہا ہے کہ دشوار، کٹھن اور مشکل لمحات میں اللہ ربّ العزت کی بارگاہ میں دستگیری کی التجا کرنے اور مشکل کشائی کی درخواست گزارنے کے بعد آمنہ کے لال حضور ختمیٔ مرتبت ﷺ کے درِ عطا پر بھی پلکوں سے دستک دینے کا اعزاز حاصل کرتا ہوں، آنکھوں کو بند کرکے ہونٹوں پر درودوں کے گلاب سجا لیتا ہوں۔''**

پروفیسر محمد اقبال جاوید بہت مرصّع تحریر رقم فرماتے ہیں۔ پروفیسر صاحب کے سامنے الفاظ سرِ تسلیم خم کیے رہتے ہیں۔ ہاتھ باندھے ان الفاظ سے پروفیسر صاحب نگینے جڑنے کا

کام لیتے ہیں۔ تحریر اس قدر مؤثر اور بھرپور ہوتی ہے کہ قاری اس کے سحر میں گرفتار رہتا ہے۔ اس قدر جاذب نظر اور دل کش تحریر لکھنے والے ہمیں کم میسّر ہیں۔ فی زمانہ پروفیسر اقبال جاوید کا اس حوالے سے دم غنیمت ہے۔

''تمنّاؤں کی زیرِنظر قوسِ قزح، ہمارے تاریخی آثار کو یوں ورق ورق روشن کرتی چلی جارہی ہے کہ ناظر، تصوّر کی ایک دل آویز دنیا میں کھوسا جاتا ہے اور ماضی کی درخشانی، حال کی لٹی ہوئی صبحوں اور بجھی ہوئی شاموں کو اُجالتی چلی جاتی ہے۔ ریاضؔ حسین چودھری کی یہ آرزوئیں، اپنے جلو میں جھلملاتے آنسوؤں کا خراج بھی لیے ہوئے ہیں اور لرزتے قلم کا نیاز بھی کہ یہی وہ بارگاہِ ناز ہے جس کی محبت ہمارا قبلۂ مراد اور کعبۂ شوق ہے۔''

صاحبزادہ خورشید احمد گیلانی تمنّائے حضوری کے باب میں خراجِ عقیدت اس طرح پیش کرتے ہیں:

''محترم ریاضؔ حسین چودھری انھی بیدار بخت لوگوں میں شمار ہوتے ہیں جن کی آرزو بڑی مختصر مگر بہت ہی معتبر ہے، آرزو تو ایک ہے البتہ اس کے اظہار کے پیرائے متعدد اور اسالیب متنوع ہیں۔''

تمنّائے حضوری درحقیقت حاضری کی متلاشی ہے۔ ریاض حسین چودھری کی تمنّائے حضوری ایک تڑپ اور ولولۂ تازہ لیے ہوئے ہے۔ یہ تمنّائے حضوری صرف ایک پھیرے کی خواہش نہیں بلکہ عمرِ رفتہ کے لمحات مستقل پھیروں کا تسلسل چاہتے ہیں۔ تمنّائے حضوری کی چاہت رکھنے والا مصائب و آلام اور رنج و محن سے نہیں گھبراتا۔ وہ اس کیفیت میں سرِ مقتل بھی جانے کے بعد زندہ ہے۔ شاعر کی فکر کا انداز اس شعر میں دیکھیے ؎

مصائب کو میں کب خاطر میں لاتا ہوں مرے آقا
تمنّائے حضوری میں سرِ مقتل بھی زندہ ہوں

متاعِ قلم مئی 2001ء (چوتھا مجموعۂ نعت)

''متاعِ قلم'' کو بھی یکم ربیع الاوّل ۱۴۲۲ھ (مطابق 2001ء) کی نسبت حاصل ہے۔ ترتیب کے لحاظ سے یہ ریاضؔ حسین چودھری کا چوتھا کلامِ نعتیہ ہے۔ القمر انٹر پرائزرز، رحمٰن مارکیٹ اُردو بازار، لاہور اس کے ناشر ہیں۔ 186 صفحات پر مشتمل یہ مجموعہ 23x36=16 کے سائز میں مجلّد شائع ہوا ہے۔

اس کتاب کا انتساب دیکھیے ''دادا مرحوم حاجی عطا محمد والدِ مرحوم الحاج چودھری عبدالحمید کے نام، جن کی آغوشِ تربیت نے ہوائے مدینہ سے ہم کلامی کے شرفِ دل نواز سے نوازا'' متاعِ قلم کے پاس داروں میں ریاضؔ حسین چودھری کے اُستاذِ گرامی آسیؔ ضیائی اور ڈاکٹر سلیم اختر شامل ہیں۔ اس کتاب میں حمد ونعت، پابند و آزاد نظمیں اور قطعات کی کہکشاں سجی ہے۔

''زرِمعتبر'' حاصل کرنے والا شاعر ''رزقِ ثنا'' کی دولتِ لازوال حاصل کرنے کے بعد ''تمنّائے حضوری'' سے مکیّف ہو جاتا ہے۔ زرِمعتبر، رزقِ ثنا اور تمنّائے حضوری کا تسلسل اِسے متاعِ قلم کی مسلسل گردان محمد محمد سے آشنائی کا سفر پختگی کے مدار میں داخل کر دیتا ہے۔ ریاضؔ حسین چودھری کی متاعِ قلم کی آبرو ''محمد'' کے ادا شناس ہونے کے سبب اپنی فکرِ جدید کے زر و جواہر بصورتِ نعت لُٹائے چلی جارہی ہے۔

آسیؔ ضیائی، ریاضؔ حسین چودھری کے اُستاذِ گرامی ہیں۔ شاعرِ موصوف کو آسیؔ ضیائی سے مشورۂ سخن کی بھی سعادت حاصل ہے۔ اُستاذِ گرامی نے انتہائی بلیغ انداز میں اپنے شاگردِ رشید کی خداداد صلاحیتوں کا برملا اعتراف کیا ہے۔ یہ اعترافِ حقیقت سند کا درجہ رکھتا ہے۔

> **''پڑھنے والا خود ہی اندازہ لگا سکتا ہے کہ شاعر کا ہر شعر محبت و عقیدتِ رسول کی کُھلی تصویر ہے۔ اور اس میں سے شاعر کے سچّے، مخلصانہ جذبات پھوٹے پڑ رہے ہیں اور ساتھ ہی، قاری یہ بھی**

محسوس کرے گا کہ نعت نگار نے اندازِ بیان میں بھی، اور فکر و خیال میں بھی، جدّت طرازی کو ملحوظ رکھا ہے، جب کہ کہیں بھی احترام میں کوئی کمی نہیں آنے دی ہے۔"

متاعِ قلم کی افادیت و اہمیت اجاگر کرنے والوں میں ڈاکٹر سلیم اخترؔ کا نام بھی نمایاں ہے۔موصوف نے اپنی تحریر میں دنیادار شاعروں کا تذکرہ کرتے ہوئے ریاضؔ حسین چودھری کے وصفِ خاص کا ذکر کیا ہے کہ وہ دنیادار شاعر نہیں۔

"ریاضؔ حسین چودھری نام و نمود کے سراب کے لیے سرگرداں نہیں۔ انھوں نے تو نعت گوئی داخلی کیفیات کے زیرِ اثر اختیار کی ہے، اس لیے وہ مدحتِ رسول کو مقصودِ فن اور ثنائے رسول ہی کو قبلۂ فن جانتے ہیں۔ ریاضؔ حسین چودھری دنیاداری کے تقاضوں والے دنیادار شاعر نہیں ہیں۔ اسی لیے انھوں نے خود کو صرف نعت گوئی کے لیے وقف کر رکھا ہے۔"

ریاضؔ حسین چودھری اپنے حمد و نعت کے کلام سے پہلے ایک دل لُبھاتا جامع شعر قرطاس کے سینے پر سجاتے ہیں۔ اس مرتبہ اُنھوں نے یک نہ شد دو شد والی روایت کو اپنایا ہے۔ پہلے شعر میں نکیرین کی باز پُرس منظوم ہے جبکہ دوسرے شعر میں میدانِ محشر اور بخشش کی یاوری کی کیفیت ہے۔ دونوں اشعار عالمِ فنا سے جانبِ بقا کی بابت ہیں۔فکرِ ریاضؔ کے اس اچھوتے انداز کو دیکھیے۔

لحد میں پوچھا نکیرین نے کہ کون ہو تم
حضور، آپ کا بس نام حافظے میں رہا

سرحشرِ بخشش کے ساماں کے حوالے سے اس شعر کی اُٹھان دیکھیے۔

فرشتوں نے بیاضِ نعت میرے ہاتھ پر رکھ دی
مری بخشش کا بھی محشر میں ساماں ہونے والا ہے

ریاضؔ چودھری کا یہ شعر بھی رنگِ تغزّل کا شاہکار ہے۔ ریاضؔ چودھری کی ریاضِ غزل ریاضتِ نعت میں ڈھل چکی ہے۔

اے ذوقِ نعت آج بھی اشکوں میں ڈھل ذرا
قندیل بن کے دل کے جھروکوں میں جل ذرا

کشکولِ آرزو مئی 2002ء (پانچواں مجموعۂ نعت)

''کشکولِ آرزو'' کو بھی یکم ربیع الاوّل ۱۴۲۳ھ (مطابق مئی 2002ء) کی پُرنور سعادت میسّر ہے۔ ریاض حسین چودھری کی مستقل ریاضتِ نعت کی یہ پانچویں گواہی ہے۔ اس کتاب کے ناشر القمر انٹرپرائزرز، غزنی اسٹریٹ اُردو بازار، لاہور ہیں۔ صفحات کی تعداد 168 ہے، سائز 23x36=16 اور کتاب مجلّد طبع ہوئی ہے۔

کشکولِ آرزو کا انتساب ان الفاظ میں تحریر ہے ''خوشبوئے اسمِ محمد ﷺ کے نام، کہ آخرِ شب جب تشنہ لبوں پر اپنے پَر پھیلاتی ہے تو لہو کی ایک ایک بوند رقص میں آجاتی ہے''۔ کشکولِ آرزو بھرنے والوں میں پروفیسر عبدالعزیز، پروفیسر ڈاکٹر فرمانؔ فتح پوری اور پروفیسر ڈاکٹر سیّد محمد ابوالخیر کشفی شریک ہیں۔

اس کتاب میں پابند نعتیہ غزلوں، آزاد نظموں اور قطعات کے علاوہ پابند اور طویل نظمیں شاہکار فن پاروں کی صورت میں موجود ہیں۔ 1988ء کی پہلی نعتیہ نظم، نارسائی کا موسم، بے اماں اور فرار چند حَسین فن پارے ہیں جو اپنے تمام تر علامتی نظم کے ساتھ فہم و ادراک کے بھی مبلغ ہیں۔ اس ریاضِ مدحت کا نعتیہ سفر ہمیشہ حمد کے سائے میں پروان چڑھتا ہے۔ اس ریاضِ نعت کی حمد بھی نعت کے جلوؤں کا عکاس ہوتی ہے۔ اکثر فکرِ ریاض میں حمد و نعت کا حَسین سنگم دیکھنے کو ملتا ہے۔

پروفیسر عبدالعزیز اپنے کشکولِ آرزو کو بھرتے ہوئے کہتے ہیں:

''کاوشِ نعت میں یہ حسین تجربہ انھیں بلاشبہ اس ندرتِ فن کا اسیر بنا دیتا ہے اور یہ بھی کہ وہ یہ دانستہ نہیں کرتے بلکہ ان سے یہ ہو جاتا ہے، بالکل اسی طرح جیسے شاخ پہ پھول کھل اُٹھتے ہیں اور پھولوں سے خوشبو بکھرنے لگتی ہے۔''

پروفیسر ڈاکٹر فرمانؔ فتح پوری ''فرمانِ کشکولِ آرزو'' میں رقم طراز ہیں......کیسی خدا لگتی بات کہی ہے۔ اس حقیقت سے انحراف ناممکن ہے۔

''ریاضؔ حسین چودھری کو شرفِ نعت گوئی منجانب اللہ ملا ہے، یہ عطیۂ خداوندی اور توفیقِ الٰہی ہے، کسب و ریاضت سے کیا کچھ حاصل نہیں ہوسکتا، مگر شرفِ نعت گوئی نہیں، یہ صرف اور صرف حضور اکرم ﷺ سے والہانہ اور مجذوبانہ عشق کرنے والوں کو ملتا ہے۔''

کشکولِ آرزو کے آخری شریک ممتاز ماہرِ تعلیم، ادیب و نقّاد پروفیسر ڈاکٹر سیّد محمد ابوالخیر کشفیؔ مرحوم ہیں۔ وہ بھی کشکولِ آرزو کے تمنائی ہیں۔ ریاضؔ کی ریاضتِ نعت کو اس طرح خراجِ عقیدت پیش کر رہے ہیں۔

''ریاضؔ کی نعت سُرورِ دل و جاں ﷺ کے نقوش کی تابانیوں کے ساتھ ان تمام حقائق کا آئینہ خانہ بھی ہے۔ اُس کی نعت حدیثِ دل بھی ہے، مرثیۂ ملّت بھی اور مجاہد کی یلغار بھی۔''

ریاضِؔ نعت نے اپنی ریاضتِ نعت کی دیرینہ روایت کو نبھاتے ہوئے اپنے کلام سے پہلے صفحۂ قرطاس پر اس شعر کو ثبت کیا ہے۔ یہ شعر ریاض کی ریاض نعت کا معتبر حوالہ ہے۔

میں تو کیا سوچیں بھی میری دست بستہ ہیں ریاضؔ
جب بھی سوچوں گا نبی کی نعت ہی سوچوں گا میں

سلامٌ علیک اکتوبر 2004ء (چھٹا مجموعۂ نعت)

''سلامٌ علیک'' اکتوبر 2004ء کا طبع شدہ ہے۔ ریاض حسین چودھری کی ریاضتِ نعت کی یہ چھٹی منزل ہے۔ نوریہ رضویہ پبلی کیشنز، 11- گنج بخش روڈ، لاہور نے اس کی طباعت کا شرف حاصل کیا ہے۔ یہ کتاب 114 صفحات پر مشتمل ہے۔

اس کتاب کا انتساب ملاحظہ کیجیے۔''ان ملائکہ کے نام، جو درودوں کے گجرے اور سلاموں کی ڈالیاں لے کر، صبح و شام گنبدِ خضرا کے جوارِ کرم میں اُترتے ہیں اور آقائے محتشم ﷺ کے درِ عطا پر حضوری کی سرشاریوں سے ہم کنار ہونے کا شرفِ عظیم حاصل کرتے ہیں۔'' اس کتاب کا ''پیش لفظ'' ڈاکٹر ظہور احمد اظہؔر کا تحریر کردہ ہے۔ سلامٌ علیک کے دیگر عقیدت نگاروں میں مظفؔر وارثی اور ڈاکٹر ریاضؔ مجید شامل ہیں۔

سلامٌ علیک کو شاعر نے ''اکیسویں صدی کی پہلی طویل نعتیہ نظم قرار دیا ہے۔ سلامٌ علیک بدرگاہِ خیرالانام ﷺ میں درودوں کا گجرا اور سلاموں کی ڈالی ہے۔ یہ قصیدۂ نعتیہ بحر متقارب کے ایک ہی طویل قصیدے سے عبارت ہے۔ اسے اُردو زبان کا ایک طویل نعتیہ منظومہ (قصیدہ بھی کہہ سکتے ہیں) یہ قصیدہ تقریباً چھ سو اشعار پر مشتمل ہے۔ بشرطیکہ سلامٌ علیک والا ایک شعر بھی ہر بند کے ساتھ شمار کیا جائے تو آٹھ سو اشعار بنتے ہیں۔ بنود (بند کی جمع) ہے۔

ریاضؔ چودھری نے اس طویل نعتیہ قصیدہ میں ابتداء میں ایک منفرد و یکتا شعر کہنے کی روایت کے تسلسل کو برقرار رکھا ہے۔ مصرعے میں چشمِ نم کو ''فضائے طیبہ'' کی نازکی کا احساس دلایا ہے۔ دوسرے مصرعے میں مدینہ منوّرہ کا تقدس اور درودوں کے آداب سکھائے ہیں۔ شعری قدرت اور رنگِ مدحت کے اس انداز کو اپنے دل میں جگہ دیجیے۔

برستی آنکھو! خیال رکھنا بہت ہے نازک فضائے طیبہ
مدینے آئے تو چپکے چپکے درود پڑھ کر سلام کرنا

جو کام اللہ ربّ العزت جلّ جلالہٗ کے پاک نام سے یا اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا سے شروع نہیں کیا جائے گا وہ نامکمل اور خیر و برکت سے دور رہے گا۔ ریاضؔ حسین چودھری اس حسین و جمیل کلّیہ سے نہ صرف واقف ہیں بلکہ اپنی ہر کتاب کو حمد و ثنا کے نور سے مزّین کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس نعتیہ قصیدہ کے پہلے پانچ بند اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے شاہد ہیں۔ سلامٌ علیک کے شاعر نے بھی زندہ معجزاتی کتاب قرانِ کریم کے معنی اور مفاہیم کو اپنے پیشِ نظر رکھا ہے۔ اس نعتیہ قصیدہ کا نقطہ آغاز دیکھیے۔

قلم سر جھکائے ورق کی جبیں پر　　سجائے دیے شب کو قصرِ یقیں پر
حکومت ہے اس کی فلک پر زمیں پر　　خدا آپ کا سب سے اعلیٰ و بالا

سلامٌ علیک، سلامٌ علیک!
سلامٌ علیک، سلامٌ علیک!

قلم کی نوک، ورق کی جبیں، شب کے چراغ اور یقیں کے قصر یعنی ابتدائی تین مصرعے اللہ تعالیٰ کی ملکیت اور ربوبیت کے گواہ ہیں جب کہ آخر کے تین مصرعے نغماتِ درود و سلام کے امین ہیں۔ پہلے پانچ بندوں میں حمد و ثنا کا التزام ہے۔ جب کہ اس نعتیہ قصیدہ کا چھٹا بند تعریف و توصیفِ ثنائے مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثنا کا حُسنِ آغاز ہے۔

تصوّر میں سرکار در پر کھڑا ہوں　　سمٹ کر نگاہوں میں بھی آ گیا ہوں
حضور آپ کی نعت لکھنے لگا ہوں　　عطا کیجیے کوئی حرفِ منزّہ

سلامٌ علیک، سلامٌ علیک!
سلامٌ علیک، سلامٌ علیک!

شاعر نے تصوّر جما کر درِ سرکار پر رسائی حاصل کی ہے۔ اپنی تمام توانائیوں کو بھی یکجا کرلیا ہے۔ شاعر حضور کی نعت لکھنے کا ملتجی ہو کر حرف منزّہ کا متلاشی ہے۔ صلوٰۃ و سلام پیش کرنے کے بعد پھر دوسرا اور تیسرا بند مدح سرکار کے موتی رول رہا ہے۔ شاعر کو نعت کے طفیل جذبات کی شدت اور الفاظ کی ندرت حاصل ہے۔

خلدِ سخن 2009ء (ساتواں مجموعۂ نعت)

''خلدِ سخن'' 2009ء کا اشاعت شدہ ہے۔ ریاضؔ حسین چودھری کی ریاضتِ نعت کی یہ ساتویں گواہی ہے۔ القمر انٹرپرائزرز، غزنی اسٹریٹ اُردو بازار، لاہور نے اس کی حُسنِ طباعت کا اہتمام کیا ہے۔ 232 صفحات پر مشتمل یہ مجموعۂ نعت مجلّد شائع ہوا ہے۔ اس کا سائز 23x36=16 ہے۔

کتاب ''خُلدِ سخن'' کا انتساب ریاضؔ حسین چودھری نے ''والدۂ مرحومہ کے نام'' کیا ہے۔ خُلدِ سخن کی برکات سمیٹنے والوں میں ابوالامتیاز ع س مسلم، پروفیسر محمد اکرم رضا، ڈاکٹر محمد طاہرؔ القادری اور طارق سلطان پوری کے اسمائے گرامی شامل ہیں۔

مجموعہ نعت خُلدِ سخن میں حسبِ سابق پابند نعتیہ غزلوں، آزاد نظموں اور قطعات کے علاوہ پابند اور طویل نظمیں شاہکارفن کے دوام میں شامل ہیں۔ ''یاخدا'' کے عنوان سے نئی انداز کی حمد موجود ہے۔ اس کے بعد ''کشکولِ دعا'' دراز ہے۔ جس میں ریاض کی ریاضتِ نعت کے دل کش اور جدید انداز شامل ہیں۔ المدد یا خدا، الکرم یا نبی، حمد و نعت کا مثالی شاہکار ہے۔ سلام بدرگاہِ خیرالانام میں اُمت مظلوم کی زبوں حالی اور عہدِ گزشتہ کی رفعت کو منظوم کیا ہے۔ التجائے اُمت اکیسویں صدی کی پہلی دعائیہ نظم، صدی آشوب، منظرنامہ (نعتیہ سانیٹ)، گلاب رُت رتجگے منائے، ہلال عید میلادالنبی 1998ء التماس کے علاوہ آزاد نظموں کی کہکشاں بھی سجی ہے۔

خُلدِ سخن ہو یا ریاض حسین چودھری کے دیگر مجموعہ ہائے نعت، سب کا مرکزِ نگاہ اور محورِ محبت صرف اور صرف نبی کریم رؤف الرحیم ﷺ کی ذاتِ پاک ہے۔ ان کے نعتیہ مجموعوں میں والہانہ وابستگی، بے اختیار خود سپردگی کا اظہار موجزن ہے۔ ریاض کی فکر و نگاہ کا محور آپ ﷺ کے قرب اور نگاہِ کرم کا ضامن ہے۔ اظہار کی سچائی اور الفاظ کی توانائی اسی بارگاہ سے عطا ہوتے ہیں۔

طویل بحریں بھی ریاض چودھری کی دسترس میں ہاتھ باندھے کھڑی نظر آتی ہیں۔ وہ

اکثر اپنے آہنگِ نوکو طویل بحروں میں استعمال کرتے ہیں۔ طویل بحر کی طوالت کے باوجود الفاظ کی ندرت اور روانی وسلاست اپنے جوبن پر نظر آتی ہے۔

شاعرِ موصوف کی نعت گوئی اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی توفیق اور نبی کریم ﷺ کی نظرِ کرم کے طفیل روز افزوں ارتقا پذیر ہے۔ شاعرِ خوش نوا جدید تراکیب اور نئے نئے الفاظ سے اپنے کشکولِ نوا کو نایاب کر رہے ہیں۔

ریاضؔ چودھری کتاب کے آغاز میں منفرد و یکتا شعر دینے کی روایت برقرار رکھتے ہیں۔ شاعر کی ریاضتِ نعت کے دو شعر دیکھیے ہر دو اشعار فکر ونظر کو منور اور قلب و روح کو سیراب اور صریر کو نغمگی کی تازگی بخش رہے ہیں۔

میں نے دیکھا ہے ہجومِ ماہ وانجم کا فروغ
ایک سجدہ خاکِ طیبہ پر ادا کرتے ہوئے

☆

تکمیلِ شخصیت کی خیرات مانگتا ہے
دربارِ مصطفیٰ میں ہر اک صدی کا موسم

پہلے شعر میں خاکِ طیبہ کی عظمت کا بیان ہے جہاں ماہ وانجم سجدہ ریزی کررہے ہیں جب کہ شعر ثانی میں ہر اک صدی کا موسم دربارِ مصطفیٰ میں تکمیلِ شخصیت کے لیے خیرات کا طلبگار ہے۔

غزل کاسہ بکف جنوری 2013ء (آٹھواں مجموعۂ نعت)

''غزل کاسہ بکف'' ریاضؔ حسین چودھری کا آٹھواں نعتیہ مجموعہ ہے جو۱۲/ ربیع الاوّل ۱۴۳۴ھ کی نسبت سے 25 جنوری 2013ء کا طبع شدہ ہے۔ اس کتاب کے تقسیم کار مکتبہ تعمیرِ انسانیت، غزنی اسٹریٹ اُردو بازار، لاہور ہیں۔ 16=23x36 کے سائز میں یہ کتاب

214 صفحات پر مشتمل ہے جو مجلّد شائع ہوئی ہے۔

غزل کاسہ بکف کا انتساب ''رفیقانِ مدینہ کے نام جن کی حُبِّ رسول سے معمور سنگت نے سوز و گداز کی نئی کیفیات سے ہم کنار کیا۔'' اس کتاب پر اپنی رائے کا اظہار کرنے والوں میں بشیر حسین ناظم، شیخ عبدالعزیز دباغ، ریاض حسین چودھری، ڈاکٹر فرمان فتح پوری، ڈاکٹر سیّد محمد ابوالخیر کشفی، ڈاکٹر سلیم اختر، احمد ندیم قاسمی، حفیظ تائب اور ڈاکٹر ریاض مجید کے نام شامل ہیں۔

دو حمدوں کے بعد غزل کاسہ بکف کی پہلی نعت چار سو اشعار پر مشتمل ہے۔ ہشت نعتیہ میں آٹھ نعتیں ہیں اور ہر نعت پچاس اشعار پر مشتمل ہے۔ اس کے بعد چہار نعتیہ، سہ نعتیہ، دو نعتیہ اور مزید چند ایک نعتیں شامل ہیں۔ ریاض حسین چودھری کا ہر نعتیہ مجموعہ نئی کیفیات اور نو بہ نو تراکیب کا شاہکار ہوتا ہے۔

بشیر حسین ناظم شعر و سخن اور علم و ادب کا ایک معتبر نام ہے۔ اس کتاب کا ''پیش لفظ'' بشیر حسین ناظم کی ندرت کاری کا آئینہ دار ہے۔ یوں تو پورا پیش لفظ ہی عقیدتِ ریاض سے مزّین ہے مگر یہ چند سطور خراجِ ریاض کا بیّن اظہار ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

> **''ریاض حسین چودھری کی یہ کاوش عرش و فرش میں پذیرائی پائے اور مسلمانانِ عالم اسے پڑھیں۔ ان کی غیرت و حمیّت جاگے اور وہ حماسۂ حسینی پر عمل کر کے اسلام کی شوکت و سطوت کو بحال کریں۔''**

شیخ عبدالعزیز دباغ کی بھی ایک قابلِ قدر اور مرصّع تحریر اس میں شامل ہے۔ دباغ صاحب نے بارگاہِ ریاض میں اپنی قلمی عقیدت کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔

> **''ان کا قلم ان کا مصاحب ہے مشیر ہے اور وفا شعار دوست کی طرح ان پر نچھاور ہوتا رہتا ہے، رعائتیں ڈھونڈ ڈھونڈ کر ریاض کے سامنے رکھتا ہے اور وہ ان کو سُرمہ کی طرح چشمِ قلم میں لگا کر**

اس کی آبِ بصیرت کو تیز تر کر دیتے ہیں۔ ریاض جس لفظ کو اُٹھا کر جس لفظ کے ساتھ چاہیں جوڑ لیں ، معنوی حُسن کی سیج سجتی ہی چلی جائے گی۔"

"غزل کاسہ بکف ساکت کھڑی ہے ان کی گلیوں میں" کے عنوان سے ریاض حسین چودھری لکھتے ہیں :

"اس حقیقت کو چراغِ راہ بنانا ہوگا کہ نعت درود و سلام کے پیکرِ شعری کو کہتے ہیں۔ اقلیم نعت میں کسی قسم کی بے تکلفی کو داخلے کی قطعاً اجازت نہیں۔"

اس کتاب کے اوّل صفحہ پر ریاض چودھری کا یہ شعر درج ہے ۔

آقا ہمارے نورِ مجسّم ہیں، ہر طرف
اللہ کے بعد صرف ہے چانن حضور کا

بعد کے صفحات میں ریاض حسین چودھری کا یہ محتاط شعر قصرِ ادب کا بہترین حوالہ ہے ۔

لکھے عروسِ شہرِ غزل نعتِ مصطفیٰ
قصرِ ادب کے سبز حوالو! ادب، ادب!

طلوعِ فجر جنوری 2014ء (نواں مجموعۂ نعت)

"طلوعِ فجر" ریاض حسین چودھری کی ریاضتِ نعت کی نویں شہادت ہے۔ ۱۲ ربیع الاوّل ۱۴۳۵ھ کی مناسبت سے یہ کتاب جنوری 2014ء میں شائع ہوئی ہے۔ القمر انٹر پرائزرز، غزنی اسٹریٹ، اُردو بازار، لاہور اس کے ناشر ہیں۔ 518 صفحات پر محیط یہ کتاب مُجلّد شائع ہوئی ہے۔ اس کا سائز 23x36=16 ہے۔

طلوعِ فجر کے اوّلین اندرونی سرورق کی پشت پر ریاض حسین چودھری کی صمیمِ قلب سے مانگی گئی دعا کے انداز کو دیکھیے۔ ''اے خدا! میں تجھ سے تیرے محبوب ﷺ کا صلہ مانگتا ہوں وہ یہ کہ میرے پاکستان کی نظریاتی اور جغرافیائی سرحدوں کی حفاظت فرما۔ آمین۔'' اس کتاب کا انتساب دیکھیے ''حاجی محمد رفیق الرفاعی کے نام، جن کی انگلی تھام کر میں نے طوافِ کعبہ مکمل کیا۔'' اس کتاب پر لکھنے والوں میں ڈاکٹر اسحاق قریشی، زاہد بخاری اور ریاض چودھری شامل ہیں۔

ریاضؔ حسین چودھری کا یہ نواں مجموعہ طلوعِ فجر آقائے دو جہاں، باعثِ کن فکاں ﷺ کے یومِ میلاد سے مشروط ہے۔ شاعر محترم نے آقائے محتشم و مکرم کے یومِ ولادت کے حوالے سے 500 بنود پر مشتمل یہ طویل نعتیہ نظم کہی ہے۔ ہر بند چھ چھ اشعار کا خلاصہ، ماحصل اور تتمّہ منظوم کیا ہے۔ شاعرِ موصوف نے اس طویل نعتیہ نظم میں بھی اپنی فکر کی جولانی اور اپنی دیرینہ ہنرمندی کے جوہر منظوم کیے ہیں۔

عربی ادب کے بالغ نظر ادیب و نقاد اور ''برصغیر پاک و ہند میں عربی نعتیہ شاعری'' کے موضوع پر مقالہ لکھنے والے محقق پروفیسر ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی نے طلوعِ فجر کا ''پیش لفظ'' لکھا ہے۔ پروفیسر صاحب کی تحریر میں الفاظ کی جاذبیت اور جملوں کی چاشنی اپنے جوبن پر ہوتی ہے۔ اپنی تحریر سے وادیٔ رنگ و نور کی سیر کروا دیتے ہیں۔ تحریر کا یہ ملکہ ہر کس و ناکس کو حاصل نہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

> **''ریاضؔ حسین چودھری ایک کہنہ مشق شاعر ہیں، متعدد مجموعے اُن کی نعت شناسی کا ثبوت ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ریاض حسین چودھری کے شب و روز کا جائزہ ان کی یک رنگی کی شہادت ہے۔ یہ طویل نظم جو نعتیہ ادب میں ممتاز مقام لے گی، شاعرِ حق نما کے فطری میلان کا نتیجہ ہے۔''**

زاہد بخاری نے اپنے فلیپ میں ریاضؔ حسین چودھری کی دیگر خوبیوں کا ذکر کرتے ہوئے ان خیالات کا اظہار بھی کیا ہے۔

''طلوعِ فجرِ عشق سرکار کی ایک لازوال شعری دستاویز ہے جس کا ایک ایک مصرع محبت رسول کی خوشبوؤں سے مہک رہا ہے۔ شاعر نے کہیں بھی ابلاغ کے دامن کو ہاتھ سے نہیں چھوڑا ہے۔''

''تاریخِ کائنات کا سب سے بڑا دن'' کے عنوان سے ریاض حسین چودھری نے اپنے ان زرّیں اور مرصّع خیالات کو پیش کیا ہے۔

''پاکستان قریۂ عشقِ محمد ہے، ہم غلامانِ رسولِ ہاشمی کا حصار آہنی ہے۔ پاکستان عالم اسلام کی پہلی دفاعی لائن ہے۔ یومِ میلادِ وطنِ عزیز کی سلامتی کے لیے بارگاہِ خداوندی میں التجاؤں اور دعاؤں کا دن ہے، اُمتِ مسلمہ پر آنے والی ہر خراش پر مرہم رکھنے کا دن ہے، یہ دن پوری کائنات کے لیے عیدِ مسرت ہے۔''

ریاضؔ حسین چودھری جدید اُردو نعت کے نمایندہ شاعر ہیں۔ منفرد اسلوب ان کی تخلیقی پہچان کا بنیادی حوالہ ہے۔ ان کے تخلیق کردہ اشعارِ نعت نبضِ حیات اور رفتارِ نعت کو تیز تر کرنے کا مؤثر ذریعہ ہیں۔ کتاب کے شروع میں ابتدائی شعر کے حوالے سے یہ گراں قدر شعر دیکھیے۔ شاعر کا تخیل اور پروازِ فکر کی جولانی ملاحظہ کیجیے۔

دونوں عیدیں پیشوائی کے لیے آتی رہیں
تیرا ثانی ہی کہاں ہے عیدِ میلادالنبی

آبروئے ما جنوری 2014ء (دسواں مجموعۂ نعت)

''آبروئے ما'' ریاضؔ حسین چودھری کی ریاضتِ نعت کی دسویں گواہی ہے۔ اس کی طبع اوّل ۱۲؍ ربیع الاوّل ۱۴۳۵ھ/جنوری 2014ء ہے۔ کتاب کی خوبصورت طباعت کا اہتمام القمر انٹرپرائزرز، غزنی اسٹریٹ، اُردو بازار، لاہور نے کیا ہے۔ آبروئے ما 240

صفحات پر مُجلّد شائع کی گئی ہے۔ یہ کتاب 23x36=16 کے سائز میں ہے۔

کتاب کے اندرونی سرورق کی پشت پر ریاض چودھری کی یہ خوش نما تحریر ثبت ہے ''اے خدا! میں تجھ سے تیرے حبیب ﷺ کی نعت کا صلہ مانگتا ہوں وہ یہ کہ قیامت تک میری آنے والی نسلیں حضور کے حلقۂ غلامی میں رہیں اور بعد حشر بھی زنجیرِ غلامی کی کڑیاں ٹوٹنے نہ پائیں۔''

چودھری صاحب نے اس کتاب کا انتساب ''اپنے پیارے بیٹے محمد حسنین مدثر کے اعزازِ غلامی کے نام'' معنون کیا ہے۔ آبروئے ما پر لکھنے والوں میں ڈاکٹر خورشید رضوی اور سیّد صبیح الدین صبیح رحمانی کے نام شامل ہیں۔

''آبروئے ما'' فکرِ ریاض کا جدید انداز میں اظہاریہ ہے جس میں نعت کے خوش رنگ اور شاہکار متفرقات شامل ہیں۔ حمدِ ربِّ کائنات، حمد و نعت، سلام، ثنائے خواجہ، قطعات، ثلاثی اور فردیات آبروئے ما کے دل کش موضوعات ہیں۔ شاعر نے جگہ جگہ اپنی جدّتِ فکر اور وسعتِ نظر کے مظاہر پیش کیے ہیں۔ سلاست اور روانی کا انداز رنگ ونور اور کیف وسرور سے آشنا کر دیتا ہے۔

ڈاکٹر خورشید رضوی نے اس کتاب کا ''حرفِ آغاز'' تحریر کیا ہے وہ لکھتے ہیں:

> **''ریاضؔ حسین چودھری جو نعت کہتے ہیں اُس میں جذبے کے وفور کے علاوہ فکری عنصر اور معاصر دنیا کے آلام و مسائل پر دردمندی کا وہ احساس بھی شامل ہے جسے جدید نعت کا ایک امتیازی وصف کہا جاسکتا ہے۔''**

سیّد صبیح الدین صبیح رحمانی نے بھی اس کتاب کا فلیپ خوبصورت انداز میں تحریر کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

> **''ان کے کلام میں بے کراں وارفتگی، والہانہ پن، سرشاری، تازہ کاری اور گہری ارادت کا سمندر موجزن ہے اور ان کا قومی و ملّی**

احساسات سے لے کر انسانی اور آفاقی تصورات اور نظریات پیش کرنے کا سلیقہ بھی خاصا مختلف ہے۔''

ریاضؔ چودھری کی نعتیہ شاعری زودگو شاعر کی شاعری ہے۔ زودگوئی کے باوجود ان کے ہاں اسلوب میں یکسانیت کا شائبہ تک نہیں۔ کثرتِ شاعری کے ضمن میں ایک نیاپن اور طرزِ بیان کا ایک نیا احساس کارفرما ہے۔ شاعر کے ہاں صرف اپنی وارداتِ قلبی کا ذکر نہیں بلکہ ان کی شاعری میں عصر حاضر کے سیاسی، ثقافتی، معاشی اور معاشرتی مسائل بھی زیر بحث آتے ہیں۔ اُمتِ مسلمہ کا انتشار اور زبوں حالی کا ذکر بہت دردمندی کے ساتھ ان کی شاعری میں موجود ہے۔ ان کی فریاد ایک فرد کی آواز نہیں بلکہ یہ پوری اُمت کا استغاثہ ہے بارگاہِ رسالت میں۔

ریاضؔ حسین چودھری اپنی ہر کتاب میں اپنی تمام تر شاعری سے پہلے ایک مثالی اور اچھوتا سا شعر ضرور رقم کرتے ہیں۔ اس شعر کی معنوی تفہیم کسی بھی تشریح کی محتاج نہیں ہوتی۔ یہ شعر زبانِ حال سے خود اپنی وضاحت پیش کر رہا ہوتا ہے۔ دیکھئے یہاں وہ اس روایت کو کیسے نبھا رہے ہیں ۔

اگرچہ ایک بھی سکہ نہیں ہے جیب و داماں میں
مگر طیبہ میں زنجیریں غلامی کی خریدوں گا

زم زمِ عشق جنوری 2015ء (گیارہواں مجموعۂ نعت)

''زم زمِ عشق'' ریاض حسین چودھری کا گیارہواں نعتیہ مجموعہ ہے۔ اس کا سالِ اشاعت بھی بارہ ربیع الاوّل کی پُرنور ساعتوں کا گواہ ہے۔ بارِ اوّل ۱۲/ ربیع الاوّل ۱۴۳۶ھ مطابق 4/جنوری 2015ء ہے۔ القمر انٹر پرائزرز رحمٰن مارکیٹ، غزنی اسٹریٹ اُردو بازار، لاہور اس کے ناشر ہیں۔ 224 صفحات کی یہ کتاب مجلّد اور 23x36=16 کے سائز میں طبع شدہ ہے۔

زم زمِ عشق کے ابتدائی سرورق کے بعد فکرِ ریاض کا بارگاہِ خداوندی میں نعت اوراُمت مسلمہ کی عظمتِ رفتہ کی بازیابی کے لیے تڑپ، دردمندی اور سوز و گداز کے اس اندازکو دیکھیے ''اے خدا! میں تجھ سے تیرے حبیب ﷺ کی نعت کا صلہ مانگتا ہوں۔ وہ یہ کہ اُمتِ مسلمہ کوعظمتِ رفتہ کی بازیابی کے سفر پر نکلنے کی توفیق عطا فرما۔''

اس کتاب کا انتساب ''یارِ غار سیّدنا حضرت ابوبکر صدیق ؓ کے نام'' سے منسوب ہے۔ زم زمِ عشق سے جام پرجام پینے والوں میں ڈاکٹر عزیز اَحسن، شیخ عبدالعزیز دباغ، پروفیسر محمد ریاض احمد شیخ اور راجا رشید محمود شامل ہیں۔ زم زمِ عشق سے جرعہ نوشی کرنے والوں نے اپنے اپنے انداز میں جام پر جام لُنڈھائے ہیں۔

گیارہویں نعتیہ مجموعہ میں کلام کی ترتیب اس انداز سے رکھی گئی ہے۔ حمدِ ربِّ کائنات، حمد و نعت، سلام، سہ نعتیہ، دو نعتیہ، ثنائے خواجہ، قطعات، ثلاثی اور فردیات شامل ہیں۔فکرِ ریاض نے اس مجموعے میں بھی اپنی انفرادیت کے دیپ جلائے ہیں۔ جدّت طرازی اور معنی آفرینی کلام کی خصوصیات کو دوآتشہ کر رہی ہے۔

شیخ عبدالعزیز دباغ کی خوبصورت اور دل نشیں رائے کا یہ انداز دیکھیے۔

''جب آپ ریاضؔ کے لفظوں میں جھانکیں گے تو تجلّیاتِ حضوری آپ کے قلب و نگاہ کو لذّتِ نظارہ سے سرشار کرتی نظر آئیں گی''۔

''زم زمِ عشق ...... حدیثِ دلِ مہجوراں'' کی سرخی کے ساتھ ڈاکٹر عزیز احسن نے بھی اپنی رائے کا اظہار کیا ہے۔

''ان کا کلام بڑا متاثر کن ہے بلکہ اپنے لہجے کی انفرادیت کے حوالے سے ''ایک پھول کا مضمون سو رنگ سے باندھنے'' کا جواز بھی پیش کر رہا ہے۔''

پروفیسر محمد ریاض احمد شیخ کے تاثرات کا انداز ملاحظہ کیجیے۔

''ایک عاشقِ رسول ﷺ کی آرزو و دیدارِ مصطفیٰ کے علاوہ اور کیا

ہوسکتی ہے۔ریاض صاحب جب بارگاہِ رسالت مآب ﷺ میں اُمت کی زبوں حالی کی فریاد کرتے ہیں تو اس رقت سے کرتے ہیں کہ ان کی ندا بادِ صبا سے پہلے دربارِ مصطفیٰ میں پہنچ جاتی ہے۔''

پاکستان میں نعت کے موضوع پر سب سے زیادہ اور بامقصد کام کرنے والے راجا رشید محمود اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

''ان کی نعت کا ہر مصرع عقیدت کی کوکھ سے جنم لیتا ہے اور توجہ محبوب کبریا (علیہ التحیۃ والثناء) کی گود کے لیے ہمکتا دکھائی دیتا ہے۔''

ریاضؔ حسین چودھری نے پہلی مرتبہ سرورق پر اپنا کوئی شعر دیا ہے۔ اپنی روایات سابقہ کو بھی برقرار رکھا ہے۔ چراغِ نعت نے ان کے چھوٹے سے کمرے کو روشن کر دیا ہے۔ ان کے آنگن میں چڑیاں بھی درود خوانی کی محافل سجاتی ہیں ۔

چراغِ نعت جلتے ہیں مرے چھوٹے سے کمرے میں
مرے آنگن کی چڑیاں بھی درودِ پاک پڑھتی ہیں

ایک دوسرے شعر میں وہ اپنی قلبی کیفیات کی عکاسی کرتے ہوئے نظر آتے ہیں ۔

شہرِ طیبہ کی ہواؤں سے ہے میری دوستی
جو مدینے کا ہے موسم وہ مرے اندر کا ہے

تحدیثِ نعمت دسمبر 2015ء (بارھواں مجموعۂ نعت)

''تحدیثِ نعمت'' ریاضؔ حسین چودھری کی ریاضتِ نعت کی بارہویں گواہی ہے۔ یہ مجموعہ نعت بھی صبحِ بہاراں کی پُرنور ساعتوں میں منصۂ شہود پر آیا ہے۔ بارِ اوّل ۱۲/ ربیع

الاوّل ۱۴۳۷ھ مطابق 24/ دسمبر 2015ء ہے۔ 256 صفحات پر مشتمل یہ کتاب مُجلّد ہے۔ اس کا سائز بھی حسبِ روایت ہے۔ اس کتاب کو انٹرنیشنل نعت مرکز پبلی کیشنز، غزنی اسٹریٹ، اُردو بازار، لاہور نے شائع کیا ہے۔

اندرونی سرورق کی پشت پر اللہ ربّ العزّت جل جلالہٗ کی بارگاہِ بے کس پناہ میں صلۂ نعت چاہتے ہوئے یہ التجا موجود ہے ''اے خدا! میں تجھ سے تیرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت کا صلہ مانگتا ہوں۔ وہ یہ کہ میرے قلم کو بنونجّار کی بچیوں کا سوز و گداز عطا کر اور اسے ہوائے مدینہ سے ہم کلامی کے شرف سے مشرف فرما۔''

تحدیثِ نعمت کا انتساب ''مرادِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) سیّدنا حضرت عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ کے نام'' سے منسوب ہے۔ اس کتاب پر صرف ڈاکٹر طاہر حمید تنولی کی رائے ''مدحت نگارِ رسول کا ارمغانِ عجز و نیاز'' کے عنوان سے موجود ہے جب کہ گزشتہ احباب کی مختصر آراء بھی فلیپ کی زینت ہیں۔ پہلے ریاض چودھری کی کتاب کا نام پھر اس کا سالِ اشاعت دیا گیا ہے۔ پھر لکھنے والوں کی مختصر مختصر آراء ناموں کے ساتھ شامل ہیں۔ یہ نیا انداز جاذبِ نظر ہے۔

اس کتاب میں حمدِ ربِّ جلیل، دعا، حمد و نعت، دو نعتیہ، سلام، تحدیثِ نعمت، ثنائے حضور، قطعات، ثُلاثی اور فردیات کی قوسِ قزح شامل ہے۔ پہلی مرتبہ کتاب کے مرکزی سرورق پر ایک تازہ اور دلکش نعت جان دار ردیف و قافیہ کے ساتھ رنگ و نور بکھیر رہی ہے۔

ڈاکٹر طاہر حمید تنولی کی مختصر رائے بھی مزہ دے رہی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

> **''ریاض حسین چودھری کی زندگی میں جہاں عشقِ رسول کی تپش ہے وہاں بارگاہِ رسالت کے ادب نے عجز کا رنگ بھی پیدا کردیا ہے۔ اطاعتِ نبوی کے جذبے نے شاعر کو جو اُجالا دیا وہ اس کے چہرے کا نور بن گیا۔''**

ایک خوبصورت شعر دینے کی روایت بھی اس کتاب میں موجود ہے۔ شاعرِ خوش نوا کا

ہر لمحہ سرکارِ دو عالم نورِ مجسم ﷺ کی نعت سے مہکتا نظر آتا ہے۔ ریاض کی منزلِ عشق کا یہ عالم دیدنی ہے۔ تخّیل کی پرواز بھی سوا ہے۔ امنِ عالم کے لیے جو حقیقی نصاب کی تلمیح آخری خطبہ سے منسوب کی ہے اس کا تو جواب ہی نہیں ہے۔

مجھ سے پوچھا تھا کسی نے امنِ عالم کا نصاب
آخری خطبہ قلم سے خود بخود لکھا گیا

شاعری کے نقطۂ آغاز سے پہلے ریاض حسین چودھری کا یہ شعر بھی دلوں کے تاروں کو چھیڑ رہا ہے۔ شاعر نے نعت کی قدامت کو عالمِ ارواح سے پیوست کیا ہے۔ بلاشبہ یہ ایک زندہ حقیقت ہے جس سے سرِمو انکار ممکن نہیں۔ یہاں قلم کا رقص مزہ دوبالا کر رہا ہے۔

عالمِ ارواح میں بھی رقص کرتا تھا قلم
یہ وفورِ نعت میری روح کے اندر کا ہے

اس جدید لب و لہجے کے شاعر نے اپنے اسلوبِ نعت کو جدّت آشنا کردیا ہے۔ ریاض کی فکرِ نعت اسلوب کے نئے نئے پیکر تراشتی ہے۔ ان کی نعتیں تازگی اور جدید احساس کی علامت ہیں۔

دبستانِ نو 2017ء (تیرہواں مجموعۂ حمد ونعت)

''دبستانِ نو'' ریاض حسین چودھری کا تیرہواں مجموعۂ حمد و نعت ہے جس کی خاصیت ہے کہ یہ نظمِ معرّا (ایسی نظم جس میں قافیے نہ ہوں) کا شاہکار ہے۔

اس کتاب کا پہلا حصہ باری تعالیٰ کی حمد و ثنا پر مشتمل ہے۔ جب کہ اس کا دوسرا حصہ نعت رسولِ مقبول کی تعریف و توصیف سے مربوط ہے۔ غالبًا حمد و نعت کے موضوع پر نظمِ معرّا کے حوالے سے یہ پہلی کتاب ہے۔

آغاز میں یہ دُعائیہ کلمات درج ہیں ''اے خدا ! میں تجھ سے تیرے حبیب ﷺ کی ذات کا صلہ مانگتا ہوں وہ یہ کہ علم وحکمت اور دانائی جو مومن کی گم شدہ میراث ہے اُسے پھر سے اُمتِ مسلمہ کا مقدر بنا دے''۔

دبستانِ نو کا انتساب دیکھئے ''جدید لہجے کے اُن نعت نگاروں کے نام جن کے قلم کی ہر جنبش نئے آفاق کی تسخیر کا مژدہ سنا کر ہر لمحہ محرابِ عشق میں محوِ درود رہتی ہے''۔

کتاب کا پیش لفظ ڈاکٹر ریاض مجید نے تحریر کیا ہے اور تفصیل سے ریاض حسین چودھری کے شعری محاسن کا جائزہ لیا ہے۔ فلیپ پر جلیل عالی اور شیخ عبدالعزیز دباغ کی آرا درج ہیں۔

لامحدود (حمدیہ) 2017ء (چودھواں مجموعۂ کلام)

''لامحدود'' ریاضؔ حسین چودھری کا پہلا حمدیہ مجموعہ کلام ہے۔ جب کہ دیگر مجموعہ ہائے نعت کی ترتیب کے حوالے سے اسے چودہواں نمبر دیا جائے گا۔

انسانی فکر محدود اور موضوعِ حمد لامحدود ہے۔ مگر اس کے باوجود طبع موزوں رکھنے والے اپنے اپنے انداز میں اللہ ربُّ العزّت کی بارگاہ میں اپنا عجز و نیاز ضرور پیش کرتے ہیں۔

شاعرِ موصوف نے بھی اپنی حمدیہ فکر کو جدید انداز سے پیش کیا ہے۔ نعتوں کی طرح ریاض صاحب کی حمدیں بھی قابلِ توجہ ٹھہریں گی۔ حرفِ آغاز میں یہ خوبصورت شعر دیا گیا ہے۔

اتنے دیے جلانے کی توفیق کر عطا
ڈھونڈوں تو مجھ کو اپنا ہی سایہ نہ مل سکے

دُعائیہ کلمات ''اے خدا ! میں تیرا ایک ناچیز بندہ تیری حمد وثناء کا صلہ مانگتا ہوں۔ وہ

یہ کہ روزِ محشر مجھے آقا ﷺ کے سامنے شرمندہ نہ ہونے دینا''۔

لامحدود کا انتساب سیّدنا حضرت عثمان غنی ؓ کے نام ہے۔

کائنات محوِ درود ہے 2017ء (پندرہواں مجموعۂ نعت)

''کائنات محوِ درود ہے'' ریاض حسین چودھری کی مستقل ریاضتِ نعت کی پندرہویں گواہی ہے۔ اس وقت میرے پیشِ نظر اس کا قلمی مسوّدہ ہے۔ سوائے ناشر کے اس کتاب میں ہر چیز حُسنِ ترتیب کے ساتھ موجود ہے۔ انشاء اللہ اس کی ابتدائی تفصیل حُسنِ طباعت کے بعد صفحۂ قرطاس کی زینت بنے گی۔

اندرونی سرورق کی پشت پر حسبِ معمول ایک نئی دُعا بدرگاہِ قاضی الحاجات موجود ہے۔''اے خدا! میں تجھ سے تیرے حبیب ﷺ کی نعت کا صلہ مانگتا ہوں۔ وہ یہ کہ خطۂ دیدہ و دل! پاکستان عالمِ اسلام کی پہلی ایٹمی طاقت ہے۔ غلامانِ رسول کے ایٹمی اثاثہ جات کی حفاظت فرما۔''

کتاب کا انتساب ''شیر خدا سیّدنا حضرت علی کرم اللہ وجہٗ کے نام'' سے معنون ہے۔ اس مجموعہ نعت پر تاحال ریاض حسین چودھری کی دل کشا تحریر موجود ہے۔ تحریر کیا ہے دراصل حقیقت کشا قلم سے دل کی باتیں ہیں۔ جو دلوں کو بھی متاثر کرتی ہیں۔ اس خدالگتی تحریر کا مختصر اقتباس ملاحظہ کیجیے۔ ریاض حسین چودھری جدید نعت لکھنے کے علاوہ خوبصورت انداز میں نثر لکھنے پر قادر ہیں۔ وہ لکھتے ہیں :

> **''شعرائے نعت اپنے آقا کے سفیر ہوتے ہیں۔ اس سفارت کاری پر دونوں جہان ہی نہیں، کروڑوں جہان بھی ہوں تو قربان کیے جاسکتے ہیں۔ قصرِ اقتدار کی ساری توانیاں حضور کی غلامی پر نثار، کائنات کا ذرّہ ذرّہ حضور کے قدموں کی خیرات کا تمنّائی ہے۔ نعت شائستگی ،متانت اور سنجیدگی کا آخری معیار ہے۔''**

کائنات محوِ درود ہے کی حُسنِ ترتیب ایک نظر میں دیکھیے۔ اظہاریہ، دوحمدیہ، حمد و نعت، چہارنعتیہ، سہ نعتیہ، دونعتیہ، ثنائے خواجہ کا تسلسل جاری ہے۔ چودھری صاحب نے اس پندرہویں مجموعۂ نعت میں بھی جدّت طرازی اور ندرت کاری کے زر و جواہر بصورت نعت پیش کیے ہیں۔

شاعرِ موصوف نے یہاں پر بھی اپنی روایت کو برقرار رکھتے ہوئے ایک بامعنی اور بامقصد شعر کو نذرِ قارئین کیا ہے۔

بفیضِ نعت عمرِ مختصر کی شامِ حیرت میں
جہاں تک یاد پڑتا ہے چراغاں ہی چراغاں ہے

ریاضؔ حسین چودھری کی ایک خصوصیت ہے جو اُنھیں دوسرے شعرا سے ممتاز کرتی ہے۔ ان کی نعتیہ شاعری میں نت نئے مضامین، اسالیب نعت کی قوس قزح میں دھنک رنگ شامل ہیں۔ کہیں پر بھی یکسانیت کا گمان، خیال کی تکرار اور لفظوں کی ہم آہنگی نظر نہیں آتی۔ وہ شعوری طور پر نعت کہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی شاعری میں جدید نعت کی سوچ اور اظہار کے نئے نئے طریقے نظر آتے ہیں۔ ان کی نعتیں صرف صفحہ قرطاس پر نہیں بلکہ لوحِ دل میں جاگزیں ہوجاتی ہیں۔

ریاض صاحب کو نعتیہ قطعات نگاری میں بھی کمال حاصل ہے۔ وہ اپنی نعتوں کی طرح قطعات کو بھی اہتمام سے پیش کرتے ہیں۔ فردیات، ثلاثی اور قطعات نگاری ان کی شاعری کے بنیادی لوازمے ہیں۔ اس قطعہ میں معنوی تفہیم کے ساتھ اس کی روانی اور سلاست کے انداز کو دیکھیے۔

ورق ورق پہ سجود و قیام کرتے ہیں
درود پڑھ کے نبی کو سلام کرتے ہیں
تمام لفظ ادب سے خموش رہتے ہیں
درِ حضور پہ آنسو کلام کرتے ہیں

ایک اور نعتیہ قطعہ ملاحظہ کیجیے۔

ہزار بار ہو سیراب آبِ زم زم سے
وضو کرے شبِ مدحت یہ چشم پُرنم سے
قلم کو چوم لے خوشبو دیارِ طیبہ کی
لکھوں میں نعتِ پیمبر ادب کے ریشم سے

ریاضؔ حسین چودھری جدید اُردو نعت کہنے والوں میں قابلِ صد احترام ہیں۔ یہ ان کے طبع شدہ مجموعہ ہائے نعت کا احوال ہے۔ جو اُن کے شایانِ شان تو نہیں، مگر ایک ادنیٰ سے عقیدت گزار کی عقیدت کا اظہار ضرور ہے۔

الحمدللہ! میں ریاض چودھری کے کام اور کلام سے بہت پہلے سے واقف ہوں۔

میرے مرتب کردہ تذکرہ و انتخابِ نعت ''ایک سو ایک پاکستانی نعت گو شعرا'' میں بھی چودھری صاحب شامل ہیں۔ رنگِ ادب کے روحِ رواں شاعر علی شاعر نے اس سلسلے میں مجھے چند کتابیں دی تھیں جس کی مدد سے میں نے ریاض چودھری کا ایک مختصر تذکرہ لکھ کر اس کتاب میں شامل کیا ہے۔

بعدازاں برادرم صبیح رحمانی نے کائنات محوِ درود ہے کا مسوّدہ میرے پاس بھیجا کہ میں اس مجموعہ پر اپنے تاثرات رقم کروں۔ میں ان کی اس محبت پر سپاس گزار ہوں کہ اُنھوں نے مجھے ریاض کی ریاضتِ نعت سے قریب تر کردیا۔

جدید لفظیات اور نئی تراکیب کے حوالے سے میں ریاضؔ صاحب کی نعت سے بہت متاثر ہوں۔ درودِ پاک کی برکت سے اس مجموعہ کی ورق گردانی نے مجھے شرحِ صدر عطا کیا۔ معاً دل میں یہ خواہش بیدار ہوئی کہ اس عاشقِ نعت (ریاض حسین چودھری) کا تذکرہ میں اپنے انداز سے لکھوں۔ سو میرا مرتب کردہ یہ تذکرہ میری کج مج بیانی کا ادنیٰ سا اظہار ہے جس میں میری طالب علمانہ کاوشیں بھی شامل ہیں۔

رشید آفریں

شعور و احساس اور انوارِ سرمدی

6 اگست 2017ء کو یہ روح فرسا خبر سنی کہ جناب ریاض حسین چوھری اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ یعنی شہرِ اقبالؒ کے عظیم نعت گو شاعر ہم میں نہیں رہے اور ایک ایسا خلا پیدا کر گئے ہیں جو شاید آئندہ کئی صدیوں میں پورا نہ ہو سکے۔

ریاض حسین چودھری کا نام برصغیر کی اردو نعت گوئی میں ایک معتبر حوالہ ہے، صنفِ غزل میں بھی وہ ایک منفرد مقام رکھتے ہیں اور اردو ادب میں ان کی غزل کو نہایت توانا اور موثر سمجھا گیا ہے۔ اب چونکہ انہوں نے نعت کو اوڑھنا بچھونا بنالیا تھا اس لیے نعت گوئی میں محویت نے ان کے شعور کو اپنے رنگ میں رنگ لیا۔ یہاں تک کہ نعت کا حوالہ ہی ان کی جان پہچان بن گیا۔ انہوں نے نعت گوئی میں متعدد صدارتی و صوبائی ایوارڈ اور اعزازات حاصل کیے:

چراغِ نعت جلتے ہیں مرے چھوٹے سے کمرے میں
مرے آنگن کی چڑیاں بھی درود پاک پڑھتی ہیں

مجھے خود اپنے تشخص کی کیا ضرورت ہے
ترا حوالہ ہی سب سے بڑا حوالہ ہے

انہوں نے یکے بعد دیگرے ۱۳ عدد نعتیہ شعری مجموعے پیش کیے ہیں جو عوام و خواص سے بے پناہ دادِ تحسین حاصل کر چکے ہیں اور کر رہے ہیں، ان کے نام بالترتیب اس طرح ہیں:

۱۔ زرِ معتبر۔ ۲۔ رزقِ ثناء۔ ۳۔ تمنائے حضوری۔ ۴۔ متاعِ قلم۔ ۵۔ کشکولِ آرزو۔ ۶۔ سلام

علیک۔ ۷۔خلدِ سخن۔ ۸۔غزل کاسہ بکف۔ ۹۔طلوعِ فجر۔ ۱۰۔آبروئے ما۔ ۱۱۔ زم زمِ عشق۔ ۱۲۔تحدیثِ نعمت۔ ۱۳۔دبستانِ نَو۔۔۔ انہوں نے اس مقدس صنف کے ذریعے نہایت ہی فراوانیٔ شوق اور خودسپردگی کے عالم میں جو گلہائے عقیدت خوش کن الفاظ اور دلکش ندرتِ بیان اور سلیقے قرینے سے کھلائے ہیں، اس کی مثال اردو نعت گوئی میں نظر نہیں آتی۔

ان کی نعت کا مطالعہ کرتے وقت یقین ہوجاتا ہے کہ رسول کریمﷺ کی محبت ہی ان کی فکر و نگاہ کا محور ہے اور وہ اسی محو وغرقاب ہیں۔ سرورِ دو جہاںﷺ ہی ان کی محبت کی ابتدا اور انتہا ہیں وہ نعت کہتے ہوئے صرف اپنی ہی ذات کے لیے بخشش اور خیرو برکت کے طلبگار نہیں بلکہ پوری ملت اسلامیہ اور ارضِ وطن کا درد اور احساس بھی ان کی فریادوں اور التجاؤں میں جھلکتا ہے اور جس کے لیے وہ ہر لمحہ ایک ادنیٰ غلام اور سوالی بن کر اس کی بقا اور اتفاق و یکجہتی کے لیے دعا گو دکھائی دیتے ہیں۔

ریاض حسین چودھری کا شمار غزل کے نامور شعراء میں ہوتا ہے لیکن جب سے انہوں نے نعت گوئی کو اپنایا، نہ صرف نعت گوئی کی برکات سے عالمِ امکان کو مہکاتے رہے بلکہ انسان کے شعور و احساس کو انوار سرمدی سے جگمگاتے بھی رہے۔ انہوں نے اپنی زبان و بیان کی بلند پروازیوں سے نئی نئی تراکیب اور استعارے اور تشبیہات کو متعارف کرایا۔ وہ نعت گوئی کو ایک نہایت نازک صفت گردانتے تھے اور اشعار کہتے وقت بے انتہا محتاط نظر آتے تھے۔ حضورﷺ کی ذات اقدس کی تعریف و توصیف کا مضمون ہو یا ان سے موجودہ دور کے آلام و مصائب کا ذکر، ریاض عرض گزاری کا اپنا انداز رکھتے تھے جس میں ان کا والہانہ پن اور سوز و گداز قاری کو بے حد متاثر کرتا ہے اور وہ بھی اپنے آپ کو ان لمحات میں احترام وعقیدت میں ڈوبا ہوا محسوس کرتا ہے۔ یہی تو نعت کی اصل معراج ہے جس کی خدا تعالیٰ نے ریاض کو توفیق عطا کی تھی اور یہی اس کے لیے دنیا اور آخرت کے لیے سب سے بڑا اعزاز و انعام ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام اور محتوں کے صدقے خیرالانام رسولِ عربیؐ کے قرب سے نوازے۔ آمین

پروفیسر ڈاکٹر محمد اشرف کمال

ریاض حسین چودھری کا نعتیہ شعور

ریاض حسین چودھری نعت اور تنقیدِ نعت کا گہرا شعور رکھنے والے شاعر اور ادیب ونقاد کے طور پر سامنے آئے۔ انھوں نے اردو نعت کواپنے شعور کا اس طرح لازمی حصہ بنالیا کہ اس کی خوشبوان کے لاشعور کے اندر تک پھیلتی چلی گئی۔ جہاں کہیں بھی نعت پہ کام ہوتا اور کوئی بھی شخص اس حوالے سے کچھ نئی بات کرتا وہ اس کو سراہتے اور اس پہ تبصرہ کرتے۔

انھوں نے اپنے پہلے شعری مجموعے کی تشکیل وتکمیل کا کام روضۂ رسول پہ حاضری سے پہلے انجام دے لیا تھا۔ پھر انھوں نے روضۂ رسول پہ حاضری دی اور وہاں اپنی فکری کائنات کو جس طرح جلا بخشی اس نے ان کی تحریروں میں نئی جدت پیدا کی اور اپنی کیفیات اورمحسوسات کو بڑے خوبصورت الفاظ میں صفحہ قرطاس پہ منتقل کیا۔

اس کتاب''نقدِ نعت پر ریاض حسین چودھری کے افکار'' میں ان کی نعت سے متعلق نثری تحریریں، تبصرے، تنقیدات، حج سے متعلق سفرکی صورت حال اور انٹرویوز شامل کیے گئے ہیں۔جس سے ان کی زندگی کے وہ متنوع پہلو سامنے آتے ہیں جن میں حبِ نبی اورشعورِنعت موجزن نظرآتا ہے۔

کتاب کے آغاز ہی میں ان کے پہلے مجموعہ نعت''زرِمعتبر'' کا پیش لفظ شامل کیا گیا ہے:

> ''میرا ہر لفظ باوضو ہوکر اور میری ہرسانس احرام باندھ کر والیٔ کون مکاں کی بارگاہ اقدس میں سربسجود ہے۔کشکول آرزو زرِمعتبر سے لبریز ہے، بازارِ مؤدت کا سب سے مستند حوالہ، امیروفقیر، شاہ وگدا کی کوئی تفریق نہیں، عربی کو عجمی پر اور عجمی کوعربی پر کوئی فوقیت

حاصل نہیں، یہ زندہ اور توانا احساس اُس پیکرِ جمال لے نقوشِ پا کے تصدق میں ظہور پذیر ہونے والے بے مثال ا ور لازوال موسموں کی رعنائیوں اور شادابیوں سے اکتساب نمو کر رہا ہے جو مقصودِ تخلیقِ دو عالم ہے۔''

ان سطروں میں انھوں نے اپنے مخصوص نثری جملوں میں نہ صرف اپنے احساسات وجذبات اور کیفیات کی عکاسی کی ہے بلکہ کائنات کی تشکیل کی وجہ بھی بیان کر دی ہے ۔اور ساتھ ہی انسان کے سماجی حوالے سے قرآن اور رسالت مآب کے ارشادات بھی بیان کردیے ہیں۔

وہ ادب اور نعتیہ ادب کے حوالے سے اپنے مخصوص اور دلکش اسلوبِ بیان میں لکھتے ہیں:

''ادب اپنے عہد کے تخلیقی اور سماجی رویوں کی کوکھ سے جنم لینے والی خوشبو کا نام ہے اور خوشبو کا امتیازی وصف یہ ہے کہ زمان ومکان کی حد بندیوں سے ماوراء ہوتی ہے۔یہی خوشبو حسن وجمال کے پیکر میں سجتی ہے اور جذبات کی شبنم کے خنک اور گداز لمس سے ہمکنار ہوتی ہے ۔''

ان کے خیال میں شعر جب لوحِ احساس پر شفق کی مانند پھوٹتا ہے تو تب کہیں جاکر خیال کی خوشبو سے ہم آہنگ ہوتے ہوئے ظہور پذیری کے عمل سے گزرتا ہے۔فرماتے ہیں:

''شاعری جب دہلیز مصطفیٰ کو چوم کر کیفِ دوام میں سرشار ہوتی ہے اور تخلیقی سطح پر خود سپردگی دائرہ عمل میں آتی ہے تو نعت قرطاس وقلم کو اپنے وجود کے اظہار کا اعزاز بخشتی ہے۔''

ان کی تحریر میں جس طرح عقیدت واحترام کی فضا پائی جاتی ہے اور جس طرح وہ نبی کریمﷺ سے اپنی والہانہ محبت وعقیدت کا اظہار کرتے ہیں ، ان کی تحریر کا ایک ایک لفظ ان کی ثنا خوانی کے ویژن کو قاری کے دل ودماغ پر روشن کرتا چلا جاتا ہے۔

زندگی کی لاحاصلی اور بے قراریوں میں ایک چیز جو انھیں قرار دیتی رہی وہ حضوری کے لمحوں کا حصول تھا۔ جس کا ذکر اور اظہار ان کی تحریروں اور شعروں میں جا بجا جھلکتا ہے۔

لمحات حاضری کی تمنا لیے ہوئے

ایک ایک لمحہ عمرِ رواں کا بسر ہوا

حتیٰ کہ وہ بیماری اور نیم بیہوشی کے عالم میں بھی ذکرِ رسول اور مدحِ رسول کرنا نہیں بھولے۔ یہ عقیدت واحترام کا وہ درجہ ہے جو ہر کسی کو آسانی سے حاصل نہیں ہوتا۔

ان کی لفظیات میں ایک ایسا جادو ہے کہ ہر لفظ ایک نئے لفظ کا در کھولتا چلا جاتا ہے۔ایک ایسی طلسم نگاری ہے جو کہ پڑھنے والے کو ایک نئے جہان میں لے جاتی ہے اور کیفیات ومحسوسات کی نئی دنیاؤں سے روشناس کراتی ہے۔

''ہوا چراغ بانٹنے کا منصب سنبھالتی ہے اور خوشبوئیں نعت گو کے قلم کا طواف کرنے لگتی ہیں۔''

ان کے کے خیال میں غزل میں چاشنی بھی نعت کے وسیلے سے ہے۔

''غزل نے نعت کے دامن صد رنگ کی خلعت فاخرہ اوڑھ کر اپنی ہی سلامتی اور بقا کا اہتمام کیا ہے۔''

نعت میں ترسیل کا عمل رسول کریمﷺ کی محبت کی وجہ سے تیز تر ہوجاتا ہے۔

''ابلاغ کی چاندنی لفظ کے ظاہر ہی کونہیں اس کے باطن کو بھی منور

کر دیتی ہے۔''

''نعت اندر کی روشنی کے بھرپور ابلاغ کا نام ہے۔''

انھوں نے نعت کے حوالے سے اپنی تنقیدات میں ان پہلوؤں کو سامنے لانے کی کوشش کی ہے کہ جن سے احترام ذات کے ساتھ ساتھ رسولِ کریمﷺ کے افکار کو بھی نمایاں کیا جاسکے۔ فاضل بریلوی کے شعری ویژن کے بارے میں لکھتے ہیں:

''فاضل بریلوی نے شعوری اور لاشعوری دونوں سطحوں پر بارگاہ رسالت مآب میں تصویر ادب بن جانے کی روایت کو زندہ رکھا ہے بلکہ ادب واحترام کے حصار میں غزل کے رچاؤ اور بہاؤ کو مقید کرنے کا کارنامہ سرانجام دیا ہے۔''

نعتیہ مجموعوں پر تبصرے کر کے انھوں نے نعت گو شعراا ور ان کے نعتیہ کلام کو نعت کی ادبی تاریخ کا حصہ بنا دیا ہے۔

اس کتاب میں ان کے پانچ انٹرویو بھی شامل کیے گئے ہیں۔ان انٹرویوز کے دوران سوالات وجوابات سے کئی باتیں سامنے آتی ہیں۔ انھوں نے نعت گوئی کو اپنی زندگی کا نصب العین بنایا اور اسے زندگی بھر کا سب سے قیمتی اثاثہ سمجھا۔ وہ نعتیہ خیالات کو قرآن مجید کی تعلیمات سے جوڑتے ہیں:

''نعت کے حوالے سے میری سوچ قرآن کے فلسفۂ نعت سے مختلف نہیں۔قرآن کا فلسفہ نعت ربط رسالت سے ابلاغ پاتا ہے۔''

(انٹرویو از ڈاکٹر آفتاب احمد نقوی)

''جب تک لفظ احرام باندھ کر نہ نکلے، اور خیال باوضو نہ ہو، ذہن نعت کا مضمون سوچ ہی نہیں سکتا۔''

(انٹرویو از ڈاکٹر آفتاب احمد نقوی)

''چھٹی یا ساتویں میں تھا کہ پہلی نعت کہی۔ یہ نعت بچوں کے ایک رسالے ''کھلونا'' لاہور میں شائع ہوئی۔''

(انٹرویو از عمران نقوی)

''میں سمجھتا ہوں کہ ایک نعت گو کے لیے غزل گو ہونا بہت ضروری ہے۔''
(انٹرویو از عمران نقوی)

''میں نعت گوئی کی طرف شعوری طور پر نہیں آیا۔۔۔ مجھے تو یوں لگتا ہے جیسے دنیا میں آنے سے پہلے میری روح فضائے نعت میں سانس لے رہی تھی۔'' (انٹرویو از محمد طاہر۔ابرار حنیف مغل)

''نعت گوئی میری سرشت میں شامل ہے۔قدرت ہزار زندگیاں بھی دے تو ہر زندگی میں نعت گو بننا ہی پسند کروں گا۔''

(انٹرویو از محمد طاہر۔ابرار حنیف مغل)

''قرآن پاک کو ایک نعت مسلسل کہا جاتا ہے۔''

(انٹرویو از اشفاق نیاز)

''نعت درود وسلام کے پیکرِ شعری کا نام ہے ہدایت آسمانی کی آخری دستاویز قرآن مجید فرقان حمید میں تاجدار کائنات حضور رحمت عالم ﷺ کے محامد ومحاسن کی دھنک پھیلی ہوئی ہے۔''
(انٹرویو از اشفاق نیاز)

''وہ جدت بے معنی ہے جس کی جڑیں اپنی روایت میں پیوست نہیں۔'' (انٹرویو از فاروق قمر صحرائی)

ان کے انٹرویوز سے نعت اور نعت گوئی کے حوالے سے کئی باتوں کا پتہ چلتا

ہے۔ کئی سوالات کے ایسے جوابات اور معلومات ملتی ہیں جن کی وجہ سے قارئین ان کے خیالات وافکار سے صحیح معنوں میں روشناس ہوتے ہیں۔

اس کتاب کے آخر میں نثری نعت کے حوالے سے ان کے خیالات کو پیش کیا گیا۔ نثری نعت کو منظوم نعت سے کس طرح ممیّز کیا جاسکتا ہے ۔اور شاعری کے مقابلے میں اسے ہم کس جگہ رکھ سکتے ہیں، یہ اہم مباحث ہیں ۔

ہمارے یہاں عام طور پر نعت سے مراد یہی لی جاتی ہے کہ وہ شاعری کی صنف ہے مگر اس تحریر سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ نعت کو نثر کے آہنگ ، لہجے اور اسلوب میں لکھا جاسکتا ہے۔نعت کے لیے کوئی کسی قسم کی حد بندی نہیں یہ کسی بھی صنف میں لکھی جاسکتی ہے مگر صرف رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ادب اور احترام کوملحوظ خاطر رکھنا اس کا لازمی خاصہ ہے۔چونکہ یہ نثر میں ہے اس لیے نثریت تو اس میں موجود ہی ہے مگر اس میں شعریت کا ہونا بھی ضروری ہے۔نثر میں شعریت کا تصور اس مضمون سے ہے جسے پیش کیا جارہا ہے۔ جہاں نثر میں متن تخلیقی نثر کی قلمرو میں داخل ہوتا ہے وہاں اس میں تخلیقیت اور شعریت کا ہونا ضروری قرار پاتا ہے۔ چند نثری جملے ملاحظہ کیجئے:

''سامنے رنگ ونور کی ایک دنیا آباد تھی ،کشتِ آرزو میں رحمت کی بادِ بہاری چل رہی تھی، آسمانوں سے کہکشاؤں کے جھرمٹ اتر کر خالقِ وارض سما کی ربوبیت کا اعلان کر رہے تھے ، میں اپنا بیگ اٹھائے حرم شریف کی طرف بڑھ رہا تھا ۔مجھے شوق فراواں کی ہمرکابی میسر تھی۔ یہ خیال دامن میں لپٹ گیا کہ حرم کی انہی دلکش فضاؤں میں میرے حضور بھی سانس لیتے ہوں گے ۔انہی پہاڑوں نے میرے آقا کے چہرۂ انور کی زیارت کی ہوگی ۔آقا علیہ السلام کا مقدس بچپن انہی گلیوں میں گزرا ہوگا۔متانت شائستگی اور سنجیدگی کے الفاظ کی تخلیق انہی کی گردِ پا سے ہوئی ہوگی۔یہی چاند میرے آقا کی

انگشتِ مبارک کے اشارے پر وجد میں آیا ہوگا اورشق القمر کا معجزہ رونما ہوا ہوگا۔''

یہاں لفظ' بیگ' شعری مزاج کا حامل نہیں ہے۔ یہ نثر کا نمائندہ ہے مگر دیگر الفاظ تخلیقی متن میں شامل ہوتے ہیں اسی لیے تخلیقی نثر کی تشکیل کے امکانات میں شامل ہوکر اپنا جاندار کردار ادا کر رہے ہیں۔

ان کے سفرِ حج سے متعلق یاداشتوں میں حج اور عمرہ کا سارا فلسفہ خوب صورت انداز میں بیان ہوا ہے:

''میں حالتِ احرام میں تھا اور عمرہ کی ادائیگی کا فریضہ جلد از جلد ادا کرنا چاہتا تھا۔زندگی ہی میں کفن بدن پر سجا کر جب انسان اپنے پروردگار کے حضور حاضر ہوتا ہے تو زمینی رشتے کچے دھاگوں کی طرح ایک ایک کرکے ٹوٹ جاتے ہیں سو میرے ساتھ بھی یہی ہوا۔فکری اور نظری رشتے خون کے رشتوں پر غالب آ چکے تھے۔''

ریاض حسین چودھری ایک بے مثال شعر کہنے والے شاعر ہی نہیں بلک خو بصورت نثر اور تنقید لکھنے والے ادیب و نقاد کے طور پر بھی اہمیت رکھتے ہیں۔ ان کی شاعری اور نثر خاص طور پر رسولِ کریم کی مدحت سے نمو پاتی ہیں۔انھوں نے شاعری اور نثر کے پیرائے میں جو کچھ لکھا ہے وہ روایتی تحریریں نہیں ہیں کہ جنھیں کچھ عرصہ بعد بھلا دیا جائے بلکہ ان کی تحریروں کے حوالے سے بات ہوتی رہے گی اور ان کے لکھے گئے لفظوں سے قارئین فیض حاصل کرتے رہیں گے۔

شیخ عبدالعزیز بادغ نے جس ترتیب اور انداز سے ریاض حسین چودھری کی تحریروں کو مرتب کیا ہے اس سے یہ کتاب ایک گلدستے کی صورت اختیار کرگئی ہے۔ ایک ایسا لفظوں کا گلدستہ جس میں کئی قسم کے پھول اکٹھے ہوں ، ہر ایک اپنی اپنی جگہ خوب سے

خوب تر۔اورحسین سے حسین تر۔انھوں نے ریاض حسین چودھری کی تحریروں کو جمع کر کے ایک اہم فریضہ سرانجام دیا ہے۔جس کو جتنا بھی سراہا جائے وہ کم ہے۔

ڈاکٹر سید یحییٰ نشیط

نعتِ ریاض

عقیدے کی شاعری کے متعلق یہ سمجھا جاتا ہے کہ تقدس کی نورانی فضا جو روایتی قدروں کی بدولت شاعری میں عود کر آتی ہے وہ شعریت کو ماند کر دیتی ہے مگر ان قدیم رو ایتوں سے منہ موڑنا اور ان کی اہمیت و افادیت سے انکار کرنا ایک ادبی نقصان سے کم نہیں ۔اس لیے گو کہ ہم اپنے قدیم ادبی اثاثے اور اس کی روایتوں کی حدود میں محصور نہیں رہ سکتے مگر انھیں نظر انداز بھی نہیں کر سکتے ۔عصری ادبی تجربات کی اہمیت مسلم ہے، لیکن کوئی ادب اپنی کلاسکی روایتوں سے قطع تعلق کر کے زندہ نہیں رہ سکتا ۔

بیسویں صدی کے چھٹے عشرے سے ادب میں جدید رجحان پروان چڑھا ۔اس کے اثرات نئی مشرقی و مغربی اصناف ادب پر مرتب ہوئے تو ہمارا تقدیسی ادب بھی اس سے متاثر ہوا ۔چنانچہ حمد ،نعت ،منقبت ،مرثیہ ،مذہبی قصص وغیرہ میں عصری تقاضوں کا خیال رکھتے ہوئے نئے تجربات کئے گئے ۔اس کے اولین نقوش ہمیں عمیق حنفی کی نعتیہ تخلیق ''صلصلۃ الجرس''(طبع اول ۱۹۷۱ء)میں دکھائی دیتے ہیں ۔تقدیسی ادب میں جدیدیت کے علم برداروں میں بعد میں بیسیوں نام داخل ہوئے ،ان میں ریاض حسین چودھری کا نام اس لیے سب سے اہم ہے کہ ان کے وصال تک ان کے تیئیس نعتیہ مجامع مکمل ہو چکے تھے جن میں سے تیرہ منظر عام پر آ چکے تھے ۔'' وردِ مسلسل' 'ان کا آخری نعتیہ مجموعہ ہے جو ان کی وفات کے بعد شائع ہو رہا ہے جبکہ اولین مجموعہ'' زرِمعتبر'' کی اشاعت ۱۹۹۵ء میں عمل میں آئی تھی ۔اس مجموعے کی اشاعت کے بعد ریاضؔ مسلسل نعتیں لکھتے رہے اور''تمنائے حضوری کی خاطر'' کشکول آرزو''میں ''متاعِ قلم'' کی سوغات لے کر'' برستی آنکھوں'' سے''خلد سخن'' میں'' ریاض حمد و نعت'' تلاش کرتے رہے ۔

ریاضؔ کے بیس سے زائد نعتیہ مجامع کو ان کی زود گوئی یا بسیار گوئی پر محمول نہیں

کیا جا سکتا بلکہ وہ شوق کی وارفتگی اورجذبات کے وفور کے سہارے شگفتہ رَوی کے ساتھ محو درود کائنات میں اخروی نجات کی پناہ گاہیں تلاش کرتے ہیں۔ان کا ہرنعتیہ مجموعہ گویاان کے جہدِمسلسل کی ایک منزل ہے جسے پانے کے لیے استقلال کی کسوٹی شرط ہے۔ ریاض نے حبِّ رسول ﷺ کےتئیں اپنے استقلال اورلگن کا ثبوت ان مجامع میں بہم پہنچایا ہے ۔ وہ خود بارگاہ ایزدی میں تمام اوراق پر توصیف آقاﷺ رقم کرنے کے لیےقلم کے تا ابد رقص کرنے کی دعا کرتے ہیں ۔

ریاضؔ کے نعتیہ مجموعہ’’ وردِمسلسل‘‘ میں حمد ،نعت ،سلام جیسی موضوعی اصناف ہیں تو قطعات ،فردیات ،ثلاثی وغیرہ جیسی اصناف سخن بھی پائی جاتی ہیں ۔ان کے یہاں نعت کا روایتی اور رسمی اندازنہیں پایا جاتا، ،وہ اپنی نعتوں میں جدید تقاضوں کی پاسداری کرتے ہیں۔چاہے الفاظ کا درو بست ہو ،تراکیب کی بندش ہو ،خیال کی رعنائی ہو،مضمون آفرینی ہو یا معانی آفرینی ،ریاضؔ نعت کی ان جزئیات میں بھی جدت کا خیال رکھتے ہیں ۔خیال آفرینی کی ایک مثال دیتا چلوں تو اپنی ایک نعت میں وہ کہتے ہیں :

یا نبیؐ، اکھڑی ہوئی سانسوں کا بھی چارہ کریں
بے بسی کے خیمۂ انفاس میں رہتے ہیں ہم
سر برہنہ قافلے والے ہیں سورج کے تلے
خوب برسے قافلوں پر آپؐ کا ابرِ کرم
گر چکے قعرِ مذلت میں غلاموں کے ہجوم
عزمِ نو کے دیجئے امت کے بیٹوں کو علَم

ریاض نے نعتیہ اشعار میں شعری جمالیات نمایاں کرنے کے لیے بعض قدرتی اشیاء کے حسی پیکر تراشنے کی بھی کوشش کی ہے جیسے: بادشمال کا جشن مسرت سجانا ، باد صبا کا

چراغ ادب جلانا ، ہوائے گلستاں کا نعت پیغمبر سنانا، کلی کا نام لکھ دینا ،آنگن کے پیڑ وں پر لالہ وگل کا ہجوم ہوجانا ، خوش بو کا پیرہن بن جانا ،خوشبو کا لب اظہار قلم کی راجدھانی میں حروف لب کشا کا اترنا ،کلک ثنا کو ماہ تمام عطا ہونا وغیرہ ۔ان کے یہاں دھوپ ، جنگل ،چراغ ،ہتھیلی ،سایہ ،دیوار ،کے استعارے اوران سے بنے محاورے اور تراکیب کے استعمال سے نہ صرف یہ کہ اشعار میں معنوی حسن پیدا ہوا ہے بلکہ نعت میں جدت کی فضا پروان چڑھتی ہوئی محسوس ہوتی ہے ۔ریاضؔ کا ایک خاص کمال یہ ہے کہ وہ سامنے کی چیزوں کو اٹھا کر انھیں نئی معنویت عطا کرتے ہیں ۔تتلی ،آنگن ،شجر ،پتھر وغیرہ کا ان کی نعتوں میں استعمال اس کی مثال ہے ۔وہ رعایت لفظی کے ذریعہ جہان معنی سجانے کی بھی کوشش کرتے ہیں ۔جیسے انھوں نے ایک شعر میں ''اسم گرامی'' اور ٹھنڈک کو باندھا ہے ۔گو اس میں تضاد کا پہلو دکھائی نہیں دیتا مگر شاعر نے ٹھنڈک کے لفظ کو باندھنے کے لیے'' گرامی'' کو صنعت ناقص کے طور پر (گرمی رگرامی)استعمال کیا ہے جس سے شعر کے معنوی حسن میں اضافہ ہوگیا ہے ۔ان کے یہاں صنعت کے پیچیدہ استعمال کی یہ ایک مثال ہے ۔ایک شعر میں انھوں نے خامشی اورنطق و بیان کا استعمال بھی صنعت تضاد کے لیے کیا ہے ۔ریاضؔ کے یہاں اس طرح صنعتوں کے استعمال میں جدت کا اثر ونفوذ پایا جاتا ہے متذکرۂ بالا خصوصیات سے واضح ہو جاتا ہے کہ ریاضؔ کی نعتیہ شاعری میں عصری حسیت کے ساتھ شاعری کے جدید تقاضوں کو بھی فنکارانہ انداز میں برتا گیا ہے ۔

ڈاکٹر طاہرہ انعام

نامِ نبی ﷺ کا وردِ مسلسل

ریاض حسین چودھری کا یہ مجموعہ اسم بامسمّٰی ہے کہ ان اشعار میں جو بھی کیفیات بیان ہوئیں، جو احساسات لفظوں میں ڈھلے، جو دعائیں عجز و محبت کی نوا گر ہوئیں، سب میں تاثر کا ایک تسلسل ہے۔ مطالعہ کرتے ہوئے جابجا یہ خیال دامن گیر ہوتا ہے کہ یہی کیفیت، یہی جذبہ، یہی نیاز کسی گزشتہ شعر میں بھی جاگزیں تھا۔ ریاض صاحب کے نعتیہ کلام کی کثرت سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اپنے متعلق ان کا یہ گمان برحق ہے:

عالمِ ارواح میں مجھ کو قلم بخشا گیا
عشق کے رکھے گئے میری جبلت میں چراغ

ان کا سارا کلام اسی عشق کا اظہار ہے۔ جب عشق اور اظہار، دونوں قوتیں ودیعت ہوگئی ہوں تو پیہم عرضِ حال سے مفر کہاں۔۔۔ یہ زود گوئی انہیں مبہم تجربات کا موقع نہیں دیتی اور وہ طبعاً اس کے خواہاں بھی معلوم نہیں ہوتے۔ البتہ کلام میں ندرت کا لپکا ان کے دل میں ضرور موجود ہے۔ اس کا محرّکِ محض بھی عشق کی سرخوشی ہے جو خوش بیانی میں ڈھلنا چاہتی ہے ورنہ اہلِ فن پر دھاک بٹھانا انہیں مقصود نہیں وہ سادہ دِلی سے اپنا سچا حال کہتے چلے جاتے ہیں۔ آنکھیں ہمہ وقت طیبہ کی رہگزر پہ ہیں، دل مہجوری میں بھی حضوری کے مزے لوٹتا ہے۔ کیفیات کی شدت نئی نئی تصویریں بناتی ہے، یہ تصویریں کبھی محسوس کردہ اور بیتے ہوئے لمحات سے بنی ہیں اور کبھی چشمِ تخیل انہیں وقوع پذیر ہونے سے قبل ہی محسوس کرتی اور لفظوں میں اُجال دیتی ہے:

سردارِ کائنات کی چوکھٹ پہ رات سے
اک شخص ہے ، ہجومِ سَحَر میں گھِرا ہُوا
آنکھوں نے جھک کے چُوم لی چوکھٹ حضور کی
اب چل پڑے گا دیکھنا دریا رُکا ہوا
پہلے سے دست بستہ کھڑا ہے مرا خیال
آیا ہوں میں تو شہرِ نبی ﷺ میں ابھی ابھی
مدینے میں کھڑا ہے ایک مجرم ہتھکڑی پہنے
اسے بھی عمر بھر کی ہوں سزائیں یارسول اللہ ﷺ

رنگ، خوشبو، پھول، تتلی، جگنو، روشنی، چاند، ستارے۔۔۔ یہ سب الفاظ اُردو شاعری میں ہمیشہ سے مستعمل ہیں اور بالخصوص غزل کے پیکر میں سوسو طرح اپنی چھب اور نزاکت دکھاتے رہے ہیں۔ شاعر کا دستِ ہُنر لفظوں کے تیور اور تلازمات بدل دیتا ہے۔ کشفی صاحب کے بقول: غزل کا عشقیہ لہجہ بڑا امتحان ہے اور یہ تلوار کی تیز دھار پر سفر ہے۔ مبارک ہیں وہ لفظ شناس جو اپنے سلیقے اور ادب کی بنا پر سلامتی سے اس راہ گزر سے گزر جاتے ہیں۔ ریاض صاحب کو غزل میں نعت کی کھری شاعری سمو دینے پر بجا طور پر فخر ہے۔ متذکرہ بالا الفاظ کو انہوں نے اس رُوپ میں ادا کیا ہے کہ حُسنِ فطرت کا ہر زاویہ فیضِ رسالت سے سرشار نظر آتا ہے۔ وہ محسوس کرتے ہیں کہ نعت کہنے کے عمل میں لفظ، آواز کے جگنو بن کر چمکتے ہیں، روشنی شریکِ سفر ہوتی ہے۔ تتلیاں طوافِ قلم کرنے میں اپنے رنگ جھلکاتی ہیں، پتھریلے حروف بھی گلاب ہو جاتے ہیں۔ خوشبوؤں کے دریچے کھُل جاتے ہیں۔ چاندنی پرکُشا ہوتی ہے۔ مہ و مہر کی کرنیں وجد میں آ جاتی ہیں۔۔۔

انہی احساسات نے ان کے نرم لہجے میں جمالیاتی آہنگ پیدا کر دیا ہے:

اترا ورق پہ چاند ستاروں کا اک ہجوم
رعنائی خیال قلم سے لپٹ گئی
بکھر جائیں گے اب آواز کے جگنو ہواوں میں
بیاضِ نور و نکہت کو سپردِ چشم تر کرنا
طائف کے سنگ ہاتھ میں لے کر سرِ بدن
فصلِ یقین و عزم اُگائیں گے تتلیاں
انوار کی بارش میں مجھے ایسے لگا ہے
جیسے میں کئی چاند ستاروں سے بنا ہوں
کتنی عجیب عرضِ تمنا ہے اے خدا!
کشتِ ثنا میں تتلیاں جگنو اُگا کریں
خوشبو ریاض چھپ کر اوراق پر بچھی ہے
جب بھی ثنا کروں گا رُت سرمدی ملے گی

وردِ مسلسل کی نعتوں میں ایک واضح تاثر اس بات کا ہے کہ ریاض صاحب نے حضورِ پاک ﷺ کی خدمت میں جو بھی عرض کی ہے خواہ محبت اور مجبوری کا حال کہا ہے، خواہ مستقبل میں عشق و یقیں کی گیرائی طلب کی ہے۔ وہ کہیں بھی اپنی اولاد کے ذکر سے غافل نہیں ہوتے۔ ان کے لیے بھی مسلسل حاضری کا شرف چاہتے ہیں۔ ان کے لبوں پر نعتِ

نبی ﷺ کے گلاب کھلنے پر افتخار محسوس کرتے ہیں۔ حلقہ مدحت میں رہنے کے لیے انہیں آدابِ غلامی ازبر کرانا چاہتے ہیں۔ گویا ایک سچے اُمتی کی طرح آئندہ نسلوں کو بھی عشقِ رسول کے جواہر سے مالامال دیکھنا چاہتے ہیں تبھی نوکِ قلم سے اس مجموعے میں جابجا یہ دعائیں پرو دی گئی ہیں:

خدا کرے کہ قبیلے کا ایک اک بچہ
تمام عمر انھی کی گداگری میں رہے

بچے کھڑے ہیں گھر کی کنیزوں کے درمیاں
آقا! قبول ہو مری نسلوں کا انکسار

تصور میں جوارِ گنبدِ خضرا میں سب بچے
گھروندے آرزوؤں کے بنائیں یارسول اللہ ﷺ

ہوائے تند ہے ، امواجِ سرکش کے پسِ پردہ
گھروندے میرے بچوں نے بھی ساحل پر بنائے ہیں

نعت ہی میری نسلوں کی پہچان ہو
زندگی کے سفر میں وہ حالات دیں

ریاض صاحب کے کلام میں خیال اصلی صورت میں بے ساختہ اورسہولت سے بیان ہوتا ہے۔ مجازی قرینوں میں بھی ان کا شعر متذبذب نہیں ہوتا بلکہ صریحاً نعت ہونے کا اعلان کرتا ہے۔ تلمیحات کا استعمال کم ہے اور جہاں ہے وہ بیشتر اسلامی تاریخ ہی سے ماخوذ ہے۔ سیرتِ سرکار دو عالم ﷺ کی روشنی میں وہ عصرِ حاضر کے تمام فکری مغالطّوں

سے نکل آنے کی راہ دکھاتے ہیں۔ وہ نعت سے اس منصبِ عظیم کو نبھانا چاہتے ہیں کہ تشکیک کا گردوغبار دولتِ یقین سے چھٹ جائے اور اسوہ حسنہ کے تذکار سے حسد و انتقام کے شعلے گلزار ہو جائیں۔

آنحضور ﷺ کی بارگاہ میں اُمت کا حال عرض کرتے ہوئے ان کے لفظ گواہی دیتے ہیں کہ ان میں سماجی اور سیاسی المیوں سے آگاہی، عصری حسیت اور جبر و استحصال کا کرب پنہاں ہے:

سالارِ قافلہ کو قواعد کی دیں کتاب
اُمت کی یا رسول ﷺ یہ سانسیں ہیں آخری
تاریک شب سے دوستی کرنے کے جرم میں
آقا! چراغ روشنی دیتے نہیں مجھے
لوگ کتنے ہیں خدا بننے کے شر میں مبتلا
میری پیشانی پہ سجدوں کا نشاں خطرے میں ہے
ہر ورق پہ سسکیاں چھوٹے ممالک کی حضور ﷺ!
گنبدِ خضرا کا موسم آج کے اخبار پر
نمایاں ہو نہیں پائے نشاں ٹھنڈی ہواوں کے
غبارِ فتنہ و شر میں بنی جی ہے وطن میرا
ہزاروں خارجی گندم چُرا لیتے ہیں کھیتوں سے

تصرّف میں نہیں میرے ابھی کوہ و دمن میرا

ریاض صاحب نے نعت رنگ (17) کے ایک مضمون میں لکھا کہ غزل کی داخلی کیفیت کا پورا نظام بنیادی طور پر نعت گو کا فنی حوالے سے تربیتی نصاب ہے۔۔۔۔خود اُن کی نعتیہ غزل اس بات کی شاہد ہے کہ انہوں نے اس نصاب سےبھر پور استفادے کے بعد، شعری روایت کے انجذاب کے بعد مدحتِ سرکار ﷺ پر قلم اُٹھایا ہے اور دیگر اہلِ ہُنر سے بھی یہی تقاضا کیا ہے کہ اِظہار و ابلاغ کی قوتیں، لایعنی تفکرات اور بے سمت خیالات میں صَرف نہ ہونے پائیں:

سخن ابہام کے کوچے میں آ نکلا ہے ہم نفسو!
عروسِ شعر کو نعتِ نبی ﷺ کے سرخ گہنے دو

معمور ہو جو اسم محمد ﷺ کے نور سے
شہرِ غزل میں ایسی کھری شاعری کریں

تو نے ریاض اذنِ خدا سے بصد خلوص
کشتِ غزل میں نعت کا موسم اُگا دیا

حضور ﷺ سے عشق اور حضور ﷺ کی مدح کا شوق صرف ان کے قلم ہی کے محرّک نہیں رہے بلکہ اس جذبہ عشق کا وفور ان کے نفس نفس میں تادمِ آخر رہا۔۔۔تبھی اس شعر میں جو لپک ہے وہ بیان سے باہر ہے:

بچو! دمِ رُخصت مرے کہنا یہ اجل سے
ابّو تو ابھی مدحتِ سرکار میں گم ہیں

شیخ عبدالعزیز دباغ

ریاض کے معنویت کے ذرائع

ریاض حسین چودھریؒ ایسے شاعر رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جن کے کلام پر بات کی جائے تو سوچنا پڑ جاتا ہے کہ بات کہاں سے شروع کی جائے کیونکہ ان کے کلام کی وسعت کا احاطہ کرنا مشکل مرحلہ ہے جب کہ ان کے مضامین نعت کے تنوع کو سمیٹنا بھی اتنا ہی دقیق کام ہے۔ یہ مجموعۂ کلام ان کا تئیسواں مجموعہ ہے جب کہ معیار کلام کی بات کریں تو جب ابھی بارہ مجموعہ ہائے نعت ہی شائع ہوئے تھے تو ان میں سے چھ کو صدارتی اور سیرت ایوارڈز مل چکے تھے۔

ان کا نعتیہ کلام ۲۳ مجموعوں پر مشتمل ہے جو ان کی ویب سائٹ riaznaat.com پر موجود ہیں۔ چودھری صاحب کے نعتیہ مجموعوں کے تعارف کے لئے نامور شعرا اور ادیبوں نے قلم اٹھایا ہے اور انہیں صف اول کے جدید اردو نعت نگاروں میں ممتاز مقام کا حقدار ٹھہرایا ہے۔ کسی نے پیشوایت کا درجہ دیا ہے تو کوئی انہیں جدید اردو نعت نگاری کا امام گردانتا ہے۔ مگر یہ تو اپنی اپنی رائے ہے۔ ان کا اصل مقام تو وہ ہے جو کہ نعت خود انہیں عطا کرے گی۔

ریاض نے طویل اور بھرپور نعت نگاری کی ہے جس کے لئے وہ 'نعت مسلسل' کی ترکیب بھی استعمال کرتے ہیں۔ ان کے ہاں لفظ مسلسل کی معنوی تہیں ان کے پورے کلام کو محیط ہیں۔ ''مسلسل'' کا لفظ ان کے ہر مجموعہ کلام میں مختلف صورتوں میں کئی بار استعمال ہوا ہے۔ پہلے ہی مجموعے ''زرِ معتبر'' میں یہ لفظ کوئی سولہ مرتبہ آیا ہے اور نعتِ مسلسل، کیفِ مسلسل، اضطرابِ مسلسل اور فیضانِ مسلسل جیسی تراکیب استعمال کی گئی ہیں، جہاں وہ لکھتے ہیں کہ قرآن ایک مسلسل نعت ہے اور خود اسمِ محمد ﷺ ایک

مسلسل نعت ہے:

رِیاضؔ اسمِ محمدؐ تو خود اِک نعتِ مسلسل ہے
ترے الفاظ کیا، تیرا قلم، تیری زباں کیا ہے

یوں ریاض نے ''بھرپور'' نعت لکھی اور مسلسل لکھی۔ ریاض جب نعت لکھنے لگتے ہیں تو لکھتے چلے جاتے ہیں۔اس مجموعہ نعت کا نام ہی'' وردِ مسلسل'' رکھا ہے۔ اس سے مراد محض زود گوئی اور بسیار گوئی ہی نہیں ، بھرپور اور مسلسل ارتقائے معنویت کی حوالے سے بھی اہمیت کے حامل ہیں۔ ان کا علامتی نظام، اوراستعاروں کا مربوط استعمال ان کے اشعار میں معانی کی تہوں کو وجود بخشتا ہے۔مسلسل اور بھرپور ایسے ہی لب کشا الفاظ ہیں۔ ریاض نے جوطویل نعت نگاری کی، اس کی مثال ایک خود رو چشمے کی طرح ہے جو پھوٹ پڑتا ہے اور بہنے لگتا ہے اور بہتا چلا جاتا ہے اور اسے "زم زم" کہنے والا کوئی نہیں۔ اس طوفانی چشمے کے پیچھے کون سا تخلیقی عمل کارفرما ہے اسے ریاض ازل سے نعت گوئی کا تخلیقی تجربہ قرار دیتے ہیں جس کا اظہار ان کے تمام مجموعہ ہائے نعت میں ملتا ہے۔

''مسلسل'' کے لفظ کو وہ حسن کارانہ انداز میں استعمال کرتے ہیں:

ہر حرفِ آرزو میں مدینے کی دلکشی
ڈوبی ہوئی ہے کیفِ مسلسل میں زندگی

گھر کی فضا میں صلِّ علیٰ کے جلیں چراغ
گھر میں رہے درودِ مسلسل کی روشنی

صدقہ مرے قلم کا اتارے ہے آسماں، میرے لبوں کو چومنے آئی ہے کہکشاں
مَیں نے کہی ہے نعتِ مسلسل ابھی ابھی، حرفِ ثنا قبول ہو، آقا حضور جیؐ

توصیف کا منصب مرے اشکوں کو ملا ہے
الفاظ میں ہوتا نہیں اظہار مسلسل

پلکوں پہ فروزاں مرے اشکوں سے بھی آقاؐ
رہتی ہے ہوا بر سرِ پیکار مسلسل

ریاض کی نعت کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ وہ اپنی نعت کو نعت مسلسل بنانے کے لئے علامات اور استعارات کا ایک نظام وضع کر کے اظہار کے گجرے سجاتے ہیں اور یہی ان کے ہاں تہہ در تہہ معنویت کے ذرائع ہیں۔ غزل ایک صنف سخن ہے مگر ان کے ہاں یہ ایک بھرپور استعارہ ہے۔ قلم ان کے ہاں حسنِ شعریت کا وسیلہ ہے۔ تخیلات کی بہاریں ان کے اشعار میں جگنو بن کر روشن ہونے لگتی ہیں اور لب کشا الفاظ وہ تتلیاں ہیں جو تخلیق نعت کے لمحوں میں قلم سے لپٹنے لگتی ہیں۔

شب بھر رہی شریکِ سفر روشنی، حضورؐ
جگنو تمام، تتلیاں سب، میرے ساتھ تھے

غزل اور نعت کا موازنہ ان کا محبوب مضمون ہے۔ ان کی جدید اردو نعت میں اس طرح کے مضامین رگِ جاں کی حیثیت رکھتے ہیں جن کا ورد مسلسل کشتِ غزل بن جاتا ہے:

تو نے ریاضؔ اذنِ خدا سے بصد خلوص
کشتِ غزل میں نعت کا موسم اگا دیا

فنِ شعر کے معیار اور اعلیٰ جدیدیت کے حوالے سے ریاض نے اپنی مدحت نگاری میں ''غزل'' کو فنِ شعریت کے استعارے کے طور پر استعمال کیا ہے۔

اک عجب سا کیف ملتا ہے سرِ شامِ غزل
مدحتِ خیر الوریٰ کی آرزو کرتے ہوئے

اسی طرح ریاض کے کلام میں قلم ایک مضبوط اور وسیع استعارے کے طور پر استعمال ہوا ہے جسے وہ اپنے دیگر استعاروں کے ساتھ گہری معنوی رعایتوں کے ساتھ استعمال کرتے ہیں۔ اِس سے جو حسنِ کلام وجود میں آتا ہے اس کو صرف محسوس ہی کیا جا سکتا ہے۔

ہر ایک لفظ کے باطن میں کہکشاں سمٹے
قلم ریاضؔ کے ہاتھوں میں چاندنی کا ہے

اب تک قلم کو چومنے آتی ہے کہکشاں
تختی کبھی لکھی تھی پیمبرؐ کے نام کی

اترا ورق پہ چاند ستاروں کا جب ہجوم
رعنائیِ خیال قلم سے لپٹ گئی

تتلی ریاض کے کلام میں ایک اور خوبصورت استعارہ ہے جو ان کے اسلوب اور معنویت کلام میں دھنک رنگ بکھیرتا ہے اور جسے وہ کمال مہارت سے استعمال کرتے ہیں۔ اس سے انہوں نے حسن معنی کو ایسا جمال بخشا ہے جو اس سے پہلے کہیں ذوق کی تسکین کا ساماں کرتے نظر نہیں آیا۔ دیکھیں تتلیوں کو کن کن معانی اور مفاہیم کے لئے استعمال کیا گیا ہے۔ یہ تو ایک مسلسل نعت ہے، فردیات میں بھی اس حسن معانی کی تجلیات یوں ہی بکھری نظر آتی ہیں:

قندیل آرزو کی جلائیں گی تتلیاں

لب پر حروفِ نعت سجائیں گی تتلیاں
ہر شب میں نعت لکھتا ہوں گلشن کی تتلیو!
ہر شب طواف میرے قلم کا کیا کرو

ریاض نے خوشبو کا استعارہ بھی اسی حسنِ فن کے ساتھ اپنے سارے کلام میں استعمال کیا ہے۔ مدحت رسول کو بھی وہ خوشبو کہتے ہیں۔مگر دیکھیں وہ اس استعارے کو کن رعایتوں کے ساتھ استعمال کر کے اپنے کلام کو معنوی گہرائی کا سرمایہ فراہم کرتے ہیں۔ اس مجموعے میں بھی خوشبو کے حوالے سے حسن شعریت کے نادر نمونے موجود ہیں:

کلی نے لکھ دیا ہے نام اُنؐ کا میری تختی پر
ابد کے بعد بھی خوشبو رہے گی ہمسفر میری
ہجومِ لالہ و گل ہے مرے آنگن کے پیڑوں پر
بنی ہے پیرہن، خوشبو، ترو تازہ گلابوں کا
کتابِ آروز کے ہر ورق پر چاندنی رکھ دوں
میں خوشبو کے لبِ اظہار پر نعتِ نبیؐ رکھ دوں

ریاض کے کلام کی بڑی خوبی جسے احمد ندیم قاسمی جیسے صاحب مقام ادیبوں نے محسوس کیا وہ ان کا حسنِ شعریت ہے جسے وہ ''بھرپور'' کے لفظ سے ادا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ریاض کا سارا کلام اسی جمالِ فن کی خوشبو سے مہک رہا ہے۔ خود ریاض اس کا اظہار ''لب کشا'' کی ترکیب سے کرتے ہیں:

حروفِ لب کشا اتریں قلم کی راجدھانی میں
رہے مصروف کلکِ التجا شام و سحر میری
لب کشائی کی کہاں جرأت غلاموں میں، حضورؐ

طشت میں آنسو سجا لائے، بہت اچھا کیا

ہاتھوں پر چراغ ایک اور بہت پیاری ترکیب ہے جسے ریاض مہارت فن کے ساتھ اپنے کلام میں لے کر آئے ہیں۔ایک محبوب ترکیب کلک ثنا ہے جس کے لئے وہ ماہِ تمام کے طالب ہیں جو بھرپور نعت کے استعارے کے طور پر استعمال ہوا ہے۔

التجا ہے یہ ریاضؔ بے نوا کی، یاخدا!
ہو عطا کلکِ ثنا کو آج بھی ماہِ تمام

مَیں نے ہر ساعت کے ہاتھوں پر جلائے ہیں چراغ
ہے یہی میری نجاتِ اُخروی کا اہتمام

تازہ ہوا کے ہاتھ میں مشعل ثنا کی ہے
رہتی ہے مستقل مرے کمرے میں روشنی

ہوائے تند میں دونوں ہتھیلیوں پہ ریاضؔ
چراغِ نعت سجا کر نکل رہا ہوں مَیں

ریاض کے حسن کلام، حسن شعریت اور شبابِ اظہار کے چند نمونے پیش کئے ہیں ۔ اسی طرح لحد، روزمحشر ، پھول، ، بچے، کہکشاں دھنک اور ایسی ان گنت تراکیب و علامات ہیں جن سے ان کی نعتِ جدید کا وجود متشکل ہوا ہے۔یہی حسن لغت ان کے ۲۳ مجموعہ ہائے کلام کو محیط ہے۔ اور ''وردِ مسلسل'' جو آپ کے ہاتھ میں ہے اسی فروغِ معنویت کا ایک خوبصورت نمونہ ہے۔

ڈاکٹر کاشف عرفان

نئے نصاب نعت کی تشکیل و تزئین

(نصابِ غلامی)

اکیسویں صدی نعت کی صدی ہے۔ معاصر ناقدین نعت اِس بات پر متفق ہیں کہ پچھلے بیس برس میں حمد و نعت کا کام اس تواتر اور معیار کے ساتھ ہوتا رہا ہے کہ موجودہ صدی یقیناً حمد و نعت کی صدی ہوگی۔ غزل کے علائم و استعارات کو نعت میں نہایت مشاقی سے برتا جا رہا ہے۔ نظم کی ہیئت میں نعت کا فروغ بھی اِس بات کی شہادت ہے کہ نعت گو شعراء سرکارِ دو عالم حضرت محمد ﷺ کے عشق کے بیان میں اظہار کے نئے قرینوں کی دریافت کر رہے ہیں اور یہ سلسلہ مسلسل جاری ہے۔ نعت میں تقدیس، عجز اور احترام کے ساتھ تخلیقی وفور کو پیش کرنے کے لیے نئے استعارات، علائم اور تشبیہات کا ظہور ہو رہا ہے۔

معاصر ناقدین نعت کے اس بیان ''اکیسویں صدی نعت کی صدی ہے'' کو سامنے رکھا جائے تو ہمیں اِس بات پر بھی غور کرنا ہوگا کہ پچھلے بیس برس میں حمد و نعت کے اِس گلشن نو شگفتہ کی تشکیل و تزئین کے لیے بیسویں صدی کے وہ کون سے نمایاں شعراء ہیں جنہوں نے اِس کھیتی کی کاشت میں اپنا حصہ ملایا۔ قیام پاکستان کے بعد بہزاد لکھنوی، ضیاء القادری، ماہرالقادری، بشیر حسین ناظم، شمس مینائی، اسد ملتانی، عبدالعزیز خالد، عارف عبدالمتین، حافظ مظہر الدین، نعیم صدیقی، مظفر وارثی، آسی ضیائی، حفیظ تائب، احمد ندیم قاسمی، شورش کاشمیری، اعظم چشتی، راجہ رشید محمود، عاصی کرنالی، ہلال جعفری، کرم حیدری، انعام اسعدی، قمر رو عینی، صبیح رحمانی اور ڈاکٹر ریاض مجید جیسے عظیم شعرائے نعت نے اپنی شاعرانہ صلاحیتوں اور عشقِ رسول ﷺ کے جذبے کی مدد سے حمد و نعت کے اسلوب میں

وسعت پیدا کی۔ ان بزرگ شعراء کی کاوشیں ہمیں عہدِ موجود کی نعتیہ تخلیقات اور تنقیدی شعور میں نمایاں نظر آتی ہیں۔

بیسویں صدی کے ساتویں اور آٹھویں عشرے میں نعتیہ افق پر نمودار ہونے والے شعراء کرام میں ریاض حسین چودھری کا نام ایک مخصوص نعتیہ اسلوب اور تخلیقی وفور کے باعث نمایاں ہوا۔ وہ نعت کی تخلیق کے حوالے سے ایک سمندر تھے۔ اپنی زندگی میں انہوں نے ہزاروں اشعار کہے اور اُن کے زیادہ تر اشعار شائع ہوکر ناقدین فن سے داد وصول کر چکے ہیں۔

آغاز میں غزل بھی کہتے تھے اور خوب کہتے تھے تاہم وفورِ عشقِ رسول ﷺ کے زیرِ اثر خود کو حمد و نعت کے لیے وقف کردیا۔

میں تو کیا سوچیں بھی میری دست بستہ ہیں ریاضؔ
جب بھی سوچوں گا نبی ﷺ کی نعت ہی سوچوں گا میں

ریاض حسین چودھری نعت کے بحرِ بیکراں تھے۔ اُن کے 20 مجموعہ ہائے حمد و نعت اشاعت پذیر ہوچکے ہیں جن میں بیشتر کو اعزازات سے بھی نوازا جاچکا ہے۔ اِن میں سے تیرہ (13) مجموعہ ہائے نعت ان کی زندگی میں شائع ہوئے جبکہ باقی مجموعہ ہائے حمد و نعت بعداز مرگ اشاعت پذیر ہوئے۔

ریاض حسین چودھری کی نعتیہ شاعری ایک عاشقِ صادق کی شاعری ہے جس میں کلاسیکی نعتیہ روایت کے سبھی مضامین موجود ہیں۔ استعارات وتشبیہات سے مزین کلام کی تاثیر انہیں اپنے ہمعصر شعراء میں منفرد و ممتاز بناتی ہے۔ اُن کے نعتیہ مجموعے ''نصاب غلامی'' میں علامت کی تشکیل پر مشتمل نعتیہ اشعار بھی ملتے ہیں۔

برگد کے بوڑھے پیڑ پر تخلیقِ حرفِ نو
آقا ﷺ! کبھی ہماری بھی چوپال پر نظر

برگد اور چوپال اس خوبصورت نعتیہ شعر میں استعاراتی کائنات سے باہر علامت کی تشکیل کرتے نظر آتے ہیں۔ استعارے سے علامت تک کا یہ سفر اُن کی مشاقی اور فن نعت پر اُن کے عبور کی نشاندہی کرتا ہے۔ اُن کے کلام میں موضوعات کا تنوع بھی نظر آتا ہے اور ہنر کاری (Craft) کی خوبصورتی بھی:

یہ مدینہ کی ہوائے سبز ہے ورنہ، ریاض
کون طیبہ کے در و دیوار پر لکھتا مجھے

کشیدہ کاریوں میں آج بھی مصروف ہیں آنکھیں
قصیدہ اُن کا اشکوں سے لکھوں گا شام سے پہلے

معروف بحور اور قوافی و ردائف کو اُنہوں نے اپنی شعوری کوشش سے ایک ایسی تصویر میں تبدیل کردیا جس میں رنگوں کا غیر روایتی استعمال ہوا ہو۔ عجز و نیاز اور سرور و کیف کے ساتھ زندگی کی بے معنویت کو در رسول ﷺ سے معنی کا حسن دینے کا رجحان اُن کی نعتیہ شاعری کو معاصر نعت میں ایک نیا زاویہ فکر عطا کرتا ہے۔ اُن کے ہاں نعت کسی شعوری کوشش سے انجام دیا جانے والا عمل محسوس نہیں ہوتا بلکہ ہر مصرع خوشبو کی طرح موج صبا پر رقص کرتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔

خورشید، چاند، پھول، افق سب ہیں آپ ﷺ کے
خوشبو، دھنک، گلاب، صبا ہے حضور ﷺ کی

جناب ریاض حسین چودھری کا کلام قاری کو ایک ایسی دنیا میں لے جاتا ہے

جہاں سچائی، خیر اور حُسن کا احساس ساری فضا کو معطر کیے رہتا ہے۔ ریاض چودھری کے ہاں بھی ہر بڑے شاعر کی طرح شعری تجسیم کا عمل شعور اور لاشعور کے درمیان ہوتا ہے۔ اگر شاعری کے فن کو دیکھا جائے تو یہ وہ تخلیقی عمل ہے جہاں شاعر کا شعور، لاشعور سے معانقہ کرتا ہے، گویا شاعری نیند اور بیداری کے درمیان کے کسی لمحے کی تخلیقی واردات ہوتی ہے۔ نعت کی شاعری میں اس تخلیقی واردات کے دوران عجز و احترام، اخلاص، وارفتگی شوق، احساس کم مائیگی، گناہوں پر شرمساری، مدینہ میں حاضر ہونے کی خواہش، ہجر اور آپ ﷺ کے روضے سے دوری کا احساس بھی، تخلیق کے دوران شعور سے لاشعور کے درمیان سفر کرتے ہیں۔ اِس ساری کیفیت میں خبر، خبر نہیں رہتی اور نظر بصارتوں سے باہر کی کسی ان دیکھی دنیا کے حال جاننا شروع ہوجاتی ہے۔ کم مائیگی کا احساس شعر میں کیسے ڈھلتا ہے۔ منظر دیکھیں

اوراقِ زندگانی کے نیچے یہیں کہیں
مبہم سا حاشیہ ہوں میں آقا ﷺ کرم کریں
عفو و عطا کے سرخ گلابوں سے بھر گیا
مجھ سے گناہ گار کا دفتر کھڑے کھڑے

ریاض حسین چودھری فکری سطح پر ''نعت برائے ادب'' کے بجائے ''نعت برائے زندگی'' اور ''نعت برائے بخشش'' کے قائل تھے۔ اُن کے زیرِ نظر مجموعہ نعت ''نصاب غلامی'' میں اُن کا تخلیقی شعور آخر آخر دو بڑے احساسات کے زیرِ اثر نظر آ تا ہے۔ تمام مضامین لگ بھگ انہی دو بڑے موضوعات سے اخذ کئے گئے ہیں۔ پہلا احساس لمبے سفر پر روانگی سے پہلے زادِ راہ کو باندھنے اور اس سفر کے پہلے پڑاؤ کے لیے آقا کریم سرکارِ دو عالم ﷺ سے مدد طلب کرنا ہے۔ یہ احساس اُن کے نعتیہ اشعار سے اُن کے قارئین تک پہنچتا محسوس ہوتا

ہے۔ اِس احساس کے تحت وہ کچھ اس انداز میں اپنے آقا ﷺ سے مدد طلب کرتے نظر آتے ہیں۔

خلدِ طیبہ کے مقدس خواب میں رہتا ہوں میں خلدِ طیبہ میں کھلے گی آنکھ میری ایک دن

ہر سلسلہ ہے شہرِ نبی سے ملا ہوا ہر روشنی ہے نورِ محمد ﷺ کی خوشہ چیں

بعد از حیات ذکرِ شہ مر سلاں چلے مہکے مری لحد بھی درود و سلام سے

سر پہ لہراتی ہوئی میں بجلیوں کی زد میں ہوں ذوقِ مدحت تُو مجھے لے چل مدینے کی طرف

وقتِ رخصت کا ہے سر پہ آیا ہوا جانکنی کا بھی عالم ہے چھایا ہوا

بند ہونے لگی ہے مری چشمِ تر یا نبی ﷺ اپنا جلوہ دکھا دیجئے

دوسرا بڑا موضوع امت کے اجتماعی احساس کو تصویر کرتا نظر آتا ہے۔ وہ امت کی اجتماعی بداعمالیوں اور گناہوں کے باعث پیدا شدہ موجودہ صورت احوال کو استغاثے کی صورت میں سرکار ﷺ کے سامنے رکھتے اور اعانت طلب کرتے نظر آتے ہیں۔ وہ عالمی استعماری طاقتوں کے دیرینہ ہتھکنڈوں پر نظر رکھے ہوئے ہیں اور اُس پر امت کو جگانے کا فریضہ بھی سرانجام دے رہے ہیں۔ یوں کہا جاسکتا ہے کہ اُن کی نعت کا اجتماعی پیکر فکرِ اقبال کی ترویج کرتا نظر آتا ہے۔ معاصر نعت میں اس طرح کا تخلیقی وفور اور عالمی استعماری قوتوں کے ہتھکنڈوں کو پہچاننے اور اُس پر بلند بانگ اظہار اُن کی دینِ مبین سے محبت کو ظاہر کرتا ہے اور اِس حالتِ زار پر سرکار ﷺ سے نظر کرم کی درخواست کرنا اُن کا شافعِ محشر سرورِ دین ﷺ پر یقین کا اظہار بھی کرتا ہے۔

تاریخ کی بے داغ عدالت میں یقیناً
ہر جرمِ ضعیفی کی سزا ہم کو ملی ہے

میں زندہ حقائق سے چراتا رہا نظریں
محرومی کی دلدل میں مری نسل کھڑی ہے
ادھورے جسم لے کر دربدر پھرتے رہیں کب تک
بٹے پھر عافیت کا رزق بستی کے گداؤں میں
غلامی کی ردائے زر بدن پر اوڑھ کر نکلیں
غلامانِ پیمبر میں نہیں یہ حوصلہ باقی
امت کو کب سے اپنے تشخص کی ہے تلاش
لیکن اُسے ملا نہیں اپنا نشاں کوئی

ریاض حسین چودھری اپنے مجموعہ نعت ''نصاب غلامی'' میں ایک مصلح اور مبلغ کی صورت میں نمایاں ہوتے نظر آتے ہیں۔ وہ حالی، اقبال اور ظفر علی خان کے تتبع میں امت کے ایک دیدہ بینا کے طور پر دینِ برحق اور پیغمبر اسلام ﷺ کے خلاف عالمی سیاسی کھلاڑیوں کی نام نہاد چالوں کو نہ صرف دیکھ رہے ہیں بلکہ اپنے مخصوص مناجاتی لہجے میں اسے سرکار دو عالم ﷺ کے سامنے پیش بھی کررہے ہیں۔ ''نصاب غلامی'' کی تمام نعتیہ شاعری اِن دو بڑے احساسات سے متصف ہے اور باقی موضوعات کے تمام جھرنے اِن دو بڑی آبشاروں سے پھوٹتے ہوئے محسوس ہوتے ہیں۔

ریاض حسین چودھری جو نصاب حمد و نعت مرتب کرنا چاہتے تھے اور جس کے واضح اشارے اُن کی زیرِ نظر نعتیہ تخلیقات میں موجود ہیں وہ ''نعت برائے آخرت'' کے ساتھ ساتھ ''نعت برائے زندگی'' کو فروغ دینے کی کاوش ہے۔ یہ نعتیہ کاوشیں انہیں ایک حساس شاعر کے ساتھ ایک ایسا باعمل بصیرت افروز مسلمان بھی ثابت کرتی ہیں جو اپنی عمر

کے آخری حصے میں اپنے دیدہ بینا سے اُن تمام مناظر کو دیکھ رہا ہے اور پیرانہ سالی کے باوجود پوری قوت سے اُن منفی قوتوں کو للکارنے کی کوشش بھی کر رہا ہے۔

جھوٹے خُداؤں کا ہے تسلط زمین پر
آدم کی نسل آج بھی زیرِ عتاب ہے

امت مسلمہ کی بداعمالیاں اور ارتقائے حالات انہیں یہ اجتماعی مسئلہ موت و حیات ممدوح خدا سرور کائنات ﷺ کے سامنے رکھنے کا شعور دیتے ہیں۔ یوں وہ اپنی اجتماعی بے بسی اپنے حضور ﷺ کے سامنے پیش کر کے سرخرو ہوجاتے ہیں۔

آج بھی چاروں طرف خنجر بکف ہیں لشکری
گھر کا گھر جلنے لگا، چشم کرم، چشم کرم
ہم زندہ مسائل کی آغوش میں زندہ ہیں
کرتوت ہیں ابلیسی، اعمال ہیں شیطانی

''نصابِ غلامی'' کی نعتیہ تخلیقات سرکار دو عالم کی سیرت سے بھی متصف ہیں اور امت کے اجتماعی نوحے سے بھی۔ یہ رخصت ہوتے ہوئے ایک عاشق صادق کا اپنے سرکار ﷺ کے حضور نذرانہ عشق و محبت ہے جسے پڑھنے اور سمجھنے کے لیے بصارتوں کے ساتھ بصیرتوں کا ہونا بھی ضروری ہے۔

ہر عہد کا جواز ہیں آقائے محتشم
ہر دور کا نصاب ہے ہستی رسول ﷺ کی

محمد حسنین مدثر

دل کو کیا ہے مَیں نے مدینہ سرِ قلم

نصاب غلامی ریاض حسین چودھریؒ کے نعتیہ کلام کا اکیسواں مجموعہ ہے۔ یوں تو ان کے سارے مجموعہ ہائے نعت رسولِ محتشمؐ کی غلامی کا نصاب ہیں ؛ توصیف و ستایش، درود و سلام، ازل سے ابد تک پھیلا ہوا جہانِ نعت، جوارِ گنبدِ خضرا میں خوشبوؤں کی کیف پرور رم جھم اور تخلیقِ نعت کی مہذب ساعتوں کا ذکر ہر شعری مجموعے میں بھرپور انداز میں ملتا ہے ۔ بیس مجموعہ ہائے نعت تخلیق کرنے کے بعد اس مجموعے کو انہوں نے نام ہی نصاب غلامی کا دیا ہے۔ یہاں وہ خود آگہی کے تجربے سے گذرتے ہیں اور اپنے شعورِ نعت اور تخلیقی عمل کے دوران طاری ہو جانے والی پر نور کیفیات کی ہیئت کو ٹٹولنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اپنے شعر کی شہرِ خنک سے نسبت کی بنیاد پر وہ اپنی زندگی کے حوالوں کو معتبر جانتے ہیں:

کوئی نسبت نہ رکھتے شعر طیبہ سے اگر میرے
کہاں ہوتے حوالے زندگی کے معتبر میرے

طشتِ سخن میں بھیجے ہیں اشعار کے گلاب
شہرِ کرم سے آج بھی ہے رابطہ ہوا

اس سلسلے میں بادِ صبا اور مدینے کی ہواؤں کا کردار خصوصیت کا حامل ہے، ان سے وہ بارگاہِ رسالت میں حاضری کے آداب سیکھتے ہیں اس سے قطع نظر کہ صبا اور مدینے کی ہوائیں ان کے کلام کی زندہ اور ان کے جہانِ معانی کو محیط علامات میں سے ہیں:

صبا اسمِ محمدؐ لکھ رہی ہے لوحِ مدحت پر
ادب کے دائرے میں رہ کے دل دھڑکے، ثنا لکھوں

ریاض آداب سیکھو باادب چلتی ہواؤں سے
چراغِ التجا روشن رکھو طیبہ کی گلیوں میں

ریاض ان ہواؤں کے مزاج شناس بھی ہیں اور انہیں اپنے اور گنبدِ خضرا کے درمیان نامہ بر گردانتے ہیں:

مَیں جانتا ہوں بادِ صبا کے مزاج کو
طشتِ ادب میں رکھے گی میری صدا کے پھول
کئی دن سے صبا اور خوشبوئیں واپس نہیں لوٹیں
کہیں رستے میں رک جاتے ہیں شاید نامہ بر میرے
دستِ بادِ صبا پر دھرے ہیں، آنسوؤں کے دیے چشمِ تر نے
جھک رہی ہیں ہوائیں ادب سے، کیا مقدر ہے نامہ بری کا

صبا انہیں مضامینِ توصیف بھی فراہم کرتی ہے:

وادیٔ توصیف میں کھِلتے ہیں افکارِ جدید
پھول لاتی ہے مری بزمِ تصوّر میں صبا

ریاض کی اپنی ایک دنیا ہے جس کا ادراک صرف انہی کو ہے۔وہ اس دنیا میں ازل سے قیام پذیر ہیں:

خاک میری ہے ازل سے کہکشاں کی ہمسفر
شہرِ جاں میں بھی فضائے محترم آباد ہے
یا قلم کی سجدہ گاہِ شوق ہے منزل مری
یا ازل سے عشق کی محراب میں رہتا ہوں مَیں

یہ سجدہ گاہ شوق ہی ان کے عشق کی محراب ہے جس میں وہ ازل سے محوِ نعت ہیں۔ازل کا تذکرہ اور ابد تک نعت نگاری کی تمنا ان کے پورے کلام میں چراغاں کئے ہوئے ہے۔ غلامیٔ رسولؐ پر وہ نازاں وفرحاں ہیں اور اس اعزاز پر وہ رب کریم کا شکر بجا لاتے ہیں۔ یہی غلام ان کے سر کا تاج ہے۔

اب آرزو ریاضؔ کروں بھی تو کیا کروں
صد شکر میں غلامِ شہِ مرسلاںؐ ہوا

تُو اپنے آپؐ کو تصویرِ التجا کرنا
وفورِ ربطِ غلامی کی انتہا کرنا

ایک اک لفظ کے سر پر ہے غلامی کی ردا
دستِ شاعر ہے پر و بالِ ہُما کی صورت

درِ سرکار پر میں گفتگو کرتا ہوں اشکوں سے
غلامی کے ہزاروں رنگ ہیں میری غلامی میں

اسی غلامی کے فروغ کو وہ اپنا اصل منصب سمجھتے ہیں۔ یہی غلامی ان کے عشق کا پیرہن ہے جس کے لئے انہیں قلم عطا ہوا ہے۔ غلامی اعلائے کلمتہ الحق ہے اور اس میدان میں غلاموں کے لئے صراطِ مستقیم اسوۂ شبیر ہے۔ یہی جنابِ ریاض کا نصابِ غلامی ہے جسے وہ عشقِ نبیؐ کا نصاب بھی کہہ رہے ہیں:

جس نے قلم دیا ہے اُسی کو حساب دیں
ہم عہدِ نو کو عشقِ نبیؐ کا نصاب دیں

ہر عہد کا جواز ہیں آقائے محتشمؐ
ہر دور کا نصاب ہے ہستی رسولؐ کی

سرِ مقتل، غلامو! نعرۂ تکبیر بن جانا
پڑے سچ بولنا تو اسوۂ شبیر بن جانا

یہ غلامیٔ رسول محض امت مسلمہ یا عالم انسانیت تک محدود نہیں بلکہ کائنات میں ہر سو یہی موسم جاری و ساری ہے۔ جب یہ طوقِ غلامی نصیب ہو جائے تو دنیا کی امامت کا خواب شرمندۂ تعبیر ہوسکتا ہے:

کل بھی تھا اُنؐ کی غلامی ہی کا موسم ہر سو
دست بستہ ہیں کھڑے آج بھی دونوں عالَم
طوق ہو اُنؐ کی غلامی کا گلے میں پہلے
پھر اگر چاہوں تو دنیا کی امامت کر لوں

ازل سے شہرِ قلم کے باسی، جنابِ ریاض، جنہیں شاعرِ رسولؐ ہونے کا مقام حاصل ہے اور جو برملا کہتے ہیں: جب بھی سوچوں گا نبیؐ کی نعت ہی سوچوں گا مَیں، تخلیقِ شعر کے ایک سرمدی نورانی عمل میں ملفوف رہتے ہیں۔ یہ ہر شاعر کے بس میں نہیں ہوتا کہ وہ اپنے شعر کی تخلیق کے مادی، غیر مادی، نفسی، روحانی اور سری پہلوؤں کو محسوس کر کے اسے شعری لغت کے حوالے کر سکیں۔ ریاض کی تخلیقی وسعت نظری اور کمال فن کی داد دینا پڑتی ہے کہ وہ الفاظ کے ظاہر و باطن کو اپنے وجدان میں محسوس کر کے اپنے استعاروں اور رعائیتوں کی مدد سے اپنی رواں بحروں اور جامعیت شناس ردائف و قوافی کے پیرہن میں پیش کر سکیں؛ نصاب غلامی میں اس کی کئی مثالیں ملتی ہیں۔ دیکھیں وہ تخلیقِ شعر کے لئے کیا کچھ کرتے ہیں؛ اگر کوئی اور بھی یہ سب کر لے تو وہ ریاض حسین چودھریؒ سے کہیں آگے کا شاعر ہے:

پہلے سمیٹ لیں سرِ شب خوشبوئیں تمام
کلکِ ثنا کو پھر تر و تازہ گلاب دیں

نغمگی تخلیق ہوتی ہے پسِ حرف و صدا
مطربو! ہر نعت کی مضراب میں رہتا ہوں مَیں

لپٹی ہوئی ہیں ایک اک مصرعے سے خوشبوئیں
کس کا ہے نام خلدِ سخن میں کِھلا ہوا

جب روح میں اسمِ محتشم کی شگفتگی مہک اٹھتی ہے تو مصرعوں سے خوشبوئیں لپٹ جاتی ہیں اور نعت ہو جاتی ہے۔مگر اس کے لئے نعت کے مضراب میں رہنا پڑتا ہے تا کہ پسِ حرف وصدا نغمگی تخلیق ہو سکے، پھر وہ اس کا راز اگل دیتے ہیں:

دامنِ شہرِ قلم میں رقص کرتا ہے خیال
پھر ابھرتا ہے ورق پر نعت کا حسن و جمال

نعت ہے اُنؐ کی محبت کے سمندر کا خروش
نعت ہے عشقِ نبیؐ کی انتہاؤں کا سفر

چھڑا ہے ذکر سرِ بزمِ آرزو اُنؐ کا
لغت کا حسنِ بلاغت مچل مچل جائے

مدینے کے سفر کا خوشبوؤں نے ذکر کیا چھیڑا
شگفتہ پھول شاخوں پر ادب سے مسکرا اٹھے

ہر پھول مہکنے کا ہنر آپؐ سے سیکھے
اربابِ چمن نقشِ کفِ پا سے بنے ہیں

ریاض کا یہ مجموعۂ نعت ایسے کئی اشعار کا خزینہ ہے جو ان کے افتخارِ غلامی کے نور سے روشن ہیں۔ انہیں حُبِ نبیؐ میں مقامِ حضوری عطا ہوا ہے ۔جب یہ غلامِ شہِ حجاز مدحت سرا ہو

جاتے ہیں تو ان کے اشک رواں سرِقلم جگمگانے لگتے ہیں اورقلم محوِ ستایش ہو جاتا ہے۔ ریاض نے یہ مضامین اپنے سارے کلام میں موضوع بنائے ہیں۔ اپنے اس تجربے کو نصابِ غلامی میں وہ اس طرح بیان کرتے ہیں:

اترا ہے شب میں نور کا زینہ سرِ قلم
لَو دے اٹھا ہے دل کا نگینہ سرِ قلم
باندھے ہوئے ہے ہاتھ لغت احترام سے
کیا خوب ہے سلیقہ، قرینہ سرِ قلم
خیرالوریٰ کے دامنِ رحمت کو دیکھ کر
رقصاں ہوا جبیں کا پسینہ سرِ قلم
مدحت سرا ہوا ہے غلامِ شہِ حجازؐ
سمٹے گا آنسوؤں کا خزینہ سرِ قلم
الفاظ کیوں طواف نہ کرنے لگیں ریاضؔ
دل کو کیا ہے مَیں نے مدینہ سرِ قلم
دل کے افق پہ اسمِ نبیؐ پرفشاں ہوا
میرا قلم، ریاضؔ، مرا ہمزباں ہوا
کرتی ہے رقص خوشبو ہر نعتِ مصطفیٰؐ میں
کلکِ ثنا ادب سے ہر وقت جھومتی ہے

نعت لکھتے لکھتے جوارِ گنبدِ خضرا کی فضاؤں میں تخیل کی پرواز کے ساتھ اور مدینے کی ہواؤں سے سرگوشیاں کرتے کرتے ریاض کے دل میں معاً اپنے پیارے وطن کی محبت جاگ اٹھتی

ہے۔ وطن کی محبت اور امت مسلمہ کے مصائب کا دکھ ان کے دل کی گہرائیوں میں ہر وقت موجود رہتے ہیں:

ہر لمحہ زلزلوں کا ہدف ہے مرا وطن
لمحوں میں بٹ گیا ہوں مَیں، آقاؐ کرم کریں
پرچمِ ارضِ وطن پر اے مرے اچھے خدا
چاند تارا جگمگائے دین کی اقدار کا
ختم ہو جائے گا پسپائی کا ہر موسم، ریاضؔ
میرے ہاتھوں پر لکھا جائے گا حرفِ ارتقا
لگی ہے آگ ہر بستی کے کھلیانوں میں برسوں سے
میں پاکستان سے لایا ہوں اشکوں کے سمندر بھی
خدائے ارض و سماوات اِس وطن کی خیر
جسے میں پھول، دھنک، روشنی، صبا لکھوں

عالم اسلام میں کشمیر و فلسطین میں حقوق آزادی کی پائمالی کو بھی ریاض برداشت نہیں کرتے اور کشمیری اور فلسطینی مسلمانوں کے مصائب دیکھ کر ان کا دل خون کے آنسو روتا ہے۔ نعت لکھتے لکھتے اس دردِ دل کو بھی وہ نوکِ قلم پر لے آتے ہیں:

خون میں ڈوبے ہوئے ہیں آج بھی شام و سحر
یا محمدؐ! اہلِ کشمیر و فلسطیں پر نظر
دخترِ کشمیر کے آنچل میں کیا کلیاں کھلیں
چھاؤں کیا بانٹیں گے یہ جلتے ہوئے میرے شجر

کب افق پہ مہرِ آزادی طلوع ہوگا، حضورؐ
ختم ہوگا کربلا میں کب اندھیروں کا سفر

امت مسلمہ کے آلام و مصائب اور کسمپرسی کو دیکھ کر ان کا قلم ہیجانی کیفیت میں مبتلا ہو جاتا ہے اور آپ بر ملا امت کی ہوس زر کو اس کے زوال کا موجب گردانتے ہیں:

امت ہوس کدوں کی بنی رزقِ ناتمام
محرابِ زر میں کرتی ہے سجدے، حضور جیؐ

جہاں وہ اپنے وطن پاکستان، کشمیر و فلسطین اور امت کو نہیں بھولتے وہاں وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ وہ نعت میں اپنے ذاتی دکھوں کو موضوع بناتے ہیں:

مَیں نعت نگاری کے دامن میں بھی رکھتا ہوں
دکھ اپنے قبیلے کے، ہر ذاتی پریشانی
اپنے ہی دکھ سمیٹتا رہتا ہوں نعت میں
مجھ کو ملی ہے حرفِ تسلی کی چاندنی

ریاض اپنی لحد سے کبھی فراموش نہیں ہوتے۔ سوتے جاگتے بھی وہ اس خیال میں مگن رہتے ہیں کہ لحد اور عالم برزخ میں وہ اپنے قلمدان کے ساتھ ہوں گے اور صلِّ علیٰ کا موسم وہاں بھی عطر بیز ہو گا۔ اپنے کلام میں جگہ جگہ وہ اس تمنا کا اظہار کرتے نہیں تھکتے کہ قبر میں بھی نعت نگاری کا نور ان پر ترشحات کی پھوار جاری رکھے گا:

کچھ اس قدر ہے خلدِ مدینہ سے دوستی
پیشِ نظر لحد میں بھی ہے روضۂ رسولؐ
مہکے مری لحد بھی درود و سلام سے

بعد از حیات ذکرِ شہ مرسلاںؐ چلے
ابد تلک مرے ہونٹوں پہ پھول مہکیں گے
لحد میں ساتھ مرے نعتِ مصطفیٰؐ ہو گی
مرے حضورؐ کے شاعر کی قبر ٹھنڈی ہو
مَیں روزِ حشر بھی تائبؔ کے کارواں میں رہوں

یہ ہیں وہ چند پہلو جو ریاض کے نصابِ غلامی کے انوار کا درجہ رکھتے ہیں ۔موضوعات کا تنوع اور اظہار کی تازگی ریاض کے اسلوب شعریت کی پہچان ہیں ۔ وہ اپنی مخصوص شعری لغت میں تشبیہات و استعارات اور لفظی رعایتوں کے استعمال سے بھرپور نعت لکھتے ہیں جب کہ ان کی نعت کا کینوس رحمت دو عالم کی شان رحمت کے توسل سے پوری کائنات کو محیط ہے۔ ان کے اشعار، ان الفاظ اور ان اجالوں سے ترتیب پاتے ہیں جن کا طلوع شہر خنک کے طمانیت افروز موسموں سے ہوتا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

جن کے ہاتھوں پر گلابِ نعت ہیں لکھے ہوئے
سارے موسم، ہیچ ہیں اُن موسموں کے سامنے
سجا رہتا ہے آنکھوں میں مری، شہرِ منور بھی
اجالا ہی اجالا ہے مرے لفظوں کے اندر بھی
مرے ہر لفظ کی معراج ہے اُنؐ کی ثنا کرنا
یہی میرے قلم کی ابتدا بھی، انتہا بھی ہے

نوید صادق

ریاض حسین چودھریؒ کی نعت گوئی

(روشنی یا نبی، نعتیہ نظمیں)

نعت گوئی بقول عرفی شیرازی، تلوار کی دھار پر چلنے کے مترادف ہے کہ جس محبوب کی مدح خود خالقِ کائنات کر رہا ہے، انسان کی بساط ہی کیا ہے کہ اس ذاتِ اقدس کی مدحت کا حق ادا کر پائے، پھر بھی اس باب میں دفتروں کے دفتر ملتے ہیں۔ کہیں سیرتِ پاک ﷺ کا بیان ہے تو کہیں فرمودات و سنتِ نبوی کی ترسیل کی کوشش نظر آتی ہے، اور عہدِ موجود میں تو نعت (قصدِ نعت ہی کے ضمن میں) استغاثہ یا کیفیاتِ حضوری ومحرومی کی ترجمان نظر آتی ہے، جہاں بساطِ انسانی کی کم مائیگی کے سبب توصیف سے زیادہ تالیفِ قلب کا عنصر دل کشائی و دل افروزی رکھتا ہے۔ ریاض حسین چودھری کی نعتوں میں یہ عنصر بھی اپنے فکری دروبست کے ساتھ نمایاں تر ہے۔

نعت گوئی کی روایت عربی فارسی سے ہوتی ہوئی اردو کے حصہ میں آئی ہے۔ اردو میں کم وبیش ہر شاعر کے ہاں نعتیں ملتی ہیں، یہاں تک کہ بعض غیر مسلم شعرا بھی آپ ﷺ کے انسانیت نواز پیغام اور انقلاب آفریں شخصیت سے متاثر ہوئے اور بعض ہندو شعرا نے تو اپنے اخلاق وعمل اور خلوصِ فکر کے ثبوت میں کئی کئی نعتیں لکھیں۔

اُردو شاعری کی تاریخ پر ایک طائرانہ نگاہ ڈالی جائے تو بعض ایسے صاحبانِ کمال ملتے ہیں جنھوں نے اپنا اوڑھنا بچھونا ہی نعت کو بنائے رکھا۔ ان میں سے بیشتر کی بنیادی تربیت غزل ہی سے ہوئی لیکن رفتہ رفتہ انھوں نے دیگر اصنافِ سخن کو خیر باد کہہ کر صرف اور صرف نعت کی طرف اپنی توجہ مرکوز کر لی۔ ایسے شعرائے کرام

کے نام گنوانے بیٹھیں تو یقیناً ایک طویل فہرست بنتی ہے مگر یہاں خارج از موضوع ہے کہ چند باتیں ریاض حسین چودھری کی نعت گوئی کے حوالے سے کہنا چاہتا ہوں۔نعت گوئی کی وسیع تر روایت کے حوالے سے صرف یہ کہنا چاہوں گا کہ جن شعرا نے اپنے فن وفکر کا محور نعت کو بنا لیا، ریاض حسین چودھری بھی ان میں سے ایک ہیں، اور یہی نہیں بلکہ ان میں نمایاں مقام اور شہرت رکھتے ہیں کہ انھوں نے اردو نعت گوئی کے فروغ میں اپنا کردار بڑے مؤثر انداز میں نہ صرف نبھایا بلکہ نعت کو جدید تر اسلوب میں متعارف کروانے میں اپنی تخلیقی صلاحیتوں کو بروے کار لائے۔

حسبِ سابق ریاض حسین چودھری مرحوم کا زیرِ نظر مجموعہ بھی نعتیہ نظموں پر مشتمل ہے۔گو کہ سیرتِ پاک ﷺ کے حوالے سے لطیف پیرایۂ بیان میں اشارے بھی ملتے ہیں لیکن اس کتاب میں شامل نظموں پر ایک طائرانہ نگاہ ہی یہ واضح کرنے کو بہت ہے کہ ریاض مرحوم ایک تو اپنے اردگرد پھیلی جہل کی تاریکیوں، مسلم امہ کی اسوۂ حضور ﷺ سے دوری اور دوم سیرتِ مطہر کی روشنی سے ان تاریکیوں کو دور کرنے کے آرزومند ہیں۔نظم ''منظرِ شب'' کا اختتامی بند دیکھیے:

جھپٹ پڑے ہیں اندھیروں کے غول بستی پر
دیے جلانے کا منصب سنبھالنا ہو گا
نقوشِ پاے نبیؐ سے چراغ لے لے کر
شبِ سیاہ کا چہرہ اجالنا ہو گا

(منظرِ شب)

نظم کا عنوان ہی میری بات کی تائید کرتا نظر آتا ہے، پھر شاعر نے اپنی صورتِ احوال کا بیان کیا جو ظاہر ہے صرف شاعر سے مخصوص نہیں، ہم سب مسلمان

اسی عالمِ جبر و کرب سے گزر رہے ہیں۔ ایسے میں تمام بیان کے بعد درپیش صورتِ احوال میں درستی کا واحد راستہ اُسوۂ رسول ﷺ پر عمل پیرا ہونا ہے اور اس سے بھی کہیں زیادہ اہم دوسرے لوگوں کو اس بات پر مائل و قائل کرنا ہے کہ ہمارے لیے یہی ایک راستہ ہے جو ہمیں مسلط تاریکیوں سے نکال لے جا سکتا ہے۔ اس پر ایسے فرسودہ او ررنجیدہ عالم میں اُسوۂ رسول کے سائے سائے آگے بڑھنے اور عظمتِ رفتہ کے حصول کا ولولہ اور مصمم ارادہ بھی بین السطور شاعر کے لب و لہجہ سے مترشح ہے۔

زیرِ نظر مجموعۂ نعت میں شامل کلام میں دعائیہ پیرایہ غالب نظر آتا ہے۔ یوں تو نعت گوئی و نعت خوانی کے بنیادی محرکات محبوبِ خدا حضرت محمد ﷺ کی ذاتِ اقدس سے عقیدت اور اللہ کی خوش نودی کا حصول ہی ٹھیرتے ہیں لیکن دکھی دل کی آواز نعت گوئی کے باب میں ایک عجیب اثر انگیزی کا موجب ثابت ہوتی ہے۔ انسان مصیبت میں گھبراتا ہے لیکن یہاں ہم اگر ایک سچے مسلمان کی بات کریں اور وہ سچا مسلمان جس کی زندگی کا اوڑھنا بچھونا ہی حبِ نبی ﷺ ہو، وہ موافق صورتِ احوال میں اللہ کی عظمتوں کے گن گاتا ملتا ہے، رحمتوں کے نزول پر شکرانے کے گیت گاتا ہے، رسولِ پاک ﷺ کی ذاتِ مبارکہ کے وصف بیان کرتا ہے، آپ کی ذاتِ پاک کے وسیلہ سے موافق صورتِ احوال میں تسلسل اور ترقی کا آرزومند رہتا ہے۔ اس صورتِ احوال کے برعکس جب اسے عوائقِ دنیاوی کا سامنا ہوتا ہے تو وہ بارگاہِ خداوندی میں اپنے لیے روشنی طلب کرتا ہے، خیر ہی خیر کا آرزومند نظر آتا ہے۔اور یہ روشنی، یہ خیر اسے آپ ﷺ کی سیرتِ پاک کو اپنانے سے حاصل ہوتی ہے۔ چند نظموں سے کچھ مصرعوں، کچھ شعروں، کچھ بندوں سے اپنی بات کی تائید چاہوں گا:

میں منافق ساعتوں میں سانس لیتا ہوں حضورؐ
میرے دامن میں چراغِ آرزو جلتے نہیں

(آرزوے سحر)

وقار و عظمتِ اِنساں کا کچھ سوال نہیں

ردائے حفظِ مراتب اٹھائی جاتی ہے

(ڈپریشن کے حوالے سے ایک حمدیہ/نعتیہ نظم)

سرکارؐ، اندھیرا ہی اندھیرا ہے گلی میں

سرکارؐ، ابھی دھوپ کے جنگل میں کھڑا ہوں

(سرکارؐ)

بصرے میں آنسوؤں کی تدفین ہو چکی ہے

موصل گرا پڑا ہے، فریاد، یا نبی جیؐ

(فریاد)

حضورؐ، اہلِ ہوس کو نگارخانے میں

متاعِ اشکِ ندامت نہ لوٹنے دوں گا

ہوائے جبر چلے لاکھ میرے آنگن میں

کبھی بھی ضبط کے بندھن نہ ٹوٹنے دوں گا

(حضورؐ! آج بھی آنسو رقم ہیں ہاتھوں پر)

محشر کی گھڑی آئی

اس دھوپ سے کیا ڈرنا

رحمت کی گھٹا چھائی

(نعتیہ ماہیا)

ہر طرف محرومیوں کا ہے دھواں بکھرا ہوا
گھر کے اندر تیرگی ہے، گھر کے باہر تیرگی
آج کا انسان گم ہے ظلمتِ آفاق میں
روشنی ہو، روشنی ہو، روشنی ہو روشنی

(آرزوے سحر)

آؤ مرے حضورؐ کے فرمان کی طرف
دامانِ آرزو میں کھلیں گے ثنا کے پھول
صلِّ علیٰ کا ورد کرے گی کلی کلی
ہونٹوں پہ رقص کرنے لگیں گے دعا کے پھول

(آؤ مرے حضورؐ کے فرمان کی طرف)

لَو لَاکَ لَمَا خَلَقْتُ الافَلاکَ کی روایت کے مطابق جس ذاتِ پاک کے بارے میں کائنات کے خالق کا یہ کہنا ہو کہ اگر اس ذات کو پیدا نہ کیا جاتا تو کائنات کو بھی پیدا نہ کیا جاتا، اس ذاتِ اقدس کی ثنا انسان بلکہ کائنات کی ہر ہر شے پر گویا فرض ٹھیرتی ہے کہ صَلُّوا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوا تَسْلِیمَا تو حکمِ قرآنی بھی ہے اور کہنا تو یوں چاہیے کہ کائنات کی ہر شے کو ہمہ وقت اس ذاتِ اقدس کا شکرگزار رہنا چاہیے کہ اگر آپ ﷺ کا دنیا میں تشریف لانا لازم نہ ٹھیرتا تو پھر کوئی بھی شے معرضِ وجود میں نہ آتی۔ یوں اللہ سے کچھ مانگنا ہے تو اللہ کے محبوب سے مانگا جا رہا ہے، یا پھر ان کے وسیلہ سے مانگا جا رہا ہے اور جذب و کیف کا یہ عالم ہے کہ ...مولانا احمد رضا خان بریلوی کا ایک شعر یاد آ گیا:

طیبہ میں مر کے ٹھنڈے چلے جاؤ آنکھیں بند
سیدھی سڑک یہ شہرِ شفاعت نگر کی ہے

(احمد رضا خان بریلوی)

ایک عاشقِ صادق کے لیے اس سے بڑھ کر سعادت کی کیا صورت نکل سکتی ہے کہ اسے اپنے محبوب کے دیار میں جانا نصیب ہو، وہاں رہایش نصیب ہو۔ جبھی تو ریاض حسین چودھری کے دل میں یہ خواہش انگڑائیاں لینے لگتی ہے کہ:

صدیوں غبارِ شہرِ پیمبر ؐ میں گم رہوں

(آرزوئے والی کونینؐ)

ریاض کے ہاں نہ صرف دکھی دل کی پکار، حالات کی سنگینی پر سرکارِ دوعالم ﷺ کے وسیلہ سے اللہ کے حضور خیر کی دعائیں ملتی ہیں بلکہ اپنی نعت گوئی کے حوالہ سے تفاخر کا پہلو بھی نظر آتا ہے۔ آپ اپنی سہولت کے لیے اسے تعلّی کہہ سکتے ہیں لیکن نعت کے باب میں تعلّی کو کیا دخل، سو ریاض مرحوم کے ہاں اس تعلّی کے پسِ پشت عجز و انکسار میں رچا بسا لہجہ ملتا ہے۔ گویا اس در کی چاکری پر فخر کا اظہار ہے جو بجا طور پر ایک سچے مسلمان اور ایک راسخ العقیدہ نعت گو کو زیبا ہے:

جب دمِ پرسش لحد میں آؤ گے منکر نکیر!
ہم تمھارے ہاتھ پر رکھیں گے اک ایسی کتاب
جس میں ہوں گے مدحتِ سرکارِ دو عالمؐ کے پھول
جس میں ہوں گے سب ہماری التجاؤں کے گلاب

(دمِ پرسش)

حرفِ درود لب پہ کھلا ہے، کھلا رہے
منصب ثنا کا حشر کے دن بھی ملا رہے

(منصب ثنا کا حشر کے دن بھی ملا رہے)

اقسامِ نعت کی بات کی جائے تو ریاض حسین چودھری کے ہاں وصفی اندازِ بیان کے ساتھ ساتھ حضور ﷺ کی ذاتِ پاک سے شیفتگی وعقیدت بھرپور انداز میں ملتی ہے،لیکن ریاض حسین چودھری کی نعتیہ نظموں کے اس مجموعہ میں مقصدی نعت کا پہلو غالب ہے۔مقاصد کو دیکھا جائے تو اس مجموعۂ نعت کی حد تک ذاتی، معاشرتی، قومی، ملی اور آفاقی مقاصد کو محیط نعتیہ نظمیں زیادہ تعداد میں ہیں۔ چند مثالیں ملاحظہ فرمایئے:

صبا آئے تو اس کو نرم لہجے میں بتا دینا
''غلامانِ محمدؐ کا حصارِ آہنی ہے یہ
وطن کے واسطے جتنی بھی ممکن ہو، دعا لکھنا''

(قریۂ نسبتِ محمدیؐ)

حسرتیں میرے دامن سے لپٹی ہوئی، میری قسمت میں محرومیاں ہیں رقم
یا حبیبِ خدا، یا رسولِ امیںؐ! میرے احوال پر بھی ہو چشمِ کرم

(دھوپ ہی بن گئی ہے مرا سائباں)

بغداد جل رہا ہے فریاد، یا نبی جیؐ
ہر سَمت کربلا ہے فریاد، یا نبی جیؐ

(فریاد)

حشر سا حشر برپا ہے چاروں طرف
ارضِ کشمیر جلتا ہوا زخمِ جاں

(استغاثہ)

حضورؐ، اُمّتِ عاصی کا حال کیا لکھوں
اک اضطرابِ مسلسل ہے فاختاؤں میں
فضا میں سبز پرندے نظر نہیں آتے
حضورؐ، آپؐ کی اُمّت ہے کربلاؤں میں

(فریاد بحضور سرورِ کونینؐ)

اسی تناظر میں اکتوبر ۲۰۰۵ء کے قیامت خیز زلزلے کے حوالہ سے کہی گئی نظم ''ہوا رو پڑی ہے'' خصوصی اہمیت کی حامل ہے۔

ریاض حسین چودھری کی نعتیہ نظموں کا یہ مجموعہ، اصناف سے موضوعات تک دل کشی و رعنائی سمیٹے ہوئے ہے اور بالیقیں یہ فنِ شعر بالخصوص بابِ نعت سے وابستہ افراد کے لیے ایک نادر و نایاب تحفہ سے کم نہیں۔ خدا کرے یہ مجموعہ دربارِ رسالت مآب ﷺ میں شرفِ قبولیت حاصل کرے اور ریاض حسین چودھری (مرحوم) کی بخشش کا سامان بہم کرے۔

ڈاکٹر عزیز احسن

۱۵رستمبر۲۰۲۱ء

شعریات (POETICS) میں
عشق نبوی ﷺ کی روشنی !

دنیائے ادب پر ہر عہد میں دو رجحانات کا غلبہ رہتا ہے۔ روایت کی پاسداری کے ساتھ اساتذہ کی تقلید وتتبع میں تخلیق کیے جانے والا تقلیدی ادب اور فکر وفن کے شعوری ادراک کی اساس پر نمود پانے والا رجحان ساز اجتہادی ادب۔ اجتہادی مزاج کے فن کار ہمیشہ اپنی راہ الگ نکالنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ادب کے تالاب میں کنکر پھینک کر لہریں پیدا کرنے والے لکھاری ہمیشہ کم ہوتے ہیں لیکن ایسے ہی لکھاریوں کی کاوشوں سے ادب میں تازگی کے آثار پیدا ہوتے ہیں اور کسی صنفِ ادب میں جدید رنگ ظاہر ہونے لگتے ہیں۔ اردو شاعری کی دنیا میں بھی مقلد شعراء کی تعداد ان گنت ہے اور مجتہد شعرا انگلیوں پر گنے جانے والے ہیں۔ غالب ،حالی اور اقبال شاعری کے مزاج پر اثرا انداز ہوئے کیوں کہ وہ مجتہد شعراء تھے ۔بقیہ شعرا روایت گزیدگی کا شکار تھے۔ وہ بعد کے شعرا کو زبان و بیان کے گُر تو سکھا گئے ،لیکن تخلیقی شعور کو کوئی ایسی روشنی نہ دے سکے کہ زبان و بیان اور فکر و خیال یا شعری اصناف میں تجربات کے نقوش بنا سکیں۔ غالب نے اپنا ’’انداز بیاں اور‘‘ ہونے پر فخر کیا تو اس کی تحسین بہت بعد میں ہوسکی۔ حالی نے مقدمہءشعروشاعری میں جن اجتہادی نظریات کی روشنی میں تخلیقِ سخن کی بات کی اس کی تفہیم بھی فوری طور سے نہ ہوسکی تھی۔ لیکن بعد کے زمانے نے انھیں اردو ادب کا پہلا نقاد تسلیم کرلیا۔ اقبال نے روایت سے انحراف کرکے قدیم موزوں اصنافِ شعر میں نئے فکری میلانات کی جوت جگائی اور نہ صرف پچھلی نسلوں کو پیچھے چھوڑ دیا بل کہ آئندگاں کے لیے بھی ایک چنوتی

(challenge) کا سماں پیدا کردیا۔

ریاض حسین چودھری بھی ایک نعت گو شاعر تھے۔ ان کے سامنے بھی روایتی شاعری کے دفتر تھے۔ ان کے عہد میں بھی مقلد شعراء کی کھیپ موجود تھی۔ لیکن انھوں نے ایک مجتہد شاعر ہونے کا ثبوت دیا۔ شاعری میں مسلسل نکھار پیدا کرنے کے لیے تجربات کیے اور ہمہ دم مدحتِ رسول ﷺ کر کے خود کو امر کرلیا۔ مجھے عبدالعزیز دباغ صاحب کے اس تبصرے سے کلی طور پر اتفاق ہے:

> ''ان (ریاض حسین چودھری) کی نعت کے مضامین متنوع اور اَن گنت ہیں اور زندگی کے جملہ معاملات و مسائل کو محیط ہیں۔ یہ تنوع صرف مضامین کے حوالے سے ہی نہیں بلکہ وسائلِ اظہار کے حوالے سے بھی ۔ انہوں نے تشبیہات، استعارات، تراکیب، رعایات اور نعتیہ لغت کے معانی کو بھی وسعتیں عطا کی ہیں اور نئی تراکیب اور نئے استعارات تخلیق کئے اور شعری روایت میں گراں بہا اضافے کئے ہیں جس سے زیبائشِ اظہار کے حوالے سے اردو کے نعتیہ ادب میں لغوی حسن کو فروغ ملا ہے۔ ریاض نے زندگی کے جدید حوالوں کے مطالب و مفاہیم روائتی نعت کے دامن میں ڈال کر ایک نئی دنیائے معانی اور ایک نیا جہانِ حرف وصوت تخلیق کیا جو صرف ریاض کا جہانِ نعت ہے۔''(ص۶۵)

فی زمانہ نفسی نفسی کا دوردورہ ہے۔ ہر شخص اپنی ذات کے بارے میں سوچتا اور اپنی نمائش کا خوگر نظر آتا ہے۔ ادبی دنیا میں بیشتر لوگ اپنی نگارشات پیش کرنے اور ان کی تشہیر کے لیے بے تکان برسرِ پیکار دکھائی دیتے ہیں۔ کسی دوسرے کا خیال انھیں آتا ہی نہیں ۔لیکن عبدالعزیز دباغ صاحب نے ریاض حسین چودھری کے حینِ حیات بھی ان کی نگارشات کی اشاعت میں بھرپور حصہ لیا اور ان کی وفات کے بعد بھی ان کے کلام کے بقیہ سرمائے کو محفوظ کرنے کے لیے دامے، درمے، قدمے اور سخنے اپنی کوششیں جاری

رکھیں۔

ریاض حسین چودھری نے تاکیداً اپنے بیٹے سے کہا تھا:

''مدثر بیٹے! میری نعت کی کتابوں کے حوالے سے آپ نے زندگی بھر عبدالعزیز صاحب کے علاوہ دنیا کے کسی شخص پر بھروسہ نہیں کرنا۔''

چودھری مرحوم کی وصیت کا لفظ لفظ اس بات کی گواہی دے رہا ہے کہ عبدالعزیز دباغ جیسا مخلص دنیائے ادب میں کوئی اور نہیں تھا۔زیرِ نظر کتاب کی اشاعت بھی عبدالعزیز دباغ صاحب کے خلوص کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ اس میں وہ تنقیدی آراء شامل ہیں جو انھوں نے ریاض حسین چودھری کے فکر وفن کے حوالے سے سپردِ قرطاس کی تھیں۔

ریاض کے شعورِ نعت کی نشوونما کے عنوان سے لکھی تحریر میں ریاض مرحوم کے شعری وفکری خدوخال کا عکس ہے اور ان کے شخصی احوال کا بیان ہے۔ اس بیان سے شاعری اور بالخصوص نعتیہ شاعری سے ریاض حسین چودھری کا شغف اور عشقِ رسول ﷺ کا رنگ ظاہر ہورہا ہے۔

کتاب کے مشمولات کا اجمالی خاکہ مصنف نے خود اس طرح بنادیا ہے:

''اس کتابچے میں احقر کی کاوشوں میں مذکور ریاض کی نعت کے فکروفن کے چند نمایاں پہلوؤں کو معنوی ربط کے مطابق ترتیب دے کر ایک مسلسل تحریر کی شکل دینے کی کوشش کی گئی ہے ۔ریاض کے اسلوب ، تازہ کاری کے فنی طریقوں ، معنوی تہوں کی آبیاری اور فروغ معنویت کے لئے شعریت کی مزاج شناسی کے حوالے سے ان کے کلام کی شگفتگی، ندرت اور تازگی میں تغزل ،نظم کی ہیئتوں، علامتوں، استعاروں اور نئی تراکیب کے کردار جیسے مضامین کو معنوی ربط کے ساتھ بیان کیا گیا ہے''۔

نعتیہ ادب سے والہانہ عقیدت اور اس کی اشاعت کے لیے جذبہء محرکہ ''عشقِ نبوی ﷺ'' ہے۔ شاعر مرحوم کے عشقِ نبوی ﷺ کے آثار، اس کے شعری سرمائے سے روشن و تاباں ہیں۔ عبدالعزیز دباغ کی تحریروں میں عشقِ رسول ﷺ نے بالواسطہ اظہار کی صورت پائی ہے۔ اسی لیے، ان کے تنقیدی شعور کے انعکاس سے وجود میں آنے والی سطر سطر کو تابندگی مل گئی ہے۔

فی الحال میری علالت، تفصیلی اظہار میں مانع ہے۔ اس لیے ان چند سطور ہی پر اکتفا کرنا پڑ رہا ہے۔ میں عبدالعزیز دباغ صاحب کو اس کتاب کی اشاعت پر مبارکباد پیش کرتے ہوئے ان کی تنقیدی دانش کی مزید تابندگی کے لیے دعا گو ہوں۔

محمد حسنین مدثر

نصابِ زندگانی کتابِ ارتقا کا دوسرا نام

زندگی کے آخری ایام میں والد گرامی ریاض حسین چودھری رحمتہ اللہ علیہ اپنے غیرمطبوعہ کلام کے بارے میں بہت تشویش رکھتے تھے ۔ اس حوالے سے اپنے قریبی دوست شیخ عبدالعزیز دباغ صاحب سے وہ اکثر رابطے میں رہتے اور اپنی غیرمطبوعہ کتابوں کی اشاعت کے لئے کہتے رہتے۔ وہ بھی انہیں بھرپور تسلی دیتے۔ مجھے ابو جان نے آخری بار ہسپتال جانے سے پہلے تاکید فرمائی تھی کہ یہ کلام ان کا انتہائی قیمتی اثاثہ ہے جس کی اشاعت کے لئے صرف عبدالعزیز صاحب ہی کو مسوّدات دینا۔آپ کی وفات کے بعدجب شیخ عبدالعزیز دباغ صاحب نے مجھ سے اس سلسلے میں رابطہ کیا تو میں کچھ وقت نکال کر چودھری صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی غیرمطبوعہ تخلیقات کو دیکھنے لگا۔

جب حیات تھے تو اُن کی تخلیقی کیفیات کے حوالے سے ہم اُن سے کوئی استفسار نہیں کر پاتے تھے مگر مسودات دیکھنے لگا تو ان کے تخلیقی کرب کی کیفیتیں یاد آنے لگتیں اور آنکھیں نم رہتیں۔ویسے تو ان مسودات کو دیکھتے ہی آنکھیں برسنے لگتیں اور شیخ دباغ صاحب نے بھی سب سے پہلے ''برستی آنکھو خیال رکھنا'' کی طباعت کا فیصلہ کیا جو کہ الحمدللہ اب زیورِ طبع سے آراستہ ہو چکی ہے۔''تاجِ مدینہ'' کا مسودہ دیکھا تو نام دیکھتے ہی تجسس ہوا کہ والد گرامی کی سابقہ کتابوں سے منفرد یہ نام یقیناً ان کا منفرد کلام ہو گا۔ فہرست دیکھی تو ردیف ''تاج مدینہ ہے'' پرنظر پڑی جسے میں نے پڑھنا شروع کر دیا۔ ۱۸ اشعار کی اس نعت کو بار بار پڑھا اور ہر بار اسے پڑھنے اور سمجھنے میں نیا سرور ملا۔ بالخصوص درج ذیل شعر کا مضمون تاج مدینہ کے معنی ومفہوم کے ادراک میں مددگار ثابت ہوا۔

رقم تفصیل سے اس میں نصابِ زندگانی ہے
اسے کھولو، کتابِ ارتقا تاجِ مدینہ ہے

یوں تو ساری کائنات تاج مدینہ کے اختیار و رسوخ کے تحت ''ہرلحظہ ہے تازہ شانِ وجودٗ' کے مصداق صدائے کن فیکون پر لبیک کہہ رہی ہے لیکن ''نصابِ زندگانی کی کتاب ارتقا'' کی ترکیب اپنے اندرفکر وعمل کے لئے زمین و آسمان، نئے شمس وقمر، نئے شب و روز اور نئی حیاتِ دنیا و آخرت کا سامان لئے ہوئے ہے۔ جیسے جیسے اس نعتیہ مجموعے کا مطالعہ کرتا گیا یہ احساس تیز تر ہوتا گیا کہ یہی کتاب ''تاج مدینہٗ' در اصل نصابِ زندگانی ہی کی کتابِ ارتقا ہے کیونکہ اس کے مضامین، شعری زمین، وسائلِ اظہار اور پیرایۂ کلام اپنے اندر ندرت و انفرادیت کا بحرِ مواج لئے ہوئے ہے۔ یوں تو محبت کا گداز، روح کی وجدانی کیفیت اورحضوری کی نورانی لذت چودھری صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی نعت کے امتیازی خواص ہیں مگر''تاج مدینہٗ' میں جو چیز باقی مجموعہ ہائے کلام سے زیادہ نمایاں نظر آتی ہے وہ اُن کےفکر وفلسفہ کی صبحِ بہار ہے جو نئے اور تازہ گلہائے رنگ رنگ کی عطر بیزیوں سے مہک رہی ہے۔ خدائے واحد کی رضا کی طلب و اشتہا بندۂ مومن کا سرمایۂ ایمان تو ہے ہی لیکن چودھری صاحب مرحوم اسے بھی تاجِ مدینہ ہی قرار دیتے ہیں۔

طلب گارِ مدینہ تھا، طلب گارِ مدینہ ہوں
خدائے آسماں تیری رضا تاجِ مدینہ ہے

رضا سے آگے تاجِ مدینہ اُس جہانِ کرم کومحیط ہے جس کی پہلی کرن جبلِ نور پر خلوتِ پیغمبرؐ سے پھوٹی تھی اور جس کی ابتداء ''مکے کے موسم'' سے ہوئی تھی اور جس کی انتہا مدینہ میں سجی ہوئی بارگاہِ رسالت ہے۔جہاں ملائکہ اور عشاقانِ رسول درود و سلام پیش کرتے ہیں۔ کرم کے اس سلسلے کی ابتدا ''مکہٗ' ہے''مکہ کا موسم'' ایک ایسی تلمیحی ترکیب ہے جس میں دین اسلام کے مکہ میں طلوع اور دعوتِ حق کے جبر وصبر اور استقامت کی ہوش ربا داستان مضمر ہے۔''سلسلوں'' کا لفظ بھی دورِنبوت کی پوری تاریخ کومحیط ہے اور ''کرم کی انتہا'' کا مفہوم وہ سلطنتِ اسلامیہ ہے جس نے جہالت کی ظلمتوں کونورِ ہدایت کے جہانِ صلاح وفلاح میں بدل دیا ہے۔

کرم کے سلسلوں کی ابتداء مکہ کا موسم ہے
کرم کے سلسلوں کی انتہا تاجِ مدینہ ہے

تاجِ مدینہ کی عرش و کرسی ارض و سما کو محیط ہے۔ یہ ایک خلد بریں کا نام ہے جس کا شعور غلامئ رسول میں پنہاں ہے۔

مدینے کی زمیں پر ان گنت سجدوں کے سورج ہیں
شعورِ بندگی کا سلسلہ تاج مدینہ ہے

یہاں خلد بریں کی خوشبوؤں کا رقص جاری ہے
محیطِ موسم ارض و سما کا تاج مدینہ ہے

''تاجِ مدینہ'' ریاض حسین چودھری صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی مدحت نگاری کا ایک منفرد باب ہے۔ انفرادیت تو ان کے ہر مجموعہ کلام کا خاصہ ہے مگر اس انفرادیت کا احساس اس مجموعے میں بہت نمایاں ہے۔ 1995 میں شائع ہونے والے ان کے پہلے مجموعہ کلام ''زرِ معتبر'' میں بھی ان کا لب و لہجہ منفرد تھا۔

بوقتِ نعت گوئی حال ہوتا ہے عجب میرا
پرِ جبریل بن جاتا ہے ہر حرفِ طلب میرا

گلابِ اسمِ احمد کیا کھلا شاخِ دل و جاں پر
چمن میں تذکرہ رہنے لگا ہے روز و شب میرا

کورے کاغذ پہ نئے لفظ کا پیکر جاگے
چشمِ بیدار میں اشکوں کا سمندر جاگے

اور آج 2019 میں بعد از وصال شائع ہونے والے سترھویں مجموعہ میں ان کے احساسِ انفرادیت کا اظہار ملاحظہ فرمائیں۔

خود تلاشوں اپنے موسم خود لکھوں اپنے گلاب
دے مرے لوح و قلم کو سب سے بال و پر جدا

رنگ دامان سخن کا مختلف ہے آج بھی
ہے تغزل کا تشخص بھی مرے اندر جدا

پھر اس انفرادیت کے حوالے سے انہوں نے ''منفرد'' کی زمین میں نئے نئے مضامین نکالے ہیں۔ یہ صرف چودھری صاحب رحمتہ اللہ علیہ ہی کر سکتے تھے۔

سانسوں کا کیا ہے وہ تو چلیں گی نفس نفس
لیکن فضائے نعت میں جینا ہے منفرد

جن پر گلابِ نعت کھلیں لب وہی عظیم
نعتِ نبیؐ ہے جس میں وہ سینہ ہے منفرد

اس منفرد اور مبارکہ سینے کے حامل ریاض حسین چودھری رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے اس مجموعہ کلام میں اپنی وہ تخلیقات بھی شامل کی ہیں جو انہوں نے حرمِ کعبہ، اور وہاں سے بارگاہِ نبوی کے لئے روانگی کے وقت اور درِ رسولؐ پر حاضری کے بعد کی کیفیات کی خوشبوؤں کو سمیٹتے ہوئے لکھیں۔ ایسے اشعار نے ان کے تاجِ مدینہ کے مجموعے کو نیا رنگ و آہنگ عطا کیا ہے۔ مدینہ منورہ روانگی سے قبل ایک روز قبل مکہ معظّمہ میں لکھتے ہیں:

طیبہ کے آرہا ہوں چمن زار میں حضورؐ
مہکوں گا خوب دامنِ گلزار میں حضورؐ

چلتا رہوں میں آپؐ کی جانب تمام عمر
لغزش کہیں نہ آسکے رفتار میں حضورؐ

پھر ۲۷ رمضان المبارک کو مسجد نبوی کے پہلے دالان میں گنبدِ خضرا کی ٹھنڈی چھاؤں میں افطار سے قبل لکھتے ہیں۔

جھولی مری سرکار نے پھولوں سے بھری ہے
میں خندہ نظر، خندہ سخن، خندہ جبیں ہوں
آقا جی کرم اور کرم اور کرم ہو
میں حرفِ ادب، حرفِ ثنا، حرفِ یقیں ہوں

پھر مدینہ پاک سے وطن واپسی پر لکھتے ہیں:

معلوم نہیں کب سے میرا قلبِ مصوّر
طیبہ کے مکینوں کے قدم چوم رہا ہے
صد شکر ریاض اپنے مقدر پہ کرو تم
اندر کا ابھی شخص مدینے میں کھڑا ہے

اپنے پیرایۂ اظہار کے بارے تاج مدینہ میں وہ غزل نگاری کی جگہ مدحت نگاری کو سوچ کی ہجرت قرار دیتے ہیں

کرتا رہا غزل سے جو میں نعت تک سفر
ملک سخن سے سوچ کی ہجرت یہی تو ہے

ریاض حسین چودھری رحمتہ اللہ علیہ کے حسنِ تغزل کی تجلی ان کے نعتیہ کلام کا اثاثہ ہے۔ اس پہلو کو انہوں نے ''غزل کاسہ بکف'' میں بطور خاص موضوع بنایا ہے اور بعد میں بھی اکثر لکھتے لکھتے وہ اس مضمون کو نئے انداز اور نئے لب و لہجہ کے ساتھ پیش کرتے ہیں ۔'' تاج مدینہ'' میں بھی انہیں اپنے اسلوبِ نعت کی ندرت کا احساس جگہ جگہ اظہار مانگتا نظر آیا ہے۔ دراصل ریاض حسین چودھری صاحب رحمتہ اللہ علیہ یقیناً رسول محتشم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک منفرد مدحت نگار ہیں۔ انہیں اس ذوق نے کاملاً سمیٹ رکھا

ہے۔ وہ ذہنی اور روحانی طور پر عالم برزخ میں بھی خود کو نعت نگاری میں مصروف پاتے ہیں اور روزِ محشر بھی انہیں اسی منصب کے حوالے سے بلائے جانے کا یقین ہے

میری تجوریوں میں خزینہ ہے منفرد
اسلوبِ نعتِ شاہ مدینہ ہے منفرد

سرِ محشر شفاعت کے کھلیں جب ریشمی پرچم
ترے مدحت نگاروں کی وہاں دھومیں مچیں آقاؐ

سورج سوا نیزے پر بڑے شوق سے چمکے
محشر میں مجھے کافی ہے دستارِ مدینہ

کس نے ابھی لیا محشر میں میرا نام
کیا مجھ سا بے ہنر بھی ہے آیا شمار میں

رب کریم اپنے محبوبؐ کے اِس ہنر مند شاعر جس کے ہاتھوں میں اُس نے روزِ الست ہی نورِ مدحت نگاری رکھ دیا تھا کی قبر کو اپنے انوار رضا سے منور رکھے، اُن کی لحد میں صلِ علیٰ کا موسم برپا رہے اور روزِ محشر انہیں بے حساب اس جنت میں داخل فرما دے جس کے متعلق وہ اپنی زندگی کے آخری لمحات میں ''تاج مدینہ'' کے سرورق پر یہ شعر لکھ گئے۔

میں اکثر سوچتا رہتا ہوں اے کونین کے مالک
تری جنت مدینے سے کہاں تک مختلف ہو گی

شیخ عبدالعزیز دباغ

ریاض کے نعتیہ مجموعوں کی اشاعت

ریاض حسین چودھری اردو نعتیہ ادب کا ایک معتبر نام ہے۔ آپ نے شعر لکھنا تو زمانۂ طالب علمی ہی میں شروع کر دیا جب کہ ان کا ماحول ان کے ادبی ذوق کی پرورش کرتا رہا۔ اساتذہ، طالب علم ساتھیوں کی باذوق سنگت، ذوقِ مطالعہ، خاندان میں بعض احباب کی شاعری کی طرف رغبت اور خصوصاً ان کے گھر ہی کو مسلم لیگ ہاؤس قرار دیا جانا، قائداعظم کی سیالکوٹ آمد پر ان کے پورے گھر کا مسلم لیگ کی سرگرمیوں کے لئے استعمال کیا جانا اور اس کے ساتھ گھر میں ہر ماہ بڑی سطح پر محفل نعت کا اہتمام اور اس میں سرکردہ مدحت نگاروں اور نعت خوانوں کی شرکت ایسے عوامل ہیں جو ریاض کی شخصیت کی تشکیل اور ان کے اندر ایک نعت گو شاعر کی اٹھان اور اڑان میں بہت کام آئے۔ ۱۹۵۸ میں مرے کالج سیالکوٹ میں داخلے سے پہلے ہی وہ مشاعروں میں جایا کرتے اور داخلے کے بعد آپ نے ادبی محافل میں باقائدہ شرکت کا آغاز کیا اور جلد ہی کالج میگزین کے مدیر بن گئے اور یہ منصب ان کے پاس دو کی بجائے تین سال تک رہا۔ یہ اور ایک مدح نگار ذہن کی تشکیل و تعمیر کے حوالے سے ریاض کے بارے میں دیگر معاملات راقم نے ایک الگ تحقیقی کاوش میں بیان کئے ہیں۔ یہاں ان کی ابتدائی کاوشوں اور بعد میں مجموعہ ہائے نعت کی اشاعت کے ضمن میں ایک تلخیص پیش کی جا رہی ہے۔

۱۹۶۵ کی پاک بھارت جنگ اور دوران جنگ سیالکوٹ شہر میں قیام ایک ایسا واقعہ تھا جس نے آپ کے اندر چھپے ہوئے ایک اسلامی ملی شاعر کو دریافت کیا۔ انہوں نے ملی حمیت اور حریت کی صورتحال میں اپنی نظموں کا مجموعہ ''خون رگ جاں'' تخلیق کیا اور سیالکوٹ کے ادبی حلقوں میں اپنی ملی شاعری سے تخلیقی ولولہ پیدا کر دیا جس سے مقامی شعرا ان کے گرد جمع ہونے لگے اور بعد میں حلقہ ارباب ذوق میں ایک فعال ادبی حلقے کی شکل اختیار کر گئے۔ چھ ستمبر ۱۹۷۰ کے یوم دفاع کے موقع پر ریاض نے ''خون رگِ جاں'' شائع

کر کے اپنے مقامی حلقوں میں تقسیم کر دیا۔ اگرچہ آغا صادق صاحب کے ساتھ ان کا قریبی ادبی رابطہ وجود میں آ چکا تھا مگرآپ کی اس کاوش کو قومی سطح پر کبھی بھی سامنے نہ لایا گیا۔ ذرائع ابلاغ تک پہنچنا اور وسیع پیانے پر متعارف ہونا درویشوں کا شروع ہی سے مسئلہ رہا ہے اور ریاض حسین چودھریؒ ایسے ہی ایک درویش تھے جبکہ وہ زمانہ بھی صرف پرنٹ میڈیا تک محدود تھا اور اخبارات و جرائد کی تعداد بھی زیادہ نہ تھی اور نیشنل پریس ٹرسٹ کی وجہ سے ان کا کردار بھی متعین کر دیا گیا تھا۔

پھر سقوط ڈھاکہ کا سانحہ تو ان سے برداشت نہ ہوا اور اپنی زندگی کے آخری سانس تک مشرقی پاکستان کو مشرقی پاکستان ہی کہتے رہے اور بنگلہ دیش کا لفظ کبھی زبان پر نہ لائے۔ چنانچہ اس موضوع پر ملی نظموں پر مشتمل ''ارض دعا'' تخلیق کی جس کی اشاعت نہ ہوسکی اور وہ مسودہ کی شکل میں زندگی بھر ان کے ریکارڈ کے نیچے دبتا چلا گیا۔ یہ تو حال ہی میں احقر نے اس مسودے کو ان کے مسودات کے ذخیروں سے نکال کر اسے پرنٹنگ کے لئے ترتیب دیا ہے اور اب اس پر اشاعت کے حوالے سے کام ہو رہا ہے۔ یہاں وضاحت ضروری سمجھتا ہوں کہ احقر کو کہیں کوئی پبلشر نہ سمجھ لیا جائے۔ میں بھی ایک غیر معروف بندہ ہوں اور ریاض کی تخلیقات کی اشاعت کے حوالے سے میری دوڑ دھوپ ریاض اور ان کی نعت سے محبت کی وجہ سے ہے۔

یہ وہ پس منظر ہے جس سے ریاض حسین چودھری صاحب کی نعت پڑھنے اور پسند کرنے والے زیادہ تر احباب آشنا نہیں۔ جب کہ ان کی نعت نگاری کے حوالے سے بھی چند احباب یہ کہتے سنے گئے ہیں کہ ریاض نے نعت لکھنا اس وقت شروع کی جب وہ ۱۹۸٦ کو منہاج القرآن میں شامل ہوئے اور پندرہ روزہ ''تحریک'' کی ادارت کا منصب سنبھالا۔ حالانکہ ریاض کا پہلا مجموعہ نعت ''زرمعتبر'' جو ۱۹۹۵ میں شائع ہوا ، اوراُن نعتیہ تخلیقات پر مشتمل ہے جو انہوں نے ۱۹۸۵ تک لکھیں اور ہنوز انہیں درِحبیب صلی اللہ علیہ وسلم پر حاضری کی سعادت حاصل نہیں ہوئی تھی۔ اس سلسلے میں جناب حفیظ تائبؒ نے ''زرمعتبر''

کے دیباچے بعنوان ''پیشوائی'' میں ماہنامہ ''اوج'' کے نعت نمبر میں جناب آفتاب نقوی صاحب کو دیئے گئے انٹرویو کے حوالے سے ریاض حسین چودھریؒ کا اپنا قول بھی نقل کیا ہے۔

اس کے بعد ریاض کے بعد میں شائع ہونے والے نعتیہ مجموعہ ہائے کلام کی تفصیل ان کی ویب سائیٹ riaznaat.com پر مل جاتی ہے جس میں ڈاکٹر شہزاد احمد صاحب کی خصوصی تحریر خصوصی اہمیت کی حامل ہے جو انہوں نے ان کے پندرھویں نعتیہ مجموعے ''کائنات محو درود ہے'' کے تعارف میں لکھی ہے۔

احباب کو بخوبی علم ہے کہ ۲۰۱۷ میں ریاض حسین چودھریؒ صاحب کی وفات تک ان کے پندرہ مجموعے زیور طباعت سے آراستہ ہو چکے تھے اور راقم کو باقی ابھی آٹھ مجموعوں کی اشاعت کا اہتمام کرنا تھا۔ میری اولین ترجیح یہ تھی کہ جلد از جلد ریاض کے مسودات کی شکل میں پڑے ہوئے جملہ نعتیہ مجموعوں کو محفوظ کیا جائے اور قارئین تک پہنچایا جائے۔ اس کے لئے کتابوں کی طباعت و اشاعت کا راستہ طویل تھا جس کے لئے مالی وسائل کا انتظام ایک اہم مرحلہ تھا۔ لہٰذا پہلا قدم یہ اٹھایا کہ ریاض صاحب کی ویب سائیٹ پر کام کیا گیا اور ان کے سارے مجموعے اپ لوڈ کر دیئے۔ احباب نے اس کاوش کی بہت پذیرائی کی اور ان کی دعاؤں سے ویب سائیٹ کو قبول عام حاصل ہوا۔ اس کے ساتھ ہی bazm-e-riaz کے نام سے Android App بنائی جس سے ان کے کلام سے مدح خوانوں کو سہولت فراہم ہو گئی۔

ریاض کے باقی آٹھ مجموعہ ہائے کلام میں سے ''برسّتی آنکھو خیال رکھنا'' ۲۰۱۸ میں شائع ہو گیا جو آپ نے بستر علالت سے ہمیں عطا کیا تھا۔ ان کے نعتیہ کلام کا جو گلدستہ اب آپ کو پیش کیا جا رہا ہے ریاض حسین چودھری صاحب کے چار مجموعوں '' تاجِ مدینہ، کتابِ التجا، شعورِ کربلا اور اکائی'' پر مشتمل ہے۔ ریاض کی نعت پر اکابر احباب نقدونظر اور اساتذۂ فن نے جو کچھ لکھ دیا ہے اس کی وسعت اور جامعیت کے پیش نظر ان چار

کتابوں پر الگ الگ تعارف کی چنداں ضرورت نہیں۔ ہر کتاب اپنا تعارف آپ ہے۔ البتہ ہمیں انتظار رہے گا کہ قارئین ان مجموعہ ہائے نعت کے مطالعہ کے بعد ریاض کی نعت نگاری کے ان پہلوؤں پر اپنی قابل قدر آراء سے ضرور نوازیں جو انہیں ان کے پہلے مجموعہ ہائے نعت سے متمیز کرتے ہیں۔مثال کے طور پر ''تاجِ مدینہ'' کو نصاب زندگی اور کتاب ارتقا قرار دینا ریاض کے نعتیہ افکار کی اساس ہے اور ان کے اس مجموعے میں ان موضوعات پر ایسا کلام ملتا ہے جو ان کے پہلے شائع ہونے والے مجموعوں میں نہیں یا کم ملتا ہے۔

رقم تفصیل سے اس میں نصابِ زندگانی ہے
اسے کھولو، کتابِ ارتقا تاجِ مدینہ ہے

خدائے واحد کی رضا کی طلب و اشتہا بندۂ مومن کا سرمایۂ ایمان تو ہے ہی لیکن چودھری صاحب مرحوم اسے بھی تاجِ مدینہ ہی قرار دیتے ہیں۔

طلب گارِ مدینہ تھا، طلب گارِ مدینہ ہوں
خدائے آسماں تیری رضا تاجِ مدینہ ہے

رضا سے آگے تاجِ مدینہ اُس جہانِ کرم کو محیط ہے جس کی پہلی کرن جبلِ نور پر خلوتِ پیغمبرؐ سے پھوٹی تھی اور جس کی ابتداء ''مکے کے موسم'' سے ہوئی تھی اور جس کی انتہا مدینہ میں سجی ہوئی بارگاہِ رسالت ہے۔

کرم کے سلسلوں کی ابتداء مکہ کا موسم ہے
کرم کے سلسلوں کی انتہا تاجِ مدینہ ہے

''کتاب التجا'' ایک اور مجموعہ ہے جس میں شاعر نے اپنے التجائیہ شعری تجربات کو اپنی مخصوص شعری لغت اور اسلوب میں بیان کیا ہے۔

جب بھی چاہوں مَیں ترے در پر پہنچ جایا کروں
میرے مولا! میرے اندر سے نیا رستہ بنا

فضا میں کب تلک اڑتی رہیں گی میرے خدا!
برہنہ شاخ پہ چڑیوں کے گھونسلے برسیں

''شعورِ کربلا'' میں بھی، جیسے نام سے ظاہر ہے، ریاض کربلا کی فکری تہوں کے خد و خال اجاگر کر رہے ہیں۔

حسینؑ، آپ کے دامن سے چن رہا ہوں چراغ
یہ اِس لئے کہ مرے گھر میں گھُپ اندھیرا ہے

''اکائی'' ایک نئی صنف ادب ہے جسے ریاض نے پہلی بار نعتیہ ادب میں ایک نئی صنف کا مقام دیا ہے۔

نعت
پڑھیئے اس طرح جیسے نبیؐ ہوں سامنے

نعت
سنیئے اس طرح جیسے ہو دربارِ نبیؐ

نعت
لکھیئے آسماں سے گفتگو کرتے ہوئے

یہ ایسے موضوعات ہیں جن پر الگ الگ ریاض کی نعت کے حوالے سے بہت کچھ لکھا جا سکتا ہے۔

ریاض کی ذاتی لائبریری میں جتنے قلمی نسخے ملے اس سے یہ تأثر پیدا ہوتا ہے کہ

مختلف وقتوں میں وہ مختلف مضامین اور کیفیات کے تحت ریاض اپنی تخلیقات کا الگ الگ ریکارڈ رکھتے اور ان موضوعات اور کیفیات کے حوالے سے جب ایک کامل دفتر وجود میں آ جاتا تو اسے کتابی شکل دے دیتے۔''کتاب التجا'' جیسا کہ نام سے پتہ چلتا ہے ان کی التجاؤں پر مشتمل نعتیہ تخلیقات کا ایک عدیم النظیر مجموعہ ہے جو پڑھنے اور محسوس کرنے سے تعلق رکھتا ہے۔ اس میں حرمین شریفین کی حاضری سے پہلے، حاضری کے دوران اور بعد کی التجائیں شامل ہیں ، جن میں مضامین کی وسعت اور ان کا تنوع بیان سے باہر ہے جب کہ پیرایہ خون جگر کی نمود سے کچھ آگے ہے۔ ہوسکتا ہے نعتیہ مجموعے تخلیق اور مرتب کرنے کے حوالے سے ریاض نے یہ طریقہ اختیا نہ کیا ہو۔ تاہم راقم نے ان کے ریکارڈ کے نظم کو دیکھ کر یہی اندازہ لگایا ہے۔

مجھے امید ہے کہ قارئین اور ریسرچ سکالرز ان معلومات سے خاطر خواہ استفادہ کرسکیں گے۔اور رسولِ محتشم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدحت نگاری کے فروغ کے لئے جدید نعت نگاری کی ترویج کی خاطر ریاض کی نعت کی میڈیا پر رسائی کو ممکن بنانے میں اپنا کردار ادا کریں گے۔ ان شاء اللہ!

محمد قاسم گیلانی، حافظ آباد

ریاض حسین چودھری کی نعت میں ''استغاثہ''

ریاض حسین چودھری اُردو نعت کے وہ خوش فکر، بالغ نظر اور روشن دماغ تخلیق کار ہیں جنھوں نے اس کے دامن کو اپنے تیئیس نعتیہ مجموعوں سے مالا مال کیا۔ ان کی مدحیہ منظومات ایسی مسلمہ تخلیقات ہیں کہ عصر جدید کا ہر بڑا ناعت اور ناثر انہیں خراجِ تحسین پیش کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ ان کے تخیل نے نعت نگاری میں جہاں لفظیات کے باب میں جدت آرائی کی ہے وہیں اچھوتے مضامین کی گل کاریاں بھی کی ہیں۔ ان کی نعت میں تشبیہات و استعارات، کنایات و علامات اور مفردات و مرکبات کی تشکیل و بندش ان کی اپنی ہے۔ ان کے اشعار ایجاز سے معمور ہیں، ان کا تکنیکی اور تخلیقی اظہار اپنے اندر رمز و ایماء اور کنایہ و علامت کی وہ تاثیر افروز قوت رکھتا ہے جو ان کے کلام کو ترفع بخشنے کے ساتھ ساتھ بلاغت کی دولت بھی عطا کرتا ہے۔ اُنہوں نے اپنے مشاہدے کی تخلیقی عمل پذیری میں غیرارادی طور پر ایجاز سے کام لے کر ایسے اشعار کہے ہیں جن کی توضیح وتشریح میں نثر سینکڑوں صفحے کالے کرتے نظر آتی ہے۔ ریاض حسین چودھری نے اپنی نعت میں فن اورعقیدت کو یکجا کر کے ایسی نغمہ سرائی کی ہے جونعت کے جملہ موضوعات کا احاطہ کرتی نظر آتی ہے کیونکہ ادب کی دوسری اصناف کی طرح نعت بھی زندگی کی تیزی سے بدلتی ہوئی اقدار سے متاثر ہورہی ہے۔ انسان کے اندر جو شکست و ریخت کا عمل جاری ہے اس کے نقوش بھی نعت میں دیکھے جاسکتے ہیں۔ اس دور کا نعت نگار ذاتی، جماعتی اور کائناتی دکھوں کا مداوا اسوۂ خیر الانامؐ میں تلاش کرتا ہے۔ ریاض حسین چودھری کی نعت نگاری میں غمِ جاں سے غمِ جہاں تک، طرزِ معاشرت سے ثقافتی تشخص تک، مفلسی سے آسودگی تک، طلب سے عطا تک اور استغاثہ سے مقبولیت تک کے تمام مراحل و مظاہر کی جلوہ آرائی ملتی

ہے جو جدید اُردو نعت کا ایک لازمہ ہیں۔ جدید اُردو نعت کی وسعت پذیری کے بارے میں ڈاکٹر تحسین فراقی لکھتے ہیں:

''جدید اُردو نعت نے ہماری کلاسیکی نعت گوئی سے ایک الگ اور منفرد راستہ نکالا ہے۔ کلاسیکی نعت گوئی کا ایک بڑا مقصد حصول ثواب و برکت تھا اور یہ زیادہ تر حضور اکرمؐ کے شمائل اور معراج و معجزات کے ذکر سے وابستہ تھی۔ جدید نعت اپنے عہد کے تہذیبی اور معاشرتی آشوب سے جڑی ہوئی ہے۔''

ریاض کی نعت کا کینوس بھی مضامین و مفاہیم کی رنگارنگی اور ہمہ گیری سے ہمکنار ہے۔ اس وسیع کینوس سے رنگ استغاثہ کی ایک جھلک پیش کرنا مقصودِ نگارش ہے۔ یہ جھلک ان کی ہر تخلیق میں کہیں نغمۂ تنہائی، کہیں استغاثۂ شخصی، کہیں مسلم معاشرہ کی اجتماعی سرگرمی کی اساس اور کہیں مجموعی طور پر عہد حاضر کی زبوں حالی کی بنیاد بن کر دکھائی دیتی ہے۔ نعت ان کے اعماق قلب سے نکلی ہوئی ایک ایسی آواز ہے جو اپنے دامن میں عشق و عقیدت کی گرمی کے ساتھ آنسوؤں کی نمی بھی رکھتی ہے۔ اُنہوں نے آنحضرتؐ سے جذباتی و احساساتی تحرک کا فیضان حاصل کر کے فنی سطح کو ارفع تر بنایا اور تخلیقی گرفت کو بھی مضبوط کیا ہے۔ نیز آشوبِ ذات اور آشوبِ کائنات پر قابو پانے اور ان کا مؤثر و کامیاب سد باب کرنے کے طریقے بھی وضع کیے ہیں، جن کے ڈانڈے ''جاؤکَ'' کے خدائی اعلان کے فیضان سے ملتے ہیں۔ اُنہوں نے انفرادی و اجتماعی ہر دو سطح پر فروغ و ارتقاع کی راہیں کھول کر شخصی، قومی، ملکی اور بالآخر انسانی نشوونما و ارتقاء کے امکانات کا دائرہ وسیع کیا ہے۔ ریاض حسین چودھری ایک راسخ العقیدہ مسلمان ہیں اور اپنے آقا سرورِ کونین، مشکل کشائے دارین، مختارِ کائنات، وجہِ تخلیق کائنات، باعثِ قیام کائنات، سیدنا و مولنا حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذاتِ گرامی سے حد درجہ عشق و عقیدت رکھتے ہیں۔ وہ اپنی ہر مصیبت، کلفت، پریشانی، بیماری، تنگی، علت، ذلت، قلت، تکلیف، اُفتاد،

ابتلاء، بلا اور وباء کا ازالہ اورحل دربارِ نبویؐ سے چاہتے ہیں۔ ان کے غم ذات کی حدیں، حدودِ آفاق سے ملتی نظر آتی ہیں۔ ہر وہ غم، الم، حزن، خوف، ملال، اندیشہ، آشوب، قحط، بحران، فقدان، مرض اور دکھ جو انسانی زندگی کا حصہ ہے اور کسی بھی مرحلے پر انسان کو پیش آ سکتا ہے، ریاض اس کی دہائی اپنے کریم آقاؐ کی بارگاہ میں دیتے ہیں۔ کہیں ان کا استغاثہ شخصی اور ذاتی نوعیت کا ہے اور کہیں ان کی اپنی ذات پوری ملت کے استعارے کے طور پر سامنے آتی ہے۔ ریاض بھی عارف عبدالمتین کے اس نظریہ پر تیقن رکھتے ہیں۔ یہی ایقان ان کے ایمان کو سندِ تکمیل کی دلنواز سرفرازی کی نوید سناتا ہے۔ عارف عبدالمتین نے کہا تھا:

اور جتنے بھی سہارے ہیں سبک کرتے ہیں
عزت نفس بڑھاتا ہے سہارا تیرا

صداکارِ دہلیزِ خیرالوریٰ اور دریوزہ گرِ دربارِ مصطفیٰؐ کے اسی شوکت آمیز تشخص کی خودکلامی ریاض کی زبانی سنیے نیز کسی حسین چیز کا صدقہ اتارنے کا فلسفہ بھی نعت کے پیرایہ میں دیکھیے:

درِ مصطفیٰؐ پر صدا کر رہا ہوں
میں لفظوں کو عظمت عطا کر رہا ہوں
میں پھر اپنے ہونٹوں کا صدقہ اُتاروں
میں پھر ذکرِ خیرالوریٰؐ کر رہا ہوں

شاعر کا حضورؐ سرورِ عالمؐ کے کرم پر تیقن، وسیلۂ اسم محمدؐ تک رسائی اور اپنی نالش کی قبولیت کا یقین ان اشعار میں دیکھیے:

شہر ثنا میں پھول سجانے لگی ہوا
آنے لگی حروف کی چلمن سے بھی ضیاء
بادل اٹھا ہے چشم عقیدت سے آج بھی
سوئے حرم چلی ہے مناجات کی گھٹا
احساس میں سمٹنے لگا آگہی کا نور
دست دعا نے اسم محمدؐ کو چھو لیا

ریاض حسین چودھری کے ہاں شاعر بے نوا، رودادِ غم، دلِ ناصبور، لرزشِ پا، خوف، تمازت، کشکولِ آرزو، موسم ہجراں، دستِ دعا، نالۂ بے نوا، سہمی فاختائیں، طوفانی ہوائیں، خشک سالی، تڑپتی لاشیں، مفلوج دست و پا، شبِ سیاہ، کہنہ مرض، جلے کھیت، خاکِ مردہ، اشکِ ندامت، قفلِ افلاس، مرگ آشنا جسم، دامنِ سد چاک، بے صدا چہرے، بارش کا ہجوم، بلکتی کونجیں، ابابیل، لہو، کالک، آشوب، تشنگی، علم اور آنچل۔۔۔ایسے درجنوں الفاظ و مرکبات جابجا استعمال ہوئے ہیں، جو کہیں فرد، کہیں مسلمان، کہیں مسلم امہ، کہیں وطنِ عزیز، کہیں کمزور و مظلوم ممالک، کہیں جبر و استبداد کی چکی میں پستی ہوئی انسانیت اور کہیں طبقۂ نسواں کی داؤ پر لگی عصمت کے استعارے ہیں جنہیں ریاض نے اپنے گہری مشاہداتی شعور اور حسیاتی ادراک کی بدولت لفظی و معنوی آہنگ سے مکمل مربوط کر کے برتا ہے۔ ان کی کئی نعتوں کے پورے پورے اشعار اس امتِ مظلوم و مرحوم کے نوحے سناتے ہیں۔

امت کا زخم زخم ہے ان میں سجا ہوا
اشعار میرے اصل میں نوحہ گری کے ہیں
حضورؐ آپ کی امت کا نوحہ گر ہے ریاضؔ
کلام اس کا ہے سینے میں برچھیوں کی طرح

ریاض عہد حاضر کے مسلمان کی زبوں حالی پر خون کے آنسو روتے ہوئے بارگاہِ رسالت پناہ میں گریہ کناں ہیں۔ ان کی اس شدت آور، نالہ خیز، درد انگیز اور جگر گیر چیخ و پکار اور بلبلاہٹ کی سسکیاں ہر حساس اور درد مند دل کی آواز بن کر سنائی دیتی ہیں۔ انہوں نے اپنے ذاتی غم کو بھی ذاتی نہیں جانا بلکہ اسے کائناتی الم کے طور پر پیش کیا ہے۔ وہ رسولِ کریمؐ کے حضور ملتجی ہوتے ہوئے اپنی عرض پردازی کا پورا منظر اشعار کی چلمن سے یوں دکھاتے ہیں کہ چشم دل گریہ کناں ہونے لگتی ہے۔

کس کے در پہ کروں میں صدا یا نبیؐ
کون اپنا ہے تیرے سوا، یا نبیؐ
تیرے دربار میں سر جھکائے ہوئے
قبلہ رو ہے کوئی بے نوا، یا نبیؐ

چھوٹی بحر کا یہ استغاثہ اس قدر درد سے لبریز اور رقت سے معمور ہے، یوں محسوس ہوتا ہے کہ شاعر اپنے کریم آقاؐ کی دہلیز مبارک پر سر رکھ کر اگر اپنے دل کا بوجھ ہلکا نہ کرے گا تو اس کا جگر شدتِ کرب سے پھٹ جائے گا۔ شاعر کے سینے میں پنہاں درد وغم کی شدت آنکھوں سے اشکوں کے سیلِ رواں کی صورت میں بہتی جارہی ہے ۔ وہ اپنی دھن میں اپنے آقاؐ سے محوِ کلام ہے، اپنا کرب بھی بیان کرتا ہے اور پوری ملت کا نامہ بر بھی بنا ہوا نظر آتا ہے۔ شاعر کے اس طویل استغاثہ سے چند اشعار سنیے جس میں اس نے ادب واحترام اور شعری رنگینیوں کو یکجا کردیا ہے:

آنکھ آشوب میں مبتلا، یا نبیؐ
اپنے چہرے بھی ہیں بے ضیاء، یا نبیؐ
خشک سالی سے جلتے ہوئے باغ میں

پھول مصروفِ آہ و بقا، یا نبیؐ
عافیت صحنِ گلشن سے رخصت ہوئی
بین کرتی ہے بادِ صبا، یا نبیؐ
میرے اندر جلیں حشر کی ساعتیں
میرے اندر بھی کرب و بلا، یا نبیؐ
جبر کی قوتیں دندناتی پھریں
ظلم کی ہو گئی انتہا، یا نبیؐ
الاماں، الاماں، الاماں، الاماں
یا خدا یا نبیؐ یا خدا یا نبیؐ
دھمکیوں سے ہیں مرعوب اہلِ چمن
دم بخود امن کی فاختہ، یا نبیؐ
طائرِ پَر شکستہ کی امداد کر
کب سے اٹھے ہیں دستِ دعا، یا نبیؐ

استغاثہ کا یہ شعر صنعت تدبیج کا عمدہ نمونہ ہے جس میں تین رنگ ذکر ہوئے ہیں:

تشنگی اگ رہی ہے لب زرد پر
سبز گنبد سے کالی گھٹا، یا نبیؐ

ریاض حسین چودھری اہل اسلام کی بے نوائی، نارسائی، کسمپرسی، بے بضاعتی اور ناتوانی کا دکھڑا ایک اور نعت میں سناتے ہوئے اپنے کریم آقاؐ کی بارگاہ میں نالش اور اپیل

کرتے ہیں۔ ان کا ایک ایک مصرع تکنیکی در و بست میں اتنا مضبوط اور مفہومی اعتبار سے اس قدر مکمل ہے کہ چند لفظوں کا مصرع پوری روداد غم سناتا ہے۔ اللہ اکبر!

فلسطین و کشمیر و قبرص میں آقاؐ
لہو سے لکھی جا رہی ہے کہانی
ابھی تک ہے اقصیٰ کے دامن میں کالک
ابھی تک تشدد کی ہے حکمرانی
یہ اُفتاد کیسی غلاموں پر آئی
مصیبت گری ٹوٹ کر ناگہانی
ہے خطرے میں پھر عصمت شہر اقدس
ابابیل آئیں ملے کامرانی
عجب کسمپرسی کی حالت ہے مولا
نہ بازو میں طاقت نہ آنکھوں میں پانی

عصر حاضر کے مسائل کی کہانی، آستین کے سانپوں کی کارستانی ریاض اپنے اشکوں کی زبانی حضورؐ کی بارگاہ میں یوں سناتے ہیں:

چاروں طرف ہیں بادِ مخالف کے لشکری، ہر ہر اُفق پہ خیمے لگاتی ہے تیرگی
الجھے ہی جارہے ہیں مسائل کے پیچ وخم، آقا کرم، حضور کرم، یا نبی کرم

زر کی ہوس میں نور بصیرت بھی کھو چکے، اپنا ضمیر بیچ کے کنگال ہو چکے
تخریب کار نکلے رفیقانِ محتشم، آقا کرم، حضور کرم، یا نبی کرم

ریاض حسین چودھری اکابرینِ اُمت کا محبوب و مرغوب اور مجرب و آزمودہ وظیفہ ''**یارسول الله انظر حالنا**'' اپنے لہجہ و انداز میں وردِ زباں کرتے ہیں۔

یارسول اللہ! یا حبیب اللہ! یا نبی اللہ!

گرتی ہوئی دیوارِ گلستاں پہ نظر ہو
سرکار! مرے حال پریشاں پہ نظر ہو
ہر لحظہ ہدف بنتا ہے اعداء کے ستم کا
کشمیر و فلسطیں کے مسلماں پہ نظر ہو
کشکولِ گدائی لیے در در پہ کھڑی ہے
بے مول بکی امت ارزاں پہ نظر ہو
اے چشم کرم! جنت ارضی کے اُفق پر
بیٹوں کے جمے خونِ رگ جاں پہ نظر ہو
سرکار! شبِ عمرِ گریزاں پہ نظر ہو
دلدل میں گری امتِ ناداں پہ نظر ہو
محرومی کی اگتی ہیں جلے کھیت میں فصلیں
مٹی سے اٹی دخترِ دہقاں پہ نظر ہو
سرکار! بڑی دیر سے افسردہ کھڑا ہوں
سرکار! کبھی اپنے ثنا خواں پہ نظر ہو

ریاض حسین چودھری نے کرۂ ارض پر بسنے والے انسانوں کے مچلتے ہوئے ارمانوں کو اپنے سانسوں کی مالا میں پرو کر درِحضورؐ پر صدا کی ہے اور آقائے کائناتؐ کی بارگاہ سے اپنے ہر دکھ کا مداوا، ہر درد کا چارہ، ہر غم کا علاج، ہر تکلیف کا سکون اور ہر زخم کا مرہم طلب کیا ہے۔ ان کے سینے میں ایسا درد مند دل ہے جو امتِ مسلمہ کا دکھ دیکھ کر ملول ہوجاتا ہے اور اس کی دھڑکن گریہ زاری کی صدا بن جاتی ہے۔ ریاض اپنے آقا و مولا سے اپنی نواؤں میں تاثیر بھی مانگتے ہیں اور محتاجی سے چھٹکارا بھی چاہتے ہیں۔ وہ اس اُجڑے گلستان کے ''بلبلِ نالاں'' بن کر اپنے داخلی اضطراب کا اظہار نعت کی پاکیزہ ردا اوڑھ کر کرتے ہیں۔ وہ عہدِ موجود کے بے تاثر اور بے صدا چہروں کو صدا کاری کا ہنر سکھاتے نظر آتے ہیں۔ ان کا نالۂ درد ملاحظہ ہو:

ہمارے بے صدا چہرے ہیں مظہر کج اداؤں کے
ادب کی حد سے بھی گزرے ہیں نالے بے نواؤں کے
دہائی دے رہی ہے پھر دکھی انسانیت مولا
ہوس کاروں نے پر بھی نوچ ڈالے فاختاؤں کے
عطا حوا کی بیٹی کو کریں اب چادرِ زینب
یزیدوں کے علم آنچل بنے ہیں داشتاؤں کے

ہر زبان کے نعتیہ ادب میں بادِصبا کو نامہ بر اور سندیسہ گر کرنے کی روایت موجود رہی ہے یعنی کہ جب شاعر اپنے ضعیف اور ناتوانی کے باعث درِمحبوب تک پہنچنے کی سکت اور ہمت نہیں رکھتا، تب وہ بادِ صبا کو پیغام بر بنا کر اس کے ہاتھ بارگاہِ ناز میں سلام عقیدت بھیجتا ہے اور اپنا حسرت نامہ بھی! یہی روایت ریاض کے ہاں بھی دیکھیے۔ وہ

کیفیاتِ مہجوری اور عرضِ ارضِ وطن کو مربوط کر کے بادِ صبا کو پیغام دیتے ہیں:

لپٹ کر روضۂ اطہر سے اے باد صبا کہنا
تڑپتا ہے جدائی میں ریاضِ بے نوا کہنا
یہ کہنا دل کی ہر دھڑکن سلام شوق کہتی ہے
صبا پھر زیرِ لب آقا سے حرف التجا کہنا
یہ کہنا پھر غلاموں کا وطن مشکل میں ہے آقا
مسلط ایک مدت سے ہے دورِ ابتلا کہنا

جب مقدر نے یاوری کی، ان کی آرزوؤں کو خلعت قبولیت عطا ہوئی اور انہیں درِ خیرالوریٰ پر باریابی کا اعزاز و اکرام نصیب ہوا۔ تب بھی ان کی دعا کا پیالا اپنے وطن و قوم کی التجا و نالش کی مئے لالہ فام سے لبریز ہوتا گیا۔ وہ اپنے آقا کے در پر کھڑے یوں محوِ التجا ہیں کہ جوار گنبد خضریٰ میں ایک مستقل آشیانہ بھی چاہتے ہیں، ایسا آشیانہ جس میں جہان کے رنج وغم داخلے کی مجال نہ رکھتے ہوں:

حضور حاضر ہے ایک مجرم حضور اس کو معاف کردیں
اور اس کے کشکول آرزو کو کرم کے سکوں سے آج بھردیں
یہ ہجرتوں کے اگا کے موسم حضور لایا ہے دشتِ غم میں
یہ عافیت کی تلاش میں ہے اسے مدینے میں ایک گھر دیں

یہ اشعار دیکھیے:

خشک سالی ہے مرے جسم کی کھیتی کا غبار
حوضِ کوثر سے ملیں آبِ بقا کے سکے

نقدِ جاں لے کے کھڑا ہوں میں سخی کے در پر
خاک مردہ پہ پڑیں خاک شفا کے سکے
ریاض اپنے وطن کی خاک کے آنسو بھی لایا ہے
رسول محتشم کیجئے! کرم اپنی عطاؤں کے
کرم کی بھیک کا طالب ہے آپ کا شاعر
قدم قدم پہ ملا اس کو مشکلوں کا ہجوم

حضور سرورِ عالمؐ کے قدمَینِ پاک میں غلاموں کی برہنہ سر التجاؤں کو تاجِ اجابت پہنایا جاتا ہے اور ایک تسکین آور اطمینان سائل کے دل میں اتار دیا جاتا ہے۔ اسی سکون کی تسکینی طراوت ریاض حسین چودھری کے دل کے دریچے سے چھلکتی محسوس ہوتی ہے۔

رودادِ غم سنا کے چلا جا رہا ہوں میں
دل کا غبار نکلا ہے قدموں میں بیٹھ کر
پوچھے کوئی ریاض دلِ ناصبور سے
کتنا سکون ملتا ہے قدموں میں بیٹھ کر

سردار کائنات کے قدموں میں بیٹھ کر
دولت یقیں کی آ گئی ہے التجاؤں میں
اب حشر تک ریاضؔ تمازت کا ڈر نہیں
بیٹھا ہوا ہوں گنبد خضریٰ کی چھاؤں میں

ریاض اپنی نسلوں میں تسلسلِ ترسیلِ عشقِ رسولؐ اور اجرائے فیضانِ حب رسول

اپنے آقا سے طلب کرتے ہیں۔ اس حسنِ طلب پر متاعِ حیات قربان کرنے کو جی چاہتا ہے، دیکھیے :

میرے بچوں کو وراثت میں ملے حبِ رسول
یہ اثاثہ بعد میرے بھی تو گھر میں چاہیے

آرزوئے دیدارِ محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر عاشق کی دعاؤں کا مغز، زندگی کا حاصل، عبادات کا نچوڑ، خواہشات کا رَس، آرزوؤں کا مرکز اور تمناؤں کا محور ہے۔ حقیقت میں ایک مسلمان کی حیاتِ مستعار کا دارومدار اِسی آرزو کے پنپنے پر ہے۔ ریاض کے ہاں بھی اس آرزو، بلکہ جانِ آرزو کی جلوہ آرائی نظر آتی ہے جو ہر عاشقِ صادق کے دل کی آواز معلوم ہوتی ہے۔

ویران ہے ریاضؔ کی آنکھوں کی رہگزر
دیدار کی طلب مرے سلطاں قبول ہو
ہونٹوں نے تھام رکھا ہے خورشیدِ آرزو
بکھری ہوئی صدا کا گریباں قبول ہو

ان کا یقین ہے کہ ہر عہد کے تھکے ہارے انسان کی آخری امان گاہ اور پناہ گاہ گنبدِ خضریٰ کی ٹھنڈی میٹھی چھاؤں ہی ہے۔ بالآخر ہر انسان کو اپنے آلام کا چارہ اسی در سے ملے گا۔

آدمی تھک ہار کے ان کو پکارے گا ریاضؔ
ان کے دامانِ کرم کی انتہا بھی دیکھنا

وہ ہر سائل کو درِ حضور سے وابستہ ہوجانے کی تلقین کرتے ہیں اور اسی اُمید افزا،

یقین پرور، کرم گستر، والہانہ وابستگی کے متمنی ہیں۔

کلیوں سے لاکھ بار چھنے گی ردا مگر
تیرا وجود میرے گلستاں کا اعتبار
دستِ کرم کا سایہ رہے ہر نفس حضور
گلشن میں مختصر نہ ہو اب عرصۂ بہار

کبھی وہ نامہ بر اور صبا کے بجائے اپنا قاصد خود بننے کی اجازت چاہتے ہیں اور اپنے فن کے دوام کی تمنا کرتے یوں عرض پرداز ہوتے ہیں:

اذن ہو تو میں لکھوں برہا کہانی اپنی
اذن ہو تو میں بنوں اپنا پیامی آقا
مرے اشعار کے خوش رنگ پرندوں کو عطا
نعت کے صدقے میں ہو عمر دوامی آقا

ان کی یہ التجا یقیناً خواجۂ کون و مکاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں درجۂ اجابت پر سرفراز ہوتی ہے۔ نعت نگاری کے نئے رجحانات اور جدید اسالیب میں ریاض حسین چودھری کا نام ہمیشہ زندہ رہے گا۔ حلقۂ سخنورانِ دلبراں میں انہیں ایک معتبر حوالہ کے طور پر یاد رکھا جائے گا۔ قدسی ان کی لحد پر جناں کے پھول برساتے رہیں گے۔ اللہ کریم ان کے درجاتِ عظمت بلند فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین!